فتاویٰ علمائے حدیث

مولانا ابوالحسنات علی محمد سعیدی

مکتبہ سعیدیہ خانیوال

فَسۡـَٔلُوٓاْ أَهۡلَ ٱلذِّكۡرِ إِن كُنتُمۡ لَا تَعۡلَمُونَ

فتاویٰ علمائے حدیث

کتاب الصلوٰۃ

حصہ دوم

ترتیب : ابوالحسنات علی محمد سعیدی، مہتمم جامعہ سعیدیہ خانیوال ضلع ملتان

ناشر
المکتبۃ الرحمانیۃ
۲۷۸ - فیروزپور روڈ (۶۔ کرزن ٹاؤن) - لاہور (۱۶)
مکتبہ سعیدیہ خانیوال (ملتان)

ماخذ فتاوٰی علمائے حدیث کتاب الصلوٰۃ حصہ دوم

۱ فتاوٰی نذیریہ
۲ فتاوٰی ثنائیہ
۳ فتاوٰی غزنویہ
۴ فتاوٰی عزیزیہ
۵ فتاوٰی نواب صدیق حسن خان
۶ فتاوٰی ستاریہ
۷ فتاوٰی عمر پوری
۸ فتاوٰی مفید الاحناف
۹ اخبار محمدی
۱۰ تنظیم اہلحدیث لاہور
۱۱ الاعتصام لاہور
۱۲ اہلحدیث سوہدرہ
۱۳ اخبار توحید لاہور
۱۴ اہلحدیث دہلی
۱۵ اہلحدیث گزٹ دہلی
۱۶ نزہتہ الخواطر
۱۷ بہار شریعت
۱۸ اہلحدیث لاہور
۱۹ ہدایۃ السائل لادلۃ المسائل
۲۰ دلیل الطالب علی ارجح المطالب
۲۱ برہان العجاب

نام کتاب ____ فتاوٰی علمائے حدیث کتاب الصلوٰۃ حصہ دوم
نام مرتب ____ علی محمد سعیدی خانیوال
کتابت ____ فانی خوشنویس خانیوال کالونی ۱۷
طباعت ____ الارشاد پریس اردو بازار لاہور
تاریخ اشاعت ____ ماہ صفر ۱۳۹۴ھ مطابق مارچ ۱۹۷۴ء
قیمت ____ ۱۵/- روپے
تعداد ____ ایک ہزار (۱۰۰۰)
ناشر ____ مکتبہ سعیدیہ خانیوال
ملنے کا پتہ ____ مکتبہ سعیدیہ خانیوال ضلع ملتان (مغربی پاکستان)

مفتیانِ فتاوے

۱۔ شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ متوفی ۱۲۳۹ھ
۲۔ مولانا سید نذیر حسین محدث دہلویؒ متوفی ۱۳۲۰ھ
۳۔ ابوالحسنات محمد عبدالحی لکھنویؒ
۴۔ حضرت والا جاہ نواب صدیق حسن خاںؒ بھوپالی متوفی ۱۳۰۷ھ
۵۔ مولانا عبدالجبار غزنوی عرف امام صاحبؒ متوفی ۱۹۱۳ء
۶۔ مولانا ابومحمد عبدالوہابؒ پنجابی نزیل دہلی
۷۔ شیخ الاسلام مولانا ابوالوفا ثناء اللہ امرتسریؒ متوفی ۱۹۴۸ء
۸۔ مولانا ابوالطیب محمد شمس الحق ڈیانویؒ شارح ابوداؤد متوفی ۱۳۲۹ھ
۹۔ خادم شریعت رسول الثقلین محمد تلطف حسین دہلویؒ
۱۰۔ سید عبدالسلام دہلویؒ متوفی ۱۳۳۵ھ
۱۱۔ مولانا ابوسعید محمد شرف الدین محدث دہلویؒ متوفی ۱۹۶۱ھ
۱۲۔ مولانا ابویحییٰ محمد شاہ جہانپوریؒ متوفی ۱۳۳۸ھ
۱۳۔ حضرت مولانا محمد یونس محدث دہلویؒ کراچی متوفی ۱۳۸۸ھ
۱۴۔ حضرت مولانا عبدالکریم پنجابیؒ
۱۵۔ محمد مسعود نقشبندی دہلوی رح
۱۶۔ حضرت مولانا عبدالحق ملتانی رح
۱۷۔ ابوالمجد عبدالصمد بہاری رح
۱۸۔ ابوظفر محمد عمر ارلیسوی رح
۱۹۔ سید شریف حسین محدث دہلویؒ متوفی ۱۳۰۴ھ
۲۰۔ محمد اسد علی رح
۲۱۔ حسبنا اللہ یٰسین حفیظ اللہ دہلویؒ متوفی ۱۳۰۹ھ
۲۲۔ محمد عبیداللہؒ متوفی ۱۳۵۶ھ
۲۳۔ میر احمد پشاوری رح
۲۴۔ مولانا عبدالرؤف البہاری رح
۲۵۔ مولانا محمد یٰسین رحیم آبادی رح
۲۶۔ مولانا عبدالمجید سوہدرویؒ متوفی ۱۳۷۹ھ
۲۷۔ حافظ محمد عبداللہ صاحب روپڑیؒ متوفی ۱۳۸۴ھ
۲۸۔ مولانا عبدالسلام بستویؒ متوفی ۱۳۹۴ھ
۲۹۔ مولانا محمد علی فیروزپوری رح
۳۰۔ مولانا سید عبدالحفیظ دہلویؒ متوفی ۱۳۳۹ھ
۳۱۔ مولانا عبدالرؤف مبارکپوریؒ متوفی ۱۳۵۳ھ
۳۲۔ مولانا ابومحمد عبدالستار المعروف امام صاحبؒ
۳۳۔ مولانا مفتی کفایت اللہ دہلوی رح
۳۴۔ مولانا سید سلیمان ندوی رح
۳۵۔ مولانا عبدالحق صاحب رح
۳۶۔ مولانا عبدالقادر صاحب رح
۳۷۔ مولانا محمد اسمٰعیل علی گڑھی متوفی رح ۱۳۱۱ھ
۳۸۔ مولانا محمد بن عبداللہ مدراسی رح
۳۹۔ ابوالبرکات محمد عبدالحی تقی عرف صدرالدین احمد حیدرآبادیؒ
۴۰۔ مولوی محمد جانباز خان محمدی حیدرآبادیؒ

۴۱۔ شیخ البانی جامعہ اسلامیہ مدینہ یونیورسٹی

۴۲۔ مولانا محمد طاہر سلہٹی رح

۴۳۔ مولانا عبداللطیف رح

۴۴۔ مولانا منصور الرحمٰن رح

۴۵۔ مولانا نجیب اللہ خاں رح

۴۶۔ مولانا عبدالجبار کھنڈیلوی اوکاڑہ رح

۴۷۔ مولانا عبدالجبار عمرپوری متوفی ۱۳۳۴ھ

۴۸۔ شیخ الحدیث مولانا محمد اسمٰعیل گوجرانوالہ رح

۴۹۔ مولانا محمد صاحب جونا گڈھی رح

۵۰۔ سید محمد داؤد غزنوی متوفی ۱۹۶۳ء

۶۱۔ مولانا عین الدین رح

۶۳۔ محمد عبدالرب رح

۶۵۔ سید ابوالحسن بن سید عبدالحیٔ ناظم ندوۃ العلماء متوفی ۱۳۹۰ھ مطابق ۱۹۷۰ء

۵۱۔ مناظر اسلام حافظ عبدالقادر روپڑی لاہور

۵۲۔ مولانا حافظ محمد اسحاق لاہور شیخ الحدیث مدرسہ غزنویہ

۵۳۔ مولانا حافظ محمد گوندلوی

۵۴۔ مولانا عبیداللہ رحمانی مبارکپوری

۵۵۔ مولانا عطاء اللہ حنیف بھوجیانی لاہور

۵۶۔ مولانا عزیز زبیدی واربرٹن شیخوپورہ

۵۷۔ مولانا عبدالغفور رمضان پوری بہاری رح

۵۸۔ مولانا ابوحفص عثمانی ڈیرہ غازیخان سلمہٗ

۵۹۔ مولانا عبدالقہار دارالسلام کراچی

۶۰۔ مولانا عبدالجلیل سامرودی رح

۶۲۔ مولانا ابوعبداللہ محمد ادریس رح

۶۴۔ سید احمد حسین رح

۶۶۔ مولانا محمد یعقوب صاحب رح

۶۷۔ مولانا خرم علی بلہوری لکھنؤ متوفی ۱۲۶۰ھ

۶۸۔ مولانا محمد بشیر صاحب سہسوانی رح متوفی ۱۳۲۶ھ

فہرست

باب الرکوع

باب رفع الیدین

باب مدرک الرکوع

باب التشہد

باب السہو

باب المسبوق

باب الوتر

باب القنوت

باب الدعاء بعد الصلوٰۃ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

كتاب الصلوٰة

حصہ دوم

باب الجماعت

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ: نماز باجماعت میں الزاق الکعبین ٹخنوں سے ٹخنے ملا کر کھڑے ہونا اہلحدیث کا مسلک ہے، لیکن کسی مرفوع روایت سے الزاق الکعبین کا ثبوت صریح نہیں ہے۔ صرف بخاری شریف و ابوداؤد میں نعمان بن بشیر صحابی رضی اللہ عنہ سے اتنا آیا ہے رأیت الرجل منا یلزق کعبہ بکعب صاحبہ سو یہ کسی ایک صحابی کا فعل ہے کوئی قولی یا فعلی مرفوع حدیث نہیں ہے، پھر اس میں یہ بھی نہیں آیا یہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدا میں ایسا ہوتا ہے اور آپ نے اس کو دیکھ کر سکوت فرمایا جس سے یہ حدیث تقریری ہو جائے نیز الرجل منّا پر الف لام عہد خارجی ہے جس سے عمومیت اس فعل کی نہیں سمجھی گئی۔ فقط

بعض صحابی کا صف بندی کرتے ہوئے یہاں تک اہتمام تھا۔" وفی روایۃ احدنا"

وہاں بھی اضافت سے تعیین ہی مراد ہے۔ نیز الزاق الکعبین پر جیسا دہلی وغیرہ میں عمل ہوتا ہے، کہ
پاؤں پر پاؤں چڑھا دیتے ہیں اور ٹخنے کو ٹخنے سے رگڑا جاتا ہے اور پاؤں کو قبلہ رخ سے ٹیڑھا کر دیا جاتا
ہے۔ اس ہیئت کذائیہ کا ثبوت کسی روایت سے نہیں ہے۔ دوسرے الزاق کعبین میں بار بار رکوع و
قیام میں حرکت کی جاتی ہے۔ جو سکون فی الصلوٰۃ کے منافی ہے۔ تیسرے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ الزاق کعبین
صرف بوقت قیام ہی ہوتا تھا، یا بوقت رکوع و سجود بھی ہوتا تھا۔

میرے خیال میں حدیث کا یہ مطلب نہیں جیسا کہ اہلحدیث نے سمجھا ہے۔ بلکہ شارع علیہ السلام
کا مقصود صرف التصاق فی الصف ہے۔ وہ قدم سے قدم ملانے سے ہو سکتا ہے۔ جو حدیث میں یلزق
کعبہٗ بکعب صاحبہ اس سے مراد فقط محاذات اور قرب فی الصف ہے اس طور سے کہ "فرجہ
بین الصف" نہ رہے۔ کیونکہ شارع علیہ السلام کا مقصود صرف وصل صف و سد فرجہ کما قال سدوا
الخلل ولا تذروا فرجات للشیطان الحدیث اسی لیے امام بخاری رحؒ نے اپنی صحیح میں اس اثر
(نعمان بن بشیر رضؓ) پر جو تبویب باندھی ہے وہ یہ ہے الزاق المنکب بالمنکب والقدم بالقدم
(بخاری دہلی ص ۱۰۰) بخاری رح نے یلزق کعبہٗ بکعب صاحبہ سے الزاق کعبین جو ظاہر الفاظ سے سمجھا جاتا
ہے تبویب میں ذکر نہیں کیا ہے۔ اسی کو کہتے ہیں فقہ البخاری فی تراجمہ۔ صرف الزاق القدم بالقدم
اس سے سمجھا۔ پس آپ اس مسئلہ پر بخوبی روشنی ڈالیں۔

الجواب:

شرح نخبہ میں جابر رضؓ کی حدیث کنا نعزل والقرآن ینزل (ہم عزل کرتے تھے اور
قرآن اترتا تھا) کو مرفوع تقریری حکماً میں شمار کیا ہے۔ یعنی صحابی اگر کہے کہ ہم وحی کے زمانے میں، یا
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں یا عہد نبوی میں فلاں کام کرتے تھے یا اس قسم کی کوئی اور عبارت
ہو۔ جس کا مطلب یہی ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے قبل یہ کام ہوتا تھا۔ تو یہ بھی
مرفوع حدیث کی قسم سے ہے۔ سو اس بنا پر نعمان بن بشیر کی روایت مرفوع ہوئی۔ پھر آپ کس طرح
کہتے ہو کہ الزاق الکعبین (ٹخنوں سے ٹخنے ملا کر کھڑے ہونے کا مسئلہ)، مرفوع حدیث نہیں۔

اس کے علاوہ نعمان رضؓ کی حدیث میں پہلے یہ الفاظ ہیں کہ "رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم
نے لوگوں کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا، صفیں ٹھیک کرو، ورنہ خدا تمہارے دلوں میں مخالفت ڈال دیگا۔

اس کے بعد نعمان کہتے ہیں فرأیت الرجل یلزق منکبہ بمنکب صاحبه ورکبتهٔ برکبة صاحبه و کعبه بکعبه (ابوداؤد باب تسویة الصفوف) پس میں نے دیکھا ایک شخص دوسرے کے کندھے سے کندھا ملاتا ہے اور گھٹنے سے گھٹنہ اور ٹخنہ سے ٹخنہ۔

اس عبارت میں فرأیت کے لفظ میں ف بتا رہی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کی تعمیل انہوں نے اس طرح سے کی کہ ایک دوسرے سے کندھے، گھٹنے اور ٹخنے ملا کر کھڑے ہوئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ ان کی طرف متوجہ تھے اور انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان پر عمل کی صورت اختیار کی ہے۔ تو یہ حدیث قولاً بھی مرفوع ہو گئی اور انس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے جو بخاری کے اسی باب میں ہے۔

(اقیموا صفوفکم فانی اراکم من وراء ظهری وکان احدنا یلزق منکبه بمنکبه وقدمه بقدمه یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنی صفیں ٹھیک کرو، کیونکہ میں تمہیں اپنے پیچھے سے دیکھتا ہوں اور ہم سب ایک دوسرے کے کندھے سے کندھا ملائے اور قدم سے قدم ملائے۔

اس حدیث میں پیچھے سے بھی دیکھنے کا ذکر ہے پس آپ کا اس کو مرفوع شمار نہ کرنا ڈبل غلطی ہے۔

اور نعمان بن بشیر کی حدیث میں الرجل کے الف لام کو عہد خارجی بنانا اور انس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں احدنا سے ایک معین فرد مراد لینا یہ بھی آپ کی ڈبل غلطی ہے۔ کیونکہ الف لام عہد خارجی تب ہوتا ہے نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کا مقصود صرف ایک شخص کا واقعہ بیان کرنا مقصود ہوتا جو متکلم مخاطب کے درمیان متعین ہوتا ہے ایسا نہیں۔ کیونکہ وہ اس بات کو مسئلہ کے رنگ میں بیان کر رہے ہیں۔ کہ ہم جماعت میں اس طرح مل کر کھڑے ہوتے کہ ایک دوسرے سے ٹخنے ملاتے۔ یہاں تک معین شخص سے کچھ مطلب ہی نہیں۔

اسی طرح انس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں احدنا... ایسا ہی ہے جیسے فاتحہ خلف الامام کی حدیث میں ہے "فلیقرأ احدکم فاتحة الکتاب فی نفسه" چاہیے کہ ایک تمہارا آہستہ فاتحہ پڑھے۔

اور برتن میں کتے کے منہ ڈالنے کی حدیث میں ہے طهور اناء احدکم پاکی برتن ایک تمہارے کی" وغیرہ۔ رہی یہ بات کہ ٹخنے سے مراد ٹخنہ ہی ہے یا قدم ہے تو صحیح یہی کہ قدم مراد ہے کیونکہ جب تک پاؤں ٹیڑھا نہ کیا جائے۔ ٹخنہ سے ٹخنہ نہیں مل سکتا۔ تو گویا دونوں پاؤں ٹیڑھے کر کے کھڑا ہونا پڑے گا۔ جس میں کئی خرابیاں ہیں۔ ایک تو زیادہ دیر تک اس طرح کھڑے رہنا مشکل ہے دوم انگلیاں قبلہ رخ نہیں رہتیں۔ سوم اس لئے بار بار حرکت کرنی پڑتی ہے جو نماز میں خشوع کے منافی ہے، چہارم

اس قسم کے کئی نقصان ہیں۔ اس لیے ٹخنہ سے ٹخنہ مراد نہیں ہو سکتا۔ بلکہ قدم مراد ہے۔

اور انس رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی حدیث میں ٹخنہ کی جگہ قدم مراد ہے اس سے بھی معلوم ہوا کہ مراد قدم ہی ہے۔ اسی لیے بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے باب بھی قدم ہی کا باندھا ہے۔ اور بعض لوگ قدم زیادہ چوڑے کر کے کھڑے ہوتے ہیں جس سے کندھے نہیں ملتے، وہ غلطی کرتے ہیں کیوں کہ اس حدیث میں جیسے قدم ملانے کا ذکر ہے کندھے ملانے کا بھی ذکر ہے۔ پس قدموں میں فاصلہ اتنا ہی ہونا چاہیے جتنا کہ کندھوں میں ہے۔ تاکہ دونوں مل جلیں

(حضرت العلام مولانا) عبداللہ روپڑی

تنظیم اہلحدیث

سوال: کسی مسجد میں عورتیں اندر کمرہ میں نماز پڑھتی ہیں، فرش سے دائیں طرف آگے ہوا اور امام باہر فرش پر نماز پڑھائے۔ کیا اس صورت میں عورتوں کی نماز ہو جائے گی؟

الجواب بعون الوھاب:

عورتوں کو مردوں کے پیچھے نماز پڑھنی چاہیے چنانچہ مسلم میں حدیث ہے کہ انس رضؓ بن مالک کے گھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ نماز پڑھی تو انس اور ایک یتیم لڑکا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے پیچھے کھڑے تھے اور انس رضؓ کی والدہ ان کے پیچھے کھڑی ہوئیں۔ مصنف عبدالرزاق اور طبرانی میں عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے اَخِّرُوْھُنَّ مِنْ حَیْثُ اَخَّرَھُنَّ "عورتوں کو پیچھے کرو جیسے ان کو اللہ تعالےٰ نے پیچھے کیا۔ مذکورہ بالا اور دیگر روایت سے ظاہر ہے کہ نماز میں عورتوں کو مردوں کے پیچھے کھڑا ہونا چاہیے۔ البتہ اگر مجبوری ہو تو دائیں بائیں نماز پڑھنے میں کوئی حرج نہیں۔ چنانچہ منتخب کنز العمال میں روایت ہے کہ حارث بن معاویہ حضرت عمر رضؓ کے پاس تین مسئلہ دریافت کرنے کے لئے آئے ان میں سے ایک یہ مسئلہ تھا کہ اکثر مرتبہ میں اور میری بیوی ایک مختصر مکان میں ہوتے ہیں اور نماز کا وقت ہو جاتا ہے اگر میں اور وہ دونوں مکان کے اندر نماز پڑھیں تو وہ میرے برابر ہو جاتی ہے۔ اگر میرے پیچھے نماز پڑھے تو مکان سے باہر ہو جاتی ہے۔ اس کا کیا حل ہے۔ حضرت عمر رضؓ نے فرمایا درمیان میں کپڑے سے پردہ کرلے۔ تو پھر وہ تیرے برابر کھڑی ہو کر نماز پڑھ لے، اس میں کوئی حرج نہیں اس روائت سے ظاہر ہے کہ مجبوری کی وجہ سے عورت پیچھے کی بجائے امام کے دائیں بائیں بھی نماز پڑھ سکتی ہے۔ بشرطیکہ درمیان میں پردہ ہو۔

حافظ عبدالقادر روپڑی (تنظیم اہلحدیث جلد ۲۱ ش ۱۷)

سوال ۱۱ : جمعہ، عیدین اور تراویح پڑھنے کی صورت میں مستورات کی جگہ امام کے دائیں طرف ہو یا بائیں۔ اور اگر بائیں طرف نہ ہو سکے تو دائیں طرف مستورات کے لیے جگہ بنائی جا سکتی ہے یا نہیں؟

جواب : مشکوٰۃ شریف وغیرہ میں ہے اَخِّرُوْهُنَّ حَيْثُ اَخَّرَهُنَّ یعنی عورتوں کو پیچھے رکھو جہاں ان کو اللہ تعالیٰ نے پیچھے رکھا ہے۔" اور لیکن مجبوری ہو تو دائیں بائیں بھی کھڑی ہو سکتی ہیں۔ چنانچہ منتخب کنز العمال[۱] میں ذکر ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے ایک شخص نے سوال کیا کہ میرا خیمہ چھوٹا ہے۔ اگر عورت کو پیچھے کھڑی کروں تو وہ خیمہ کے باہر ہو جائے گی (سردی گرمی کی تکلیف ہوتی ہے) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا درمیان میں پردہ کر کے ایک طرف کھڑی کر لیا کر۔ از حضرت العلام حافظ صاحب روپڑی رحمہ اللہ تنظیم اہلحدیث جلد ۱۵، ش ۳۲

سوال : میاں بیوی مل کر باجماعت نماز فریضہ یا نوافل ادا کر سکتے ہیں یا نہیں؟ اگر کر سکتے ہیں تو کس ترکیب سے؟ یعنی بیوی ساتھ کھڑی ہو یا پیچھے؟ جواب مدلل اور مفصل بحوالہ احادیث نبویہ تحریر فرمائیں؟

(محمد بن مولوی محمد حسین حیدر آبادی)

جواب : حدیث اول، عن انس رضی قال صلينا انا ويتيم في بيتنا خلف النبي صلى الله عليه وسلم وام سليم خلفنا رواه مسلم (مشکوٰۃ باب الموقف فصل اول) ترجمہ، حضرت انس رضی سے روایت ہے کہ میں نے اور ایک یتیم نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے اپنے گھر میں نماز پڑھی اور ام سلیم (میری والدہ) ہمارے پیچھے اکیلی تھی۔ حدیث دوم وعنه ان النبي صلى الله عليه وسلم صلى به وبامه او خالته قال فاقامني عن يمينه واقام المراة خلفنا (رواه مسلم) یعنی انس رضی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو اور اس کی والدہ یا خالہ کو نماز پڑھائی۔ پس مجھے دائیں طرف کھڑا کیا اور میری والدہ یا خالہ کو پیچھے کھڑا کیا۔

حدیث سوم، عن الحارث بن معاوية الكندي انه ركب الى عمر بن الخطاب يسأله عن ثلاث خلال فقدم المدينة فقال له عمر ما اقدمك على قال ربما كنت انا والمرأة في بناء ضيق فتحضر الصلوٰة فان صليت انا وهي كانت بحذائي وان صلت خلفي خرجت من البناء فقال عمر تستر بينك وبينها بثوب ثم تصلي بحذائك ان شئت وان الركعتين بعد العصر فقال نهاني عنهما رسول الله صلى الله عليه وسلم

[۱] ص ۲۳ جلد ۲

قال وعن القصص فقال ارادونی علی القصص فقال ما شئت کانه کره ان یمنعه قال انما اردت ان انتهی الی قولك قال اخشی علیك ان تقص فترتفع علیهم فی نفسك ثم تقص فترتفع حتی یخیل الیك انك فوقهم بمنزلة الثریا فیضعك الله تحت اقدامهم یوم القیمة بقدر ذالك (حم ض) منتخب کنز العمال جلد ۲ ص۲۰۷ ترجمہ حارث بن معاویہ کندیؓ سے روایت ہے کہ وہ حضرت عمرؓ بن خطاب کے پاس تین باتوں کے متعلق سوال کرنے کے لیے مدینہ شریف میں آئے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا: آپ کس طرح تشریف لائے؟ کہا تین باتوں کے متعلق سوال کے لیے، فرمایا: وہ کیا ہیں؟ کہا: میں اور میری بیوی تنگ خیمہ میں ہوتے ہیں، پس نماز کا وقت ہوجاتا ہے اگر میں اور میری بیوی ایک ساتھ نماز پڑھیں تو وہ میرے برابر ہوجاتی ہے اگر پیچھے کھڑی ہو تو باہر نکل جاتی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے فرمایا: اگر تو چاہے تو اپنے اور اس کے درمیان کپڑے کا پردہ کر دے پھر وہ تیرے برابر نماز پڑھے۔ اور عصر کے بعد دو رکعتوں سے سوال کیا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا: مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں سے منع فرمایا ہے۔ اور وعظ سے سوال کیا کہ میری قوم سے وعظ کی خواہش کرتی ہے۔ فرمایا: جو کچھ تیری مرضی۔ گویا کہ حضرت عمرؓ نے اس کو روکنے سے اچھا نہ سمجھا اور وعظ کو کچھ پسند بھی نہ کیا۔ حارثؓ نے کہا، میرا ارادہ ہے کہ میں آپ کے قول کے مطابق عمل کروں۔ فرمایا: میں ڈرتا ہوں کہ تو وعظ کرے اور تیرے دل میں کچھ اونچائی کا خیال آجائے پھر وعظ کرے اور پھر خیال آجائے یہاں تک کہ تو اپنے خیال ہی میں ستارہ ثریا دکھتیاں تک پہنچ جائے پھر اتنا ہی اللہ تعالےٰ قیامت کے دن ان کے قدموں کے نیچے کر دے۔

ان تینوں حدیثوں سے مسئلہ واضح ہوگیا کہ عورت کو جماعت میں ساتھ کھڑا نہ کرنا چاہئے خواہ ماں ہو یا خالہ، بہن ہو یا بیوی، بلکہ وہ اکیلی پیچھے کھڑی ہو، نماز خواہ فرض ہو یا نفل۔ خواہ لڑکا نابالغ ہی ہو، اس کے برابر بھی کھڑی نہیں ہوسکتی چنانچہ پہلی حدیث اس کی وضاحت ہے۔ ہاں ضرورت کے وقت برابر کھڑی ہوسکتی ہے چنانچہ تیسری حدیث سے معلوم ہوا۔ حضرت العلام حافظ صاحب محدث روپڑی "تنظیم اہلحدیث جلد ۵ اش ۴۸"

سوال: جماعت ہوجانے کے بعد اگر دو چار آدمی آجائیں تو وہ اپنی علیحدہ جماعت کرا سکتے ہیں یا نہیں؟ اس میں مختلف اظہار رائے کرتے ہیں کوئی کہتا ہے کہ اسی مسجد میں دوسری جماعت جائز نہیں کوئی کہتا ہے، کہ جماعت میں سے اٹھ کر کوئی آدمی جماعت کرائے، جماعت کرانے والوں کا کوئی حق نہیں، کوئی کہتا ہے، کہ

کرا سکتے ہیں مگر امام کی جگہ پر نہیں، کوئی کہتا ہے کہ اگر امام بعد میں آئے تو کرا سکتا ہے، دوسرا نہیں، وغیرہ وغیرہ، جس طرح جائز ہو حکم فرمائیں۔ (سید احمد شاہ بخاری)

الجواب:۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم منتقی میں ہے:۔ عن ابی سعید رضی اللہ عنہ ان رجلا دخل المسجد وقد صلی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باصحابہ فقال من یتصدق علیٰ ذا فیصلی معہ فقام رجل من القوم رواہ احمد وابوداؤد والترمذی بمعناہ (منتقی باب من صلی فی المسجد جماعۃ بعد امام الحی۔)

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جماعت سے فراغت کے بعد ایک شخص مسجد میں داخل ہوا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کون اس پر صدقہ کرتا ہے کہ اس کے ساتھ نماز پڑھے پس ایک شخص قوم سے کھڑا ہوا۔

مشکوٰۃ میں بھی یہ حدیث ہے اس کے اخیر میں ہے فقام رجل فصلی معہ (مشکوٰۃ باب ما علی الماموم من المتابعۃ وحکم المسبوق) یعنی ایک شخص کھڑا ہوا پس اس کے ساتھ نماز پڑھی۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جس مسجد میں نماز ہو چکی ہو اسی میں دوسری نماز بھی درست ہے۔ اور جو شخص یہ کہتا ہے کہ جو نماز پڑھ چکے ان میں سے کوئی کرائے آنے والوں سے نہ کرائے یہ حدیث سے ناواقفی پر مبنی ہے۔ کیوں کہ حدیث میں ہے: لا تصلوا صلوٰۃ فی یوم مرتین رواہ احمد وابوداؤد والنسائی۔ مشکوٰۃ باب من صلی صلوٰۃ مرتین۔

اس حدیث میں دوبارہ نماز پڑھنے سے ممانعت آئی ہے مگر باوجود اس کے دوسرے کو جماعت کا ثواب دلانے کی خاطر دوبارہ نماز جائز ہوگی تو باہر سے آنیوالا جس نے نماز ابھی نہیں پڑھی اس کو بطریق اولیٰ جائز ہوگئی اور جگہ بدلنے کی شرط کرنا یہ بے ثبوت بات ہے۔ مسجد سب یکساں ہے جہاں چاہے جماعت کرائے خواہ پہلی جگہ جہاں جماعت ہو چکی ہو یا دوسری جگہ۔ اسی طرح یہ شرط کرنا کہ امام مسجد میں آئے تو کرا سکتا ہے۔ یہ بھی بے ثبوت ہے بلکہ اوپر کی حدیث میں اس کی تردید ہے کیوں کہ اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو اصل امام تھے، مسجد میں نہیں آئے بلکہ ایک اور امام آیا ہے۔ ابن ابی شیبہ کی حدیث میں ہے کہ آنے والا شخص حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے۔ (ملاحظہ ہو نیل الاوطار جلد ۳ صفحہ ۳) فقط

(عبداللہ امرتسری روپڑی) (تنظیم اہلحدیث لاہور جلد ۱۵ ش ۲۴)

سوال : میری دکان سے سو گز کے فاصلے پر دو جامع مسجدیں ہیں۔ میری دکان ڈاکٹری کی ہے میں نے اپنی دکان میں ہی دو نمازوں کا انتظام کر لیا ہے، ایک حافظِ قرآن مقرر کر رکھا ہے جو مجھے اور میرے تمام عملے کو نماز ظہر اور عصر باجماعت پڑھاتے ہیں۔ دکان اتنی بڑی ہے کہ بیس آدمی باجماعت نماز پڑھ سکتے ہیں کیا ہماری نماز ہو جائے گی؟ کیا ہم اپنی ہی دکان پر نماز باجماعت پڑھ سکتے ہیں؟ مسئلہ بحوالہ شرع متین ہو۔ آپ "توحید" میں شائع فرما کر شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں۔

جواب : مسجد کو چھوڑ کر گھر یا دکان میں نماز پڑھنے کا معمول بنا لینا اگرچہ جماعت کے ساتھ ہی ہو، خلاف سنت ہے۔ احادیث میں اس کے متعلق بڑی وعید آئی ہے۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! "جو لوگ جماعت میں شریک نہیں ہوتے میں چاہتا ہوں کہ ان کے گھروں کو آگ لگا دوں۔"

ایسے ہی ایک نابینا نے آپ سے گھر نماز پڑھنے کی اجازت چاہی تو آپ نے پوچھا "تمہیں اذان سنائی دیتی ہے"؟ اس نے اثبات میں جواب دیا تو آپ نے فرمایا! پھر مسجد میں آکر جماعت کے ساتھ نماز پڑھا کرو۔" ہاں آندھی، بارش، بیماری یا دشمن سے خوف کے وقت گھر یا دکان میں فرداً فرداً یا جماعت کے ساتھ نماز پڑھ لی جائے تو شرعاً اجازت ہے۔ تمام عملے کا جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا یا دکان میں بیس تیس آدمیوں کے مل کر نماز پڑھنے کی گنجائش ہونا مسجد میں نماز ترک کرنے کا شرعی عذر نہیں۔ خصوصاً جب کہ ایک چھوڑ دو جامع مسجدیں نزدیک ہی ہیں۔

اس بارہ میں آنحضرتؐ کے ایک جلیل القدر صحابی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالےٰ عنہ کا فتوٰی ملاحظہ فرمایئے، لکھتے ہیں:۔

من سرہ ان یلقی اللہ غدا مسلماً فلیحافظ علی ھؤلاء الصلوات حیث ینادی بھن فان اللہ شرع لنبیکم سنن الھدیٰ وانھن من سنن الھدیٰ ولو انکم صلیتم فی بیوتکم کما یصلے ھذا المتخلف فی بیتہ لترکتم سنۃ نبیکم ولو ترکتم سنۃ نبیکم لضللتم وما من رجل یتطھر فیحسن الطھور ثم یعمد الی مسجد من ھذہ المساجد الا کتب اللہ لہ بکل خطوۃ یخطوھا حسنۃ ویرفعہ بھا درجۃ ویحط عنہ بھا سیئۃ ولقد رایتنا وما یتخلف عنھا الا منافق معلوم النفاق ولقد کان الرجل یؤتی بہ یھادی بین الرجلین حتیٰ یقام

فی الصف۔ (صحیح مسلم ص ۲۳۲ جلد ۱)

جو شخص یہ پسند کرے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کامل مسلمان ہونے کی حیثیت سے ملاقات کرے تو اس کو بلاناغہ مسجدوں میں جہاں اذان ہوتی ہے، نماز پڑھنے کا اہتمام کرنا چاہیے کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے نبی کے لیے ہدایت کے طریقے جاری کیے ہیں اور مسجدوں میں جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا ہدایت کا طریقہ ہے اگر اس جماعت کو چھوڑ کر گھر نماز پڑھنے والے (غالباً منافق) کی طرح تم بھی گھروں (یا دکانوں) میں نماز پڑھنا شروع کر دو گے تو اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت چھوڑ دو گے اور اگر سنت چھوڑ دی تو گمراہ ہو جاؤ گے یاد رکھو! مسجد میں جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا بڑی خیر و برکت کا باعث ہے۔ جو شخص گھر سے اچھی طرح وضو کر کے آس پاس کی کسی مسجد میں جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے جاتا ہے، اللہ تعالیٰ ہر قدم پر اس کیلئے ایک نیکی لکھ دیتا ہے، ایک درجہ بلند کر دیتا ہے اور ایک گناہ معاف فرما دیتا ہے میں نے اپنے رفقاء صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو دیکھا ہے کہ مسجد میں باجماعت نماز پڑھنا ان کا معمول تھا۔ سوائے منافق کے کوئی آدمی جماعت سے پیچھے نہیں رہتا تھا، حتیٰ کہ بیمار بھی دو آدمیوں کے سہارے مسجد میں آتا اور اسے صف میں کھڑا کر دیا جاتا تھا۔"

ابوداؤد شریف کی ایک روایت میں ہے:۔

وَمَا مِنْكُمْ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا وَلَهُ مَسْجِدٌ فِي بَيْتِهِ وَلَوْ صَلَّيْتُمْ فِي بُيُوتِكُمْ وَتَرَكْتُمْ مَسَاجِدَكُمْ تَرَكْتُمْ سُنَّةَ نَبِيِّكُمْ وَلَوْ تَرَكْتُمْ سُنَّةَ نَبِيِّكُمْ لَكَفَرْتُمْ (ابوداؤد باب التشدید فی ترک الجماعۃ)

تم میں سے ہر فرد نے اپنے گھر میں مسجد بنا رکھی ہے اگر یہی طرح تم گھروں میں نماز پڑھنے لگے اور مسجدوں میں آنا چھوڑ دیا تو تم اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو چھوڑ دو گے اور اگر اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت چھوڑ دی تو کافر ہو جاؤ گے۔

اس فتوے سے معلوم ہو گیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ مسجد میں باجماعت نماز پڑھنے کا کتنا اہتمام فرماتے تھے اور بلاعذر گھر نماز پڑھنے والے کو کس نگاہ سے دیکھتے تھے،

عذر کی وجہ سے تخفیف اگر واقعی عذر معقول ہو تو شریعت اسلام نے مراعات دینے میں کبھی بخل سے کام نہیں لیا اور بے جا سختی پر کبھی اصرار نہیں کیا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان عام ہے۔ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا (قرآن) اللہ تعالیٰ کسی شخص پر اس کی طاقت سے باہر تکلیف نہیں دیتا۔

چنانچہ یہاں جماعت کے سلسلے میں بھی تخفیف سے کام لیا گیا ہے اور صاحب عذر کے لیے

سہولت کا موقع فراہم کیا گیا ہے۔

ایک بدری صحابی حضرت عتبانؓ بن مالک جو مسجد میں نماز باجماعت کے پابند ہی نہ تھے، بلکہ اپنی قوم کے امام بھی تھے، آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور کہا! یا رسول اللہ! میں اپنی قوم کو نماز پڑھاتا ہوں میری نظر کمزور ہوگئی ہے۔ جب بارش ہوتی ہے تو میرے اور میری قوم کے درمیان واقع ہونے والی وادی بہنے لگتی ہے۔ اس وقت میرے لیے مسجد میں آنا جانا مشکل ہو جاتا ہے۔ اس لیے یا حضرتؐ! میں چاہتا ہوں کہ آپ میرے ہاں تشریف لائیں اور میرے گھر کے ایک کونے میں نماز پڑھیں۔ میں اس کو نماز کے لیے مخصوص کر لوں گا۔ اور ہنگامی حالات میں وہاں نماز ادا کر لیا کروں گا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وعدہ فرمایا کہ بہتر! میں کسی روز انشاء اللہ تمہارے گھر آؤں گا۔ حضرت عتبانؓ کا بیان ہے کہ ایک دن سورج نکل کر کچھ اونچا ہی آیا تھا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم حسب وعدہ تشریف لائے، حضرت ابوبکر صدیق رضؓ بھی آپؐ کے ہمراہ تھے۔ آتے ہی آپؐ نے اجازت طلب کی، میں نے اجازت دی، بجائے اس کے کہ آپؐ ذرا آرام فرماتے، مکان کے اندر داخل ہو کر پوچھا "کہاں نماز پڑھوں؟ میں نے ایک کونے کی طرف اشارہ کیا، آپؐ نے وہاں قبلہ رو ہو کر تکبیر کہی، ہم نے بھی آپؐ کے پیچھے صف باندھ لی، آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دو رکعت نماز پڑھائی اور سلام پھیر دیا۔ اس کے بعد صحن میں تشریف لائے، کھانا تناول فرمایا اور دیر تک گفتگو کرنے کے بعد واپس تشریف لے گئے۔ (صحیح مسلم ص۲۳۲)

صورت مسئولہ میں بھی مسنون طریقہ مسجد میں باجماعت نماز ادا کرنا ہے کسی عذر شرعی کے وقت گھر میں یا دکان میں جماعت کے ساتھ یا فرداً فرداً نماز پڑھ لی جائے تو کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

(مولانا حافظ) محمد اسحاق مدرس دارالعلوم تقویۃ الاسلام۔ لاہور ہفت روزہ توحید لاہور ج، ش ۱

سوال: اگر ایک مکان میں کئی عورتیں ہوں، تو نماز فرض کے لیے کیا آپس میں مکان کے اندر جماعت کرا سکتی ہیں؟

جواب: مکان کے اندر عورتیں آپس میں مل کر ایک عورت کو امام بنا کر نماز باجماعت ادا کر سکتی ہیں، اس صورت سے ان کو جماعت کا ثواب مل جائے گا۔ حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بیوی حضرت ام سلمہؓ آپ کے مکان میں کل ازواج مطہرات کو ہمراہ لے کر امامت کرتی تھیں۔ تخلیص الحبیر

مولانا محمد یونس دہلوی (اہلحدیث گزٹ دہلی جلد ۸ ش ۳)

سوال: جو شخص اذان کی آواز سنے اور بغیر عذر شرعی کے جماعت میں نماز کے لیے حاضر نہ ہو تو اس کی نماز بعد میں اکیلے پڑھنے سے نہیں ہوتی۔ ایک فریق کا یہ بیان ہے اور دوسرا فریق کہتا کہ اگر دکانداری یا نوکری وغیرہ کی وجہ سے جماعت میں شریک نہ ہو تو بعد میں اکیلے نماز پڑھ سکتا ہے لیکن جماعت کی فضیلت اور خوبی سے محروم ہو گا. سوال یہ ہے کہ دونوں میں سے حق بجانب کون ہے ؟

جواب: اقول و باللہ التوفیق: نماز باجماعت کے لیے احادیث میں جس قدر تاکید ہے اس کی بنا پر صحابہ کرام اور علمائے سلف نے نماز باجماعت کو واجب بلکہ فرض لکھا ہے۔ اس لیے سب سے پہلے سائل کو یہ معلوم ہو جانا چاہیئے کہ جماعت چھوٹ جانے سے صرف اتنا ہی نہیں کہ ایک خوبی اور سنت سے نمازی محروم ہو گیا، بلکہ ترکِ واجب سے ایک معصیت کا مرتکب ہو گیا۔

سب سے پہلے صحیح بخاری کو دیکھئے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے لیے یہ عنوان قائم ہے باب وجوب صلاۃ الجماعۃ اس باب میں امام بخاری نے ایک تو حضرت حسن بصری کا ایک قول نقل کیا ہے۔ مختصراً جس کو حافظ ابن حجرؒ نے مفصلاً یوں نقل کیا ہے۔ ایک شخص نے حسنؓ سے دریافت کیا کہ ایک شخص نفلی روزہ رکھے اور اس کی والدہ اس کو روزہ توڑنے کا حکم دے تو کیا حکم ہے انہوں نے کہا کہ روزہ توڑ دے، اور اس شخص پر روزہ کی کوئی قضا نہیں بلکہ اس کو روزہ کا ثواب بھی ملے گا، اور مزید براں یہ کہ والدہ کے حکم کی اطاعت کا ثواب بھی ملیگا۔ پھر ان سے یہ سوال کیا گیا کہ والدہ اگر اپنے بیٹے کو شفقتِ پدری کی وجہ سے عشاء کی نماز باجماعت مسجد میں جا کر پڑھنے سے منع کرے۔ تو کیا کرے؟ کہا کہ والدہ کو یہ حق حاصل نہیں۔ کیوں کہ نماز باجماعت فرض ہے۔ اس کے بعد امام بخاریؒ نے وہ مشہور حدیث ذکر کی ہے جس میں جماعت سے غیر حاضر رہنے والوں کے مکانات کے جلا دینے کی تہدید موجود ہے۔ حافظ ابن حجرؒ فتح الباری میں اس حدیث کے ذیل میں فرماتے ہیں۔

واما حديث الباب فظاهر في كونها فرض عين لانها لوكانت سنة لم يهدد تاركها بالتحريق ولو كانت فرض كفاية لكانت قائمة بالرسول ومن معه اس کے بعد حافظ صاحب فرماتے ہیں۔ والى القول بانها فرض عين ذهب عطاء والاوزاعي واحمد وجماعة من محدثي الشافعية كابي ثور وابن خزيمة وابن المنذر وابن حبان وبالغ داؤد ومن تبعه فجعلها شرطا في صحة الصلوٰة۔ (فتح جلد دوم صفحہ ۱۰۴ مصر)

حافظ ابن قیم نے اپنی مشہور تصنیف کتاب الصلوٰۃ میں اس مسئلہ پر نہایت مفصل بحث کی ہے۔

شاید ایسی مفصل اور جامع بحث کسی دوسری کتاب میں نہ ہو۔

اس کے متعلق حافظ ابن قیم صاحب نے خود ہی پہلے یہ سوال کیا ہے کہ جو شخص نماز باجماعت ادا نہیں کرتا ہے یعنی کوئی شرعی عذر نہیں ہے اور پھر وہ نماز باجماعت نہیں ادا کرتا اور اکیلے پڑھتا ہے کیا اس کی نماز ہو جاتی ہے؟ پھر خود ہی اس کے جواب میں فرماتے ہیں۔

کہ یہ مسئلہ دو چیزوں پر مبنی ہے ایک تو یہ کہ نماز باجماعت فرض ہے یا سنت اور اگر فرض ہے تو کیا یہ صحت نماز کے لیے شرط ہے یا نماز بغیر جماعت کے ہو جاتی ہے لیکن ترک جماعت کی وجہ سے وہ گنہگار ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد دونوں صورتوں کے متعلق علماء سلف کا اختلاف نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ اما المسئلۃ الاولی فاختلف الفقهاء فیها فقال بوجوبها عطاء بن ابی رباح والحسن البصری وابو عمرو الاوزاعی وابو ثور والامام احمد فی ظاهر مذهبه ونص علیه الشافعی فی مختصر المزنی فقال واما الجماعۃ فلا رخص فی ترکها الا من عذر وقالت الحنفیۃ والمالکیۃ هی سنۃ المؤکدۃ ولکنهم یؤثمون تارك السنن المؤکدۃ ویصححون الصلاۃ بدونها والخلاف بینهم وبین من قال انها واجبۃ لفظی وکذا لك صرح بعضهم بالوجوب۔

(کتاب الصلوٰۃ امام ابن قیمؒ ص۵۶۹ تا ص۵۷۱ مصری)

فرضیت یا وجوب نماز باجماعت پر حافظ ابن قیم صاحب نے قرآن و حدیث سے بارہ دلائل اس کے ذیل میں لکھے ہیں۔ اور منکرین وجوب کے دلائل اور اعتراضات کا مفصل اور شافی جواب تحریر کیا ہے اور نصوص کتاب و سنت کے علاوہ حضرت عائشہؓ، ابن عباسؓ، علیؓ، ابوہریرہؓ، عبداللہ بن مسعودؓ، ابوموسیٰ اشعری اور امام حسن رضی کے صریح اقوال وجوب جماعت کے متعلق ذکر کیے ہیں۔ یہ تمام تفصیل مصری ٹائپ کے ۱۶ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس کے بعد دوسرے مسئلہ کے متعلق فرماتے ہیں کہ جماعت صحت نماز کے لیے شرط ہے یا نہیں؟ اس بارہ میں جو علماء اور ائمہ دین وجوب جماعت کے قائل ہیں ان میں اختلاف ہے دو گروہ ہیں:

احدهما انها فرض یاثم تارکها وتبرأ ذمته بصلاته وحده۔ وهذا قول اکثر المتاخرین من اصحاب احمد فی روایۃ حنبل فقال اجابۃ الداعی الی الصلوٰۃ فرض ولو ان رجلا قال هی عندی سنۃ اصلیها فی بیتی مثل الوتر وغیره لکان خلاف الحدیث وصلاته جائزۃ وفی روایۃ ثانیۃ ذکرها ابو الحسین الزعفرانی فی کتاب

الاقناع انہا شرط للصحۃ فلا تصح صلاۃ من صلیٰ وحدہ حکاہ القاضی من بعض الاصحاب واختارہ ابوالوفا ابن عقیل وابوالحسن التمیمی وھو قول داؤد واصحابہ۔

اوراسی طرح امام ابن تیمیہ نے "اختیارات العلمیہ" میں تحریر کیا ہے۔ واذا قلنا ھی واجبۃ علی الاعیان وھو المنصوص عن احمد وغیرہ من ائمۃ السلف وفیہا الحدیث فھولاء۔ تنازعوا فی اذا ترکوا لغیر عذر ھل تصح صلاۃ علی قولین احدھما لا تصح وھو قول طائفۃ من قدماء اصحاب احمد والشافعی نفسہ مع ائمۃ بالترک وھو الاکثر من احمد وقول اکثر اصحابہ (کتاب اختیارات ابن تیمیہ ص۳۰ مصر)

حافظ ابن قیم نے کتاب الصلوٰۃ میں امام ابن منذر کا یہ قول نقل کیا ہے۔ فلا ارخص لمن قدر علی صلاۃ الجماعۃ فی ترک اتیانہا الا من عذر وان تخلف احدھما فصلی منفردا لم تکن علیہ اعادتہا صلیٰہا قبل الامام او بعدہ الا صلاۃ الجمعۃ فان من صلی ھا ظھرا قبل صلاۃ الامام کان علیہ اعادتہا لان اتیانہا فرض (کتاب الصلوٰۃ ص۵۷)

حافظ ابن حجرؒ فتح الباری باب وجوب الجماعۃ کے ذیل میں اختلاف ائمہ ذکر کرتے ہوئے امام احمدؒ کا قول صرف وجوب کا ذکر کیا ہے نہ کہ شرطیتہ کا۔

وبالغ داؤد ومن تبعہ فجعلہا شرطا فی صحۃ الصلاۃ ولما کان الوجوب قد ینفک عن الشرطیۃ قال احمد انہا واجبۃ غیر شرط (جلد اول ص۳۵۵)

خلاصہ اس تمام تفصیل کا ماحصل یہ ہوا کہ سوال کا دارومدار دو مسئلوں پر ہے۔ ایک تو یہ کہ نماز باجماعت ادا کرنی واجب ہے۔ یا صرف افضل اور موجب ثواب ہے۔ اور اگر واجب ہے تو کیا یہ صحتِ نماز کے لیے شرط ہے۔ یعنی جماعت کے بغیر نماز نہیں ہوتی یا شرط نہیں، یعنی نماز تو ہو جاتی ہے لیکن ترکِ جماعت کی وجہ سے معصیت اور گناہ کا مرتکب ہو جاتا ہے۔

اول مسئلہ کے متعلق امام بخاریؒ، امام احمدؒ، امام شافعیؒ، ابن المنذرؒ، حسن بصریؒ، ابن خزیمہؒ ابن حبان، ابوثور، عطا ابن ابی رباح اور اوزاعی کا فتوے یہ ہے کہ نماز باجماعت واجب ہے اور بغیر عذرِ شرعی کے جماعت کا چھوڑنا جائز نہیں۔ اور اگر کوئی چھوڑ دے تو نماز ادا تو ہو جائے گی، لیکن ترکِ جماعت کی وجہ سے مرتکب معصیت کا ہوگا کیوں کہ ترکِ واجب معصیت ہے۔

وجوب جماعت کے جو لوگ قائل ہیں ان میں سے صرف داؤد ظاہری اور بعض حنابلہ کا یہ قول ہے کہ جماعت واجب اور صحت نماز کے لیے شرط ہے اگر جماعت فوت ہو جائے تو نماز اکیلے نہیں ہوگی۔ لیکن یہ قول مرجوع ہے۔ حافظ ابن حجر رحمۃ اسی واسطے اس کا ذکر اس طریق پر کیا ہے۔ کہ بالغ داؤد ومن تبعہ فجعلہا شرطا فی صحۃ الصلوۃ۔ یعنی داؤد ظاہری نے وجوب جماعت میں مبالغہ کر دیا۔ اور اس کو صحت نماز کے لیے شرط قرار دیا۔ بعض حنابلہ بھی اس کے قائل ہیں لیکن امام احمد بن حنبل کا قول جیسا کہ امام ابن تیمیہ، حافظ ابن قیم اور حافظ ابن حجرؒ نے لکھا ہے۔ یہی ہے کہ وہ وجوب جماعت کے قائل ہیں۔ لیکن جماعت کو صحت نماز کے لیے شرط نہیں مانتے، تو گویا بقول حافظ ابن حجر رح جس طرح نماز جمعہ کی صحت کے لیے جماعت شرط ہے اس طرح پانچوں وقت کی نمازوں کی صحت کے لیے شرط نہیں البتہ ترک جماعت بہت بڑی معصیت اور گناہ ہے۔ جس پر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے سخت وعید اور تہدید فرمائی ہے۔

دوسرا گروہ علماء کا وہ ہے جو نہ وجوب جماعت کا قائل ہے نہ جماعت کو شرط صحت نماز قرار دیتا ہے۔ یہ گروہ حنفی اور مالکی علماء کا ہے۔ یہ جماعت کو سنت مؤکدہ کہتے ہیں لیکن ساتھ ہی یہ بھی کہتے ہیں۔ کہ سنت مؤکدہ کا تارک گنہگار ہوتا ہے۔ اس لیے یہ اختلاف کوئی زیادہ اہم نہیں بلکہ جیسا کہ حافظ ابن قیم نے کہا ہے یہ لفظی اختلاف ہے۔

اس لیے یہ کہنا بے جا نہ ہوگا۔ کہ سوائے ظاہریہ اور بعض حنابلہ کے اکثر ائمہ دین علماء سلف اور صحابہ کرام کا فتویٰ اس بارہ میں یہی ہے کہ نماز با جماعت بغیر عذر شرعی کے چھوڑنے والا گناہ گار اور عاصی ہوگا۔ لیکن نماز اس کی منفرد ہو جاتی ہے۔ سوائے نماز جمعہ کے کہ وہ بلا جماعت ہوتی ہی نہیں۔

لیکن ترک جماعت کیسی معصیت ہے اور اس معصیت کا درجہ کس قدر ہے یہ معلوم کرنے کیلئے امام احمدؒ کی بعض تحریروں کی طرف توجہ منعطف کرانا چاہتا ہوں۔ امام احمدؒ نے نماز کی طرف سے عام لوگوں کی بے توجہی اور غفلت کو دیکھتے ہوئے ایک رسالہ "الرسالۃ السُنیۃ" کے نام سے لکھا ہے۔ اس میں لوگوں کی نماز کی طرف سے بے اعتنائی اور سستی اور اوقات نماز کی طرف سے غفلت اور ارکان نماز کی صحیح ادائیگی میں کوتاہی اور حضور جماعت سے تخلف پر بعض ایسی دردناک تحریریں سپرد قلم کی ہیں کہ ان کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت امام نے لوگوں کی بے دینی کو بڑے درد و کرب کے ساتھ دیکھا ہے اور اسی سے متاثر ہو کر یہ تحریریں قلم بند کی ہیں اس لیے ہر وہ شخص جس کے دل میں دین کی غربت اور اسلام کے ضعف کا درد ہے۔

وہ آنسو بہائے بغیر ان تحریروں کو نہیں پڑھ سکتا، خدا کرے کہ آپ کے سوالات کے جوابات اس میں موجود ہوں اور آپ بھی ان سے اسی طرح متاثر ہوں، جس طرح کہ اللہ کے بندے اس سے متاثر ہوتے ہیں۔

فامروا رحمکم اللہ بالصلوٰۃ فی المساجد من تخلف عنہا وعاتبوھم اذا تخلفوا عنہا وانکروا علیھم بایدیکم فان لم تستطیعوا فبالسنتکم واعلموا انہ لا یسعکم السکوت عنھم لان التخلف عن الصلاۃ عظیم المعصیۃ فقد جاء عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ قال (لقد ھممت ان اٰمر بالصلاۃ فتقام ثم اخالف الی قوم فی منازلھم لا یشھدون الصلوٰۃ فی جماعۃ فاحرقھا علیھم) فھدد ھم النبی صلی اللہ علیہ وسلم بحرق منازلھم فلولا ان تخلفھم عن الصلوٰۃ فی المسجد معصیۃ کبیرۃ عظیمۃ لما ھددھم النبی صلی اللہ علیہ وسلم بحرق منازلھم وجاء الحدیث (لا صلوٰۃ لجار المسجد الا فی المسجد) وجار المسجد الذی بینہ وبین المسجد اربعون دارا۔ فالصلوٰۃ اول فریضۃ فرضت علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم وھی اخر ما اوصی بھا امتہ عند خروجہ من الدنیا وھی اخر مایذھب من الاسلام لیس بعد ذھابھا اسلام ولا دین۔

شرعی عذر

باقی رہا یہ امر کہ تخلف عن الجماعت کے لیے کون کون عذر ہیں، جنہیں شریعت صحیح عذر قرار دیتی ہے اور ان عذروں کے ہوتے ہوئے تارکِ جماعت مرتکبِ معصیت نہیں ہوتا، سو اس کے متعلق عرض ہے کہ کتاب صحاح میں جو روایات اس بارہ میں موجود ہیں ان سب کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ (۱) بیماری (۲) خوف (۳) بارش (۴) سردی (۵) بھوک (۶) پیشاب پاخانہ کی حاجت (۷) جسم کا موٹا پا جس سے نقل وحرکت مشکل ہو جائے (صحیح بخاری) (۸) امام اس قدر لمبی نماز پڑھائے کہ مقتدیوں کے لیے ضرر بن جائے۔ اس حالت میں تخلف عن الجماعت موجب معصیت نہیں ہے۔ (۹) دکاندار جس کے مال کی حفاظت کرنے والا ملازم نہ ہو، جیسا کہ امام ابنِ حزمؒ نے محلی میں حدیث نھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن اضاعۃ المال سے استدلال کرتے ہوئے لکھا ہے۔ کہ خوف، اضاعت مال کے خیال سے اگر جماعت سے متخلف ہو جائے تو اس کو بھی معذور سمجھا جائے گا۔ باقی رہا یہ امر کہ وہ دکاندار جو اضاعتِ مال کے خیال سے اگر بلکہ صرف دکانداری کے لالچ میں بیٹھا رہے ان لوگوں کی فہرست میں داخل نہیں ہو سکتا جو شرعاً معذور سمجھے جاتے ہیں۔ البتہ ملازم معذور ہے۔ اور اس کا آقا اگر مسلمان ہے۔ اور پھر اس کو جماعت میں شامل نہیں ہونے

دیتا تو اس کا بوجھ آقا کی گردن پر ہے۔ لیکن اگر ملازم دکان کی حفاظت کرتا ہے اور آقا جماعت کے ساتھ نماز پڑھتا ہے تو پھر کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ ھذا ما عندی واللہ اعلم

حضرت مولانا سید محمد داؤد الغزنوی رحمۃ اللہ علیہ الاعتصام گوجرانوالہ ج ۲ ش

سوال: ایک شخص نے اکیلے نماز فرض پڑھ لی ہے بعد سلام کے فرض نماز باجماعت تیار ہو گئی ہے تو کیا اب اس شخص کو دوبارہ فرض نماز اس جماعت کے ساتھ پڑھ لینی جائز ہے یا ناجائز؟

جواب: دوبارہ نفلوں کی نیت سے پڑھ لی جائے تو جائز ہے۔ صبح اور عصر کے بعد نہ ملے، مغرب میں ملے تو چار رکعت کی نیت کرے۔

شرفیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع میں مسجد خیف میں صبح کی نماز پڑھی بعد میں دیکھا کہ دو شخص نماز جماعت میں شامل نہیں ان سے کہا تم جماعت میں کیوں نہ ملے عرض کیا حضور ہم اپنے ڈیرے پر نماز پڑھ کر آئے ہیں فرمایا ایسا کیا کرو جب بھی تم گھر میں نماز پڑھ کر آؤ اور جماعت ہو رہی ہو تو پھر اس نماز کی جماعت میں مل جایا کرو، یہ دوبارہ کی نماز باجماعت تمہارے نفل ہو جائیں گے، رواہ الترمذی وابوداؤد، النسائی، مشکوٰۃ ص ۱۰۳۔ اس حدیث سے ثابت ہوا کہ صبح کی نماز کے بعد بھی صورت مذکورہ یعنی ملنا ثابت بلکہ لازم یا افضل ہے۔ یہ خاص صبح کا واقعہ ہے اور اذا صلیتما فی رحالکما ثم اتیتما مسجد جماعۃ فصلیا معھم فانھا لکما نافلۃ انتہی لفظ اذا محاورہ شرع میں عموم کے لیے ہے، موجبہ کلیہ ہے۔ ہر نماز کو شامل ہے۔ لہٰذا اس میں مغرب بھی داخل ہے چوتھی رکعت بھی ملانا لازم نہیں، بلا دلیل علی اللزوم من ادعی فعلیہ البیان بالبرہان نفل تین بھی جائز ہیں، منع کی دلیل نہیں اور قول ابن عمر خلاف حدیث مرفوع ہے لہٰذا حجت نہیں۔ نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے بعد بعض امراء نماز کو بے وقت پڑھائیں گے تم اپنی نمازیں وقت پر پڑھ لینا پھر ان کے ساتھ جماعت ہیں دوبارہ پڑھ لینا وہ نفل بن جائیں گے[1]۔ مسلم شریف ص ۱۹۱ (ابو سعید شرف الدین دہلوی) (فتاوی ثنائیہ ج ۱ ص ۲۶۶)

سوال: کیا امام مقتدیوں سے ایک ہاتھ اونچا کھڑا ہو سکتا ہے؟

جواب: امام کو مقتدیوں سے اونچا کھڑا ہونا بجز کسی خاص اہم ضرورت کے جائز نہیں۔ دارقطنی میں

[1] اس حدیث کے عموم میں بھی نماز مغرب داخل ہے۔ فافہم وتدبر (سعیدی)

روایت ہے نهی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان یقوم الامام فوق شئی والناس خلفه یعنی اسفل منه. یعنی آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا کہ امام مقتدیوں سے اونچا کھڑا ہو۔ فتاویٰ ثنائیہ جلد ۱ صفحہ ۲۸۰

سوال: امام اور مقتدی شروع تکبیر سے اپنی اپنی جگہ کھڑے ہو جائیں یا جب مکبر "حی علی الصلوٰۃ" پر پہنچے؟

جواب: کسی حدیث میں میں نے یہ ترتیب نہیں دیکھی علماء کی ذہنیت ہے جس پر عمل کرنا نہ واجب ہے نہ حرام۔

تشریح: یہ بریلوی علماء کی ایجاد ہے۔ جو صحیح نہیں ہے۔ حدیث صحیح سے امام کا بعد تکبیر مؤذن یعنی تکبیر پوری کہنے کے بعد اپنی جگہ مصلیٰ پر کھڑا ہونا اور تکبیر تحریمہ کہنا ثابت ہے۔ اور مقتدیوں کا امام سے بھی پہلے اپنی اپنی جگہ پر کھڑا ہونا ثابت ہے۔ "حی علی الصلوٰۃ" سے نماز کا بلاوا ہے اور "قد قامت الصلوٰۃ" کا مطلب یہ ہے کہ نماز کے لیے جلد آؤ نماز قائم ہونے کو ہے۔ ماضی بمعنی مضارع ہے۔ اور کلام میں بھی آتی ہے۔ اور مجاز بالمشارف بھی مسئلہ ہے حدیث یہ ہے۔ عن ابی ھریرۃ ان الصلوٰۃ کانت تقام لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فیاخذ الناس مصافهم قبل ان یاخذ النبی صلی اللہ علیہ وسلم مقامه (رواہ مسلم وابوداؤد) وعن ابی ھریرۃ قال اقیمت الصلوٰۃ وعدلت الصفوف قیاما قبل ان یخرج الینا النبی صلی اللہ علیہ وسلم فخرج الینا فلما قام فی مصلاہ الحدیث متفق علیه ولا خلاف بینه وبین الحدیث الثانی اذا اقیمت الصلوٰۃ فلا تقوموا حتیٰ ترونی قد خرجت اخرجه مسلم واصحاب السنن والبخاری مختصر نیل الاوطار جلد ۳ صفحہ ۱۶۲ لان المنع قبل لخروج عن البیت والجواز بعد الخروج والخروج رؤیتهم له صلی اللہ علیہ وسلم۔ الغرض یہ کوئی شرعی مسئلہ نہیں ہے کہ مقتدیوں کے لیے لفظ "قد قامت الصلوٰۃ" کا لفظ سننے سے پہلے جماعت میں صفیں سیدھی کرنے کے لیے کھڑا ہونا حرام ہو جو ایسا کہتا ہے وہ غلطی پر ہے۔ (ابو سعید شرف الدین دہلوی) فتاویٰ ثنائیہ جلد ۱ صفحہ ۳۰۲

سوال: عصر کی جماعت ہو رہی ہے ایک آدمی جسے ابھی ظہر پڑھنا باقی ہے، جماعت کے ساتھ مل کر کون سی نماز ادا کرے؟

جواب: حدیث میں آیا ہے لا صلوٰۃ الا التی اقیمت یعنی اس وقت وہی نماز جائز ہے جس کے لیے تکبیر کہی گئی ہو۔ امام شافعیؒ کے نزدیک عصر کی نماز امام ظہر کے پیچھے پڑھیں تو جائز ہے۔

تشریح: پوری حدیث یہ ہے۔ اذا اقیمت الصلوٰۃ فلا صلوٰۃ الا التی اقیمت رواہ احمد والطبرانی فی الاوسط التلخیص الجیر وکنوز الحقائق علی حامش جامع الصغیر وقال فی نیل الاوطار بعد ذکر حدیث ابی ھریرۃ وفی الباب عن ابن عمر عند الدارقطنی فی الاثر او مثل حدیث ابی ھریرۃ قال العراقی اسنادہ حسن انتھی۔ الغرض مولانا نے جو فرمایا ہے۔ ٹھیک ہے اس وقت عصر ہی کی نماز پڑھنی ہوگی۔ (ابوسعید شرف الدین دہلوی) (فتاویٰ ثنائیہ جلد اول صفحہ ۳۳۳)

سوال: ایک آدمی نماز با جماعت شروع ہونے کے بعد مسجد میں آیا ہے۔ ابھی پہلی ہی رکعت شروع ہوئی ہے اس پہلی رکعت میں کس وقت تک شامل ہو جائے کہ اس کی نماز پوری با جماعت تصور کی جا سکے اور اگر دوسری رکعت میں شامل ہو سکا ہے تو جماعت کے بعد بقیہ ایک رکعت نماز کس طرح ادا کرے یعنی سبحانک الخ سے لے کر سورہ فاتحہ اور کچھ حصہ قرآن مجید پڑھے یا کچھ کم و بیش؟

نیز چوتھی رکعت میں شامل ہونے والا آدمی جب باقی تین رکعت نماز اکیلا شروع کرتا ہے۔ ان رکعتوں میں سے پہلی رکعت میں جو حقیقت میں اس کی دوسری رکعت ہے التحیات میں بیٹھے یا نہ بیٹھے؟

جواب: شخص مذکورہ فاتحہ پڑھ لے تو پہلی رکعت مکمل شمار ہوگی، دوسری تیسری چوتھی میں شامل ہونے والا بقیہ کو پہلا حصہ مان کر نماز پوری کرے۔ یعنی سبحانک نہ پڑھے اور پچھلی دو یا ایک رکعت میں (جو باقی ہے صرف سورہ فاتحہ پڑھے اور جو رکعتیں امام کے ساتھ پڑھی ہیں ان کو پہلی سمجھے یعنی ترتیب ملحوظ رکھے۔ اگر چوتھی رکعت میں ملا ہے تو اٹھ کر پہلے جو رکعت پڑھے اس کو دوسری رکعت سمجھ کر اس کے بعد التحیات پڑھے۔ (فتاوےٰ ثنائیہ جلد اول صفحہ ۳۳۲)

سوال: نماز فجر کی جماعت کھڑی ہو تو آنے والا فجر کی سنتیں ادا کر کے جماعت میں شامل ہو یا بعد ادا کرے۔ از روئے حدیث شریف بیان فرما دیں؟

جواب: حدیث شریف میں آیا ہے اذا اقیمت الصلوٰۃ فلا صلوٰۃ الا المکتوبۃ جب نماز جماعت کھڑی ہو جاوے تو سوائے نماز فریضہ کے کوئی نماز نہیں ہوتی۔ دارقطنی کی ایک روایت میں ہے۔ فلا

صَلوٰۃَ اِلَّا الَّتِیْ اُقِیْمَتْ جماعت کھڑی ہونے پر اس نماز کے سوا جس کی اقامت کہی گئی ہے کوئی نماز نہیں ہوتی۔ فتاویٰ ثنائیہ جلد اوّل صفہ ۳۴۸

سوال : نمازِ ظہر یا عصر ہر ایک مسجد کی پابندی وقت پر ادا ہو چکی ہو، دس پندرہ منٹ کے اندر اور پانچ دس اصحاب جمع ہو گئے، کیا دوسری جماعت جائز ہے ؟

جواب : جائز ہے۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بلکہ آپ کے حکم سے جماعت ثانیہ ہوئی۔ (ترمذی) فتاوائے ثنائیہ جلد اوّل صفہ ۳۸۸

سوال : کسی مسجد میں وقتِ معینہ پر مصلیوں نے نماز با جماعت ادا کرلی، پیچھے سے چند نمازی اور بھی مسجد میں آئے تو وہ لوگ نماز جماعت سے ادا کریں یا فرداً فرداً پڑھ لیں اور اگر نماز با جماعت بنا کر پڑھیں تو اس موقعہ پر اقامت کہنی چاہیے یا نہیں اس کے خلاف بعض علماء فرماتے ہیں۔ کہ اقامت ضروری نہیں ہے ؟

جواب : جماعت ثانیہ بلکہ ثالثہ رابعہ بھی جائز ہے۔ ترمذی میں حدیث ہے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے جماعت ثانیہ ہوئی۔ تکبیر حاضرین کو جمع کرنے کے لیے ہے۔ کہے تو مستحب ہے۔ فتاویٰ ثنائیہ جلد ۱ صفہ ۳۹۹

سوال : ایک شخص پنجوقتہ نماز اپنے گھر میں پڑھتا ہے۔ ــــــــــ اور کہتا ہے کہ دنیوی کاموں کی وجہ سے میرا مسجد کو جانا نہیں ہو سکتا، پس اس صورت میں اس کی نماز ہو گی یا نہیں؟ یہ شخص ادائے نماز کے لیے ہمیشہ برابر مسجد میں آیا کرتا ہے۔ اور نمازِ جمعہ با جماعت مسجد میں ادا کرتا ہے، پنجوقتی نماز اپنے گھر میں پڑھتا ہے۔

جواب : فرض ادا ہو جائیں تو تعجب نہیں، لیکن مسجد اور جماعت کی غیر حاضری کا گناہ ہوگا۔ حدیث شریف میں آیا ہے جو لوگ جماعت میں شریک نہیں ہوتے، میرا جی چاہتا ہے ان کے مکانوں کو آگ لگا دوں۔ مگر خورد سال بچوں کا خیال ہے۔ (فتاوائے ثنائیہ جلد اوّل صفہ ۲۶۴)

سوال : گھر میں نماز کس قسم کے عذر کے ساتھ پڑھ سکتا ہے ؟

جواب: جس عذر سے مسجد میں نہ آسکتا ہو جس کی بابت یہ لفظ آئے ہیں۔ (حبسھم العذر) عذر نے ان کو روک رکھا ہے۔ مثلاً سخت بخار یا کوئی اور کسی قسم کی تکلیف ہے۔ جو مسجد تک پہنچنے میں مانع ہو، اس صورت میں گھر میں پڑھنے سے مسجد اور جماعت کا ثواب پاوے گا۔ انشاء اللہ (فتاوٰے ثنائیہ جلد اول ص۲۶۶)

سوال: میاں بیوی مل کر جماعت کر لیویں تو سنت ہے یا نہیں؟

جواب: میاں بیوی اگر جماعت کر لیویں جائز ہے۔ مگر بیوی پیچھے کھڑی ہووے برابر کھڑی نہ ہو۔ حررہ عبدالجبار بن عبداللہ الغزنوی فتاوٰے غزنویہ ص۴۲

سوال: ایک دفعہ آپ نے زبان مبارک سے فرمایا تھا کہ عورتوں کو عید کی نماز کرانی جائز نہیں، تحریر فرمادیں کہ دوسری نماز کی جماعت جدا اُن کو جائز ہے یا نہیں؟

جواب: مطلق امامت اور جماعت کرانا عورتوں کو منع نہیں عورتوں کے واسطے عورتوں کی امامت جائز ہے۔ مگر آگے کھڑی نہ ہوئے سب کے بیچ کھڑی ہووے، عید عورتوں کو علیحدہ پڑھنی خلاف سنت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وصحابہ کرام وسلف صالحین سے اس کا کوئی ثبوت نہیں بلکہ یہی تاکید ہے، کہ عورتیں بھی عیدگاہ میں حاضر ہوجاویں اور مردوں کی نماز میں شامل رہیں حیض والی بھی دعا اور تکبیرات میں شامل رہیں مگر نماز کی جگہ سے جدا رہیں، صحیح بخاری کی کتاب العیدین میں دیکھو۔

حررہ عبدالجبار بن عبداللہ الغزنوی (فتاوٰے غزنویہ ص۴۲)

سوال: اگر کوئی شخص صبح یا عصر کی نماز تنہا پڑھ چکا ہے اور پھر بعدہٗ اگر اسی نماز کی جماعت ہووے تو وہ دوبارہ ساتھ جماعت کے مل کر وہی نماز پھر پڑھ لے تو جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: صبح یا عصر کی نماز کوئی شخص پہلے تنہا پڑھ چکا ہے اور پھر اسی نماز کی جماعت ہووے تو اس کو دوبارہ اس جماعت کے ساتھ مل کر بھی وہی نماز مکرر پڑھ لینی چاہیے اور وہ اس کے واسطے نفل ہے۔ عن یزید بن الاسود قال شھدت مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم حجتہ فصلیت معہ صلوٰۃ الصبح فی مسجد الخیف فلما قضی صلوٰتہ انحرف فاذا ھو برجلین فی اخری القوم

لم یصلیا فقال علی بهما فجی بهما ترعد فرائصهما فقال ما منعكما ان تصلیا معنا فقالا یا رسول الله انا كنا قد صلینا فی رحالنا قال فلا تفعلا ان صلیتما فی رحالكما ثم اتیتما مسجد جماعة فصلیا معهم فانها لكما نافلة رواه الخمسة منتقی الاخبار وقال جمهور الفقهاء انما یعید الصلوٰة مع الامام فی جماعة من صلی وحده فی بیته او فی غیره۔

حررہ عبد الجبار بن عبد اللہ الغزنوی فتاویٰ غزنویہ ص ۲۲

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسجد میں نماز جماعت ہوگئی، اس کے بعد مسجد میں نماز پڑھنے اور مکان پر نماز پڑھنے میں کوئی فرق ہے یا دونوں صورتیں برابر ہیں اور در صورت اول کونسی افضل ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: ایسی صورت میں گھر پر اور مسجد میں دونوں جگہ نماز پڑھنا مساوی ہے اور ظاہر الروایت میں فضیلت کسی جگہ کو نہیں۔ فی الخانیة رجل فاتته الجماعة فی مسجد حیة فان ذهب الی مسجد آخر وصلی فیه بجماعة فهو حسن وان صلی فی مسجد حیة وحده فهو حسن وان دخل منزله وصلی فیه باهله فهو حسن والله اعلم بالصواب وعنده ام الكتاب۔ محمد اعظم غفر لہ

(ترجمہ) محلہ کی مسجد میں اگر کسی آدمی کی جماعت فوت ہو جائے تو پھر اگر وہ کسی اور محلہ کی مسجد میں جا کر جماعت سے نماز پڑھ لے تو بھی ٹھیک ہے اور اگر محلہ کی مسجد میں اکیلا نماز ادا کرے، تو بھی ٹھیک ہے۔ اور اگر اپنے گھر جا کر بال بچوں سمیت نماز پڑھ لے

ترجمہ یزید بن اسود سے روایت ہے۔ کہ میں نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حج میں حاضر تھا پس میں نے آپ کے ساتھ مسجد خیف میں صبح کی نماز پڑھی پس جب آپ نماز پڑھ کر ہماری طرف متوجہ ہوئے تو دیکھا کہ دو آدمی جنہوں نے جماعت کے ساتھ نماز نہیں پڑھی تھی سب لوگوں سے پیچھے علیحدہ ہو کر بیٹھے ہوئے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ ان کو میرے پاس لاؤ جب وہ کانپتے ہوئے لائے گئے تو آپ نے فرمایا کہ تم کو ہمارے ساتھ نماز پڑھنے سے کس چیز نے روکا۔ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ (صلے اللہ علیہ وسلم) ہم اپنے ڈیروں میں نماز پڑھ آئے تھے آپ نے فرمایا ایسا نہ کیا کرو جب کبھی تم اپنے ڈیروں میں نماز پڑھ کر کسی جماعت والی مسجد میں آؤ تو جماعت کے ساتھ نماز پڑھ لیا کرو کیونکہ جو نماز تم جماعت کے ساتھ پڑھوگے) وہ تمہارے لیے نفل ہو جائے گی۔ روایت کیا اس حدیث کو ترمذی اور ابوداؤد و ابن ماجہ اور نسائی اور حاکم نے، اکثر فقہاء کا یہ قول ہے کہ اگر کوئی اپنے گھر یا ڈیرے میں اکیلا نماز پڑھ کر آیا ہو (اور اس کو جماعت مل جاوے) تو وہ جماعت میں شامل ہو کر دوبارہ نماز پڑھے۔ ۱۲

تو بھی ٹھیک ہے) مخفی نہ رہے کہ صورت مسئولہ میں تامل سے ثابت ہوتا ہے کہ چار صورتیں پیدا ہوتی ہیں، ایک مسجد و مکان ہیں دونوں جگہ تنہا پڑھے، دوسری دونوں جگہ جماعت سے پڑھے، تیسری مسجد میں جماعت سے اور گھر میں تنہا، چوتھی برعکس اسکے یعنی مسجد میں تنہا اور گھر میں جماعت سے، تو خانیہ کی عبارت سے اگر ثابت ہوتا ہے۔ تو اس صورت اخیر کا حکم ثابت ہوتا ہے اور پہلی تین صورتیں جو باقی ہیں ان کا حکم ظاہر نہیں ہوا، اور اصل مسئول صورت اول ہی ہے، تو واضح رہے کہ ان تینوں صورتوں میں مسجد ہی افضل ہے، جیسا کہ احادیث سے ثابت ہوتا ہے۔ واللہ تعالےٰ اعلم، حررہ ابو محمد یحییٰ شاہجہانپوری

درصورت تنہا پڑھنے کے ہر دو جگہ مسجد میں پڑھنا افضل ہے، فضیلت مسجد میں جو احادیث مطلق وارد ہیں، قطع نظر جماعت سے وہ دال ہیں، اور اقوال فقہا سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ اگر کوئی مسجد میں داخل ہو جائے تو اس کو وہاں سے دوسری مسجد میں جماعت کے واسطے بھی نہ جانا چاہیے اگرچہ مسجد اول میں جماعت ہو چکی ہو، قال صاحب فتح القدیر واذا کان مسجدان یختار اقدمھما وان استویا فالاقرب وان صلوا فی الاقرب وسمع اقامۃ غیرہ فان کان دخل فیہ لا یخرج ولا یذھب الیہ انتھیٰ، پس جب مسجد میں آن کر دوسری مسجد میں جماعت اولیٰ کے لیے اجازت نہیں دیتے تو گھر کو کیا مناسبت ہے، البقیہ صورتیں چوں کہ سائل کو مطلوب نہیں، لہٰذا جواب نہیں لکھا اور اور سائل کی زبانی معلوم ہوا کہ فقط مسجد اقرب کا ہے۔ فقط عبدالکریم پنجابی **محمد یعقوب**

مسجد اور گھر ادائے صلوٰۃ کے واسطے مساوی خیال کرنا مجیب صاحب ہی کا کام ہے فقہاء کرام نے کہیں نہیں لکھا ہے کہ مسجد اور گھر صلوٰۃ کے واسطے مساوی ہیں اور جو روایت مجیب نے نقل کی ہے اس کا مطلب انہوں نے نہیں سمجھا، کما لا یخفی، معلوم کرنا چاہیے کہ گھر اور مسجد ادائے صلوٰۃ مفروضہ کے حق میں بلکہ اوراذکار کے حق میں بھی مساوی نہیں، بلکہ مسجد میں نماز پڑھنا افضل ہے باعتبار گھر کے، عن[1] ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من غدا الی المسجد اوراح اعد اللہ لہ نزلہ فی الجنۃ کلما غدا اوراح متفق علیہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کے تحت میں لکھتے ہیں

---

[1] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جو آدمی پہلے پہر یا پچھلے پہر مسجد کی طرف جائے تو جب وہ مسجد کی طرف جاتا ہے۔ اللہ تعالےٰ اس کے لئے جنت میں مہمانی تیار کرتے ہیں ۱۲

وظاہر الحدیث حصول الفضل لمن اتی المسجد مطلقا ولکن المقصود منہ اختصاصہ بمن یاتیہ للعبادۃ والصلوۃ راسھا انتہی حررہ سید محمد عبد الحفیظ عفا اللہ عنہ

سید محمد نذیر حسین   فتاوی نذیریہ جلد اول ص ۴۰۳

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک مصلے پر دوبارہ جماعت کرنا مکروہ ہے یا نہیں: اور جو لوگ کہ مکروہ بتاتے ہیں اور منع کرتے ہیں ان کی دلیل یہ حدیث ہے روی عبد الرحمن بن ابی بکر عن ابیہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خرج من بیتہ لیصلح بین الانصار فرجع وقد صلی فی المسجد بجماعۃ فدخل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی منزل بعض اھلہ فجمع فصلی بھم جماعۃ[1] وہ لوگ کہتے ہیں کہ اگر نہ مکروہ ہوتا تکرار جماعت کا تو اسی مسجد میں آں حضرت نماز پڑھتے، نہ پڑھنا حضرت کا خود دلالت کرتا ہے مکروہ ہونے تکرار جماعت پر۔ اب مستفتی سوال کرتا ہے کہ آیا یہ حدیث صحیح ہے یا نہیں اور مخرج اس کا کون ہے اور درصورت صحت حدیث کے استدلال کراہت تکرار جماعت ایک مصلی پر ٹھیک ہے یا نہیں اور علمائے حنفیہ رحمہم اللہ کا اس میں کیا فتوے ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: حقیقت مسئلہ کی یہ ہے کہ اگر جماعت اہل محلہ نے ہمراہ امام معین کے کرلی ہو تو اسی اہل محلہ کے باقی ماندہ کو اسی مسجد محلہ میں بہیئت اولیٰ تکرار جماعت مکروہ ہے یعنی مسجد محلہ میں ساتھ اذان اور تکبیر کے اسی مصلے پر جماعت ثانیہ اسی اہل محلہ کی مکروہ ہے اور اگر بغیر اذان کے یا بہ تبدیل مصلے جماعت ثانیہ اسی اہلِ محلہ نے کی تو بلا کراہت درست اور جائز ہے اور اگر غیر اہل محلہ نے اول جماعت ساتھ اذان اور اقامت کے کرلی تھی تو اہلِ محلہ کو ساتھ اذان اور جماعت ثانیہ جائز ہے۔ اور جو مسجد شارع عام ہو اس میں تکرار جماعت مطلقاً خواہ ساتھ اذان کے ہو یا بہ تبدیل مصلیٰ ہو یا نہ ہو ہر طرح درست ہے۔

[1] رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم انصار میں صلح کرانے کے لیے اپنے گھر سے نکلے واپس آئے تو مسجد میں جماعت ہو چکی تھی آپ اپنے کسی حجرہ میں چلے گئے اور اپنے گھر والوں کو اکٹھا کر کے ان کی جماعت کرائی۔

ویکرہ[1] تکرار الجماعت باذان و اقامۃ فی مسجد محلۃ لا فی مسجد طریق او مسجد لا امام لہ ولا مؤذن درمختار قولہ باذان واقامۃ الخ عبارتہ فی خزائن اجمع مما ھنا ونصہا یکرہ تکرار الجماعۃ فی مسجد محلۃ باذان واقامۃ الا اذا صلی بہما فیہ اولا غیر اہلہ لکن بمخافتۃ الاذان ولو کرر اہلہ بدونہما او کان مسجد طریق جاز اجماعا کما فی مسجد لیس لہ امام ولا مؤذن ویصلی الناس فیہ فوجا فوجا فان الافضل ان یصلی کل فریق باذان واقامۃ علیحدۃ کما فی امالی قاضی خان ونحوہ فی الدرر والمراد بمسجد المحلۃ ما لہ امام وجماعۃ معلومون کما فی الدرر وغیرھا قال فی المنبع والتقیید بالمسجد المختص بالمحلۃ احتراز من الشارع وبالاذان الثانی احتراز عما اذا صلی فی مسجد المحلۃ جماعۃ بغیر اذان حیث یباح اجماعا انتہی ما فی الشامی اور اسی طرح سے بدائع اور ظہیریہ اور عالمگیریہ اور شرح منیہ وغیرہم میں لکھا ہے کہ تبدل محراب اور مصلے میں ہیئت جماعۃ اولی بدل جاتی ہے اور جماعۃ ثانیہ غیر مصلے اولی پر بلا کراہتہ ہو جاتی ہے وفی[2] شرح المنیۃ عن ابی یوسف رحمۃ اللہ علیہ انہ اذا لم تکن الجماعۃ علی الھیئۃ الاولی لا تکرہ والا تکرہ وھو الصحیح وبالعدول عن المحراب تختلف الھیئۃ الاولی کذا فی البزازیۃ انتہی وفی التتارخانیۃ عن الولواجیۃ وبہ ناخذ انتہی ما فی الشامی اور حدیث مندرجہ سوال کو شارحین کتب فقہ نے بلا اسناد اور بلا مخرج باختلاف الفاظ بیان کیا ہے۔ اور

---

[1] محلہ کی مسجد میں اذان اور اقامت سے بار بار جماعت کرانا مکروہ ہے۔ اگر کسی راستہ پر مسجد ہو یا ایسی مسجد ہو کہ اس میں کوئی امام اور مؤذن مقرر نہ ہو تو اس میں تکرار جماعت اذان اور اقامت سے بھی مکروہ نہیں ہے بلکہ افضل ہے اگر محلہ کی مسجد میں پہلے بغیر اذان کے جماعت ہوئی ہو تو دوسری جماعت اذان اور اقامت سے مکروہ نہیں ہے۔ اور محلہ کی مسجد وہ ہے جس کا امام اور مقتدی معلوم اشخاص ہوں۔

[2] امام یوسف کہتے کہتے ہیں کہ اگر دوسری جماعت پہلی ہیئت پر نہ ہو تو مکروہ نہیں ہے۔ ورنہ مکروہ ہے۔ اور اگر محراب کو چھوڑ کر کسی دوسری جگہ پر جماعت کھڑی ہو جائے۔ تو اس سے ہیئت بدل جاتی ہے۔

کتب صحاح میں صحیح سند اس کی کا پتہ نہیں لگتا، پس قطع نظر اس کے کہ صحت اور عدم صحت حدیث میں بحث کی جائے مطلب اس حدیث کا یہ نہیں ہے۔ کہ جماعت دوسری مسجد واحد میں مکروہ ہے بلکہ اس حدیث سے تاکید جماعت ثابت ہوتی ہے کیوں کہ جب حضرت صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف فرما ہوئے تو کوئی دوسرا نمازی نہیں پایا۔ اسی واسطے گھر میں جا کر ساتھ اہل اپنے کے نماز پڑھی اور یہ ظاہر ہے کہ اگر کوئی نمازی دوسرا ہوتا تو ضرور ہے کہ ان کو جماعت سے محروم نہ کرتے یا مسجد میں جماعت کراتے یا بیرون مسجد جیسا کہ حدیث ترمذی سے صاف ثابت ہوتا ہے۔ عن ابی سعید الخدری قال جاء رجل وقد صلی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال ایکم یتجر علی ھذا فقام رجل وصلی معہ رواہ الترمذی وھو قول غیر واحد من اھل العلم من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم وغیرھم من التابعین قالوا لا باس ان یصلی القوم جماعۃ فی مسجد قد صلی فیہ وبہ یقول احمد واسحاق اور ابوداؤد میں اس طرح سے آئی ہے عن ابی سعید الخدری ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابصر رجلا یصلی وحدہ فقال الا رجل یتصدق علی ھذا فیصلی معہ پس جب کہ آں حضرت نے واسطے فضیلت حاصل کرنے جماعت کے اس شخص کو حکم شامل ہونے کا دیا کہ پہلے نماز پڑھ چکا تھا۔ تو جن اشخاص نے کہ نماز نہ پڑھی ہو ان کو بالاولیٰ جماعت دوسری کرنی بلا کراہت ایک مسجد میں جائز ہوئی اور یہ امر نہیں ہو سکتا ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اصحاب کو جماعت دوسری کا حکم فرما دیں اور آپ نہ کریں پس متحقق ہوا کہ حدیث مذکورہ فی السوال کا مورد یہ ہے کہ اس وقت دوسرا نمازی کوئی نہ تھا اگر ہوتا تو ضرور مسجد ہی میں نماز پڑھتے کیوں کہ جماعت کی بہت تاکید احادیث میں آئی ہے ماسوا اس کے چونکہ امر کو ترجیح اور غلبہ ہے فعل غیر ہمیشگی پر۔ اس لیے حدیث ترمذی پر عمل کرنا اولیٰ اور اقدم ہوا اور تیسری وجہ یہ کہ حدیث ترمذی کی نص صریح ہے۔ واسطے جماعت دوسری کے۔ اور حدیث مذکورہ فی السوال سے دلالتاً نکلتا ہے

---

[۱] ایک آدمی مسجد میں آیا۔ جماعت ہو چکی تھی۔ تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کون ہے جو اس آدمی پر صدقہ کرے۔ تو ایک آدمی کھڑا ہوا اور اس کے ساتھ مل کر نماز پڑھی۔ صحابہ اور تابعین میں سے اہل علم حضرات کا یہی مسلک ہے کہ دوبارہ جماعت کرا لینا درست ہے۔ اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ امام احمد اور اسحاق کا بھی یہی مذہب ہے۔ [۲] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی کو دیکھا وہ اکیلا نماز پڑھ رہا تھا۔ آپ نے فرمایا! کوئی ہے جو اس پر صدقہ کرے اور اس کے ساتھ مل کر نماز پڑھے

اور اصول فقہ میں مندرج ہے کہ بحالت تعارض عبارۃ النص و دلالۃ النص کی عبارت کو ترجیح دیتے ہیں دلالۃ النص پر اور چوتھی وجہ یہ کہ نہ پڑھنا حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اسپر دلالت نہیں کرتا کہ جماعت دوسری مکروہ ہے۔ بلکہ دیگر امورات عارضہ پر بھی دلالت کرتا ہے۔ پس اختیار امر واحد کا بلا دلیل قابل اعتبار نہیں اور صحیح بخاری میں آیا ہے۔ کہ حضرت انس رض مسجد میں آئے اور جماعت ہو چکی تھی۔ پس اذان کہی اور تکبیر کہی اور جماعت سے نماز پڑھی[1] جاء انس بن مالك الى مسجد قد صلى فيه فاذن و اقام وصلى جماعة رواه البخاری پس امر حضرت صلی اللہ علیہ وسلم و فعل اصحابہ اور تابعین سے متحقق ہوا کہ جماعت دوسری مسجد واحد میں بلا کراہت صحیح و جائز ہے۔ واللہ اعلم بالصواب حررہ واجابہ خاکسار محمد مسعود نقشبندی دہلوی ۲۹ ربیع الاول ۱۲۹۳ھ

سید محمد نذیر حسین

ھوالموفق تکرار جماعت بلا کراہت جائز ہے ایک مصلے پر ہو خواہ ایک مصلے پر نہ ہو۔ جامع ترمذی کی حدیث مذکور اور انس رضی اللہ تعالےٰ کا اثر مذکور جواز پر صاف دلالت کرتا ہے۔ اور مطلقاً تکرار جماعت کا مکروہ ہونا یا ایک مصلے پر نہ ہو تو مکروہ نہ ہونا سو اس کی کوئی دلیل میری نظر سے نہیں گزری ہے۔ اور اسی طرح مجیب نے جو تحقیق شامی سے نقل کی ہے اس کی کوئی دلیل میری نظر سے نہیں گزری ہے۔ واللہ اعلم اور عبدالرحمٰن بن ابی بکر کی حدیث جو سائل نے نقل کی ہے وہ بالکل غیر معتبر و ناقابل احتجاج ہے، کیوں کہ نہ اس کے مخرج کا پتہ اور نہ اس کی سند کا حال معلوم فقہائے حنفیہ یوں ہی بلا سند و بلا ذکر مخرج اس کو ذکر کرتے ہیں۔ اور اگر فرض کر لیا جائے کہ یہ حدیث قابل احتجاج ہے تو اس سے تکرار جماعت کی کراہت ثابت نہیں ہوتی ہے جیسا کہ مجیب نے بیان کیا ہے۔ واللہ اعلم کتبہ محمد عبدالرحمٰن المبارکفوری عفا اللہ عنہ (فتاویٰ نذیریہ اوّل جلد صـ۴۵۶)

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک مولوی صاحب نے ایک وقت میں دو جماعت کے ساتھ امامت کرائی نماز جماعت ثانیہ خلف اس کے روا و صحیح ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب: روا و صحیح ہے بموجب ان حدیثوں کے کہ جو بخاری و مسلم وغیرہ میں مذکور ہیں فی المشکوٰۃ

[1] انس بن مالک رض ایک مسجد میں آئے وہاں جماعت ہو چکی تھی۔ آپ نے اذان اور تکبیر کہہ کر جماعت کرائی۔

عن جابر قال کان معاذ بن جبل یصلی مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم ثم یاتی قومہ فیصلی بھم متفق علیہ وعنہ قال کان معاذ یصلی مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم العشاء ثم یرجع الی قومہ فیصلی بھم العشاء وھی لہ نافلۃ رواہ البخاری والبیہقی اقول الاظہر والانسب ارجاع الضمیر الی الاقرب فیفہم منہ صحۃ اقتداء المفترض بالمتنفل کما ھو المعول عند المتأمل فعلیک بالانصاف فانہ من خیر الاوصاف قال النووی فی ھذا الحدیث جواز صلوۃ المفترض خلف المتنفل لان معاذا کان یصلی الفریضۃ مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فسقط فرضہ ثم یصلی مرۃ ثانیۃ بقومہ ھی لہ تطوع ولھم فریضۃ وقد جاء ھکذا مصرحا بہ فی غیر مسلم وھذا جائز عند الشافعی وآخرین رحمھم اللہ تعالی استدلالا بھذا الحدیث والتاویلات دعاوی لا اصل لھا فلا یترک بھا ظاہر الحدیث قال صاحب التوضیح صلوۃ معاذ بقومہ فیہ دلالۃ علی صحۃ صلوۃ المفترض خلف المتنفل الخ فی المرقاۃ قال القاضی الحدیث یدل علی جواز اقتداء المفترض بالمتنفل فان من ادی فرضا ثم اعاد یقع المعاد نفلا قال ابن المبارک وبہ قال الشافعی الخ فی المشکوۃ عن جابر ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یصلی بالناس صلوۃ الظہر فی الخوف ببطن نخل فصلی بطائفۃ رکعتین ثم سلم ثم جاء طائفۃ اخری فصلی بھم رکعتین ثم سلم رواہ فی شرح السنۃ فی المرقاۃ لا اشکال فی ظاہر الحدیث علی مقتضی مذھب الشافعی رحمۃ اللہ علیہ فانہ محمول علی حالۃ القصۃ وصلی بالطائفۃ الثانیۃ نفلا الخ قال النووی وکان صلی اللہ علیہ وسلم متنفلا فی الثانیۃ وھم مفترضون وبہ استدل الشافعی واصحابہ علی جواز صلوۃ المفترض خلف المتنفل وحکوہ عن الحسن البصری

معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھا کرتے تھے پھر اپنی قوم میں آتے اور ان کو نماز پڑھاتے۔ حضرت معاذ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عشاء کی نماز پڑھتے پھر اپنی قوم میں واپس آتے اور ان کو اگر عشاء کی نماز پڑھاتے اور یہ نماز ان کی نفل ہوتی اس حدیث سے معلوم ہوا۔ کہ نفل پڑھنے والے کے پیچھے فرض نماز ہو جاتی ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا یہی مذہب ہے اور اس کے برخلاف جو دعاوی تاویلات پیش کیے جاتے ہیں ان کا کوئی اصل نہیں ہے۔ حضرت جابر کہتے ہیں: کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے خوف کے وقت بطن نخلہ میں لوگوں کو ظہر کی نماز پڑھائی ایک جماعت کو دو رکعتیں پڑھائیں۔ اور سلام پھیر دیا، پھر دوسری جماعت کو دو رکعتیں پڑھائیں پھر سلام پھیر دیا۔ ملا علی قاری رح نے کہا ہے کہ (بقیہ آگے)

موجزاً اقول وهكذا افاده السيد فى شرح المشكوة وهو المرام لما فى الصحيحين وغيره فى المقام فكانت له صلى الله عليه وسلم اربع ركعات وللقوم ركعتان كما يظهر صريحا من سنن ابى داؤد وغيره وتكميل المقال لا يليق بتعليل تقليل المجال والتنفيق والله اعلم بالصواب حرره سيد محمد نذير حسين عفى عنه

سید نذیر حسین

فتاوی نذیریہ جلد اول ص۴۴۷

سوال: ما قول السادة العلماء الكرام فى رجل صلى مع جماعة ثم ادرك جماعة اخرى يصلون تلك الصلوة هل له ان يصلى معهم ثانيا۔ بينوا توجروا۔

الجواب: نعم جاز له ان يصلى معهم ثانيا لحديث يزيد بن الاسود قال شهدت مع النبى صلى الله عليه وسلم حجته فصليت معه صلوة الصبح فى مسجد الخيف فلما قضى صلوته انحرف فاذا هو برجلين فى اخرى القوم لم يصليا فقال على بهما فجئ بهما ترعد فرائصهما فقال ما منعكما ان تصليا معنا فقالا يا رسول الله انا كنا قد صلينا فى رحالنا قال فلا تفعلا اذا صليتما فى رحالكما ثم اتيتما المسجد جماعة فصليا معهم فانها لكما نافلة رواه خمسة الا ابن ماجة وفى لفظ لابى داؤد اذا صلى احدكم فى رحله ثم ادرك الصلوة مع الامام فليصلها معه فانها له نافلة كذا فى المنتقى قال الشوكانى فى النيل ص۲۶ الحديث اخرجه ايضا الدارقطنى وابن حبان والحاكم وصححه ابن السكن وقال الترمذى

بقیہ ص امام شافعیؒ کے مذہب پر تو اس میں کوئی اشکال نہیں ہے کیوں کہ نفل کے پیچھے فرض کی نیت صحیح جانتے ہیں اور آنحضرت قصر کی حالت میں تھے پچھلی دو رکعت جو آپ نے دوسری جماعت کو پڑھائیں وہ آپ کی نفل نماز تھی، حسن بصری اور عبداللہ بن مبارک کا یہی مذہب ہے۔ سوال: اگر کوئی آدمی جماعت سے نماز پڑھ لے، پھر دوسری جماعت اس کو مل جائے تو کیا وہ ان کے ساتھ بھی نماز پڑھ سکتا ہے یا نہیں؟

جواب: ہاں ان کے ساتھ نماز پڑھنا جائز ہے، یزید بن اسود نے کہا، میں حجۃ الوداع میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا۔ صبح کی نماز مسجد خیف میں پڑھی، جب فارغ ہوئے تو آپ نے دیکھا دو آدمی پیچھے بیٹھے ہوئے ہیں۔ انہوں نے نماز نہیں پڑھی تھی، آپ نے فرمایا ان کو میرے پاس لاؤ، وہ آئے، توان کے کندھے کانپ رہے تھے، آپ نے فرمایا، تم (بقیہ اگلے)

حسن صحیح وقال قوله فانها لكما نافلة فيه تصريح بان الثانية في الصلوٰة المعادة نافلة وظاهره عدم الفرق بين ان تكون الاولى جماعة او فرادى لان ترك الاستفصال في مقام الاحتمال يتنزل منزلة العموم في المقال انتهى. ولحديث ابي سعيد قال صلى لنا رسول الله صلى الله عليه وسلم فدخل رجل فقام يصلى الظهر فقال الا رجل يتصدق على هذا فيصلى معه اخرجه الترمذي وحسنه وابن حبان والحاكم ولحديث محجن بن الادرع قال اتيت النبي صلى الله عليه وسلم وهو في المسجد فحضرت الصلوٰة فصلى يعني ولم اصل فقال لى الا صليت قلت يا رسول الله قد صليت في الرحل ثم اتيتك قال فاذا جئت فصل معهم واجعلها نافلة رواه احمد. قال الشوكاني في النيل ص ۳۳ ج ۳ وحديث محجن اخرجه ايضا مالك في المؤطا والنسائي وابن حبان والحاكم فان قلت قال ابن عبد البر قال جمهور الفقهاء انما يعيد الصلوٰة مع الامام في جماعة من صلى وحده في بيته او في غير بيته واما من صلى في جماعة وان قلت فلا يعيد في اخرى قلت او كثرت ولو اعاد في جماعة اخرى لاعاد في ثالثة ورابعة الى مالا نهاية له وهذا لا يخفى فساده قال وممن قال بهذا القول مالك وابو حنيفة والشافعي واصحابهم ومن حجتهم قوله صلى الله عليه وسلم لا تصلى صلوٰة في يومين مرتين انتهى قلت من صلى صلوٰة في جماعة

بقیہ ص ، تم نے ہمارے ساتھ نماز کیوں نہ پڑھی؟ کہنے لگے، ہم اپنے خیموں میں نماز پڑھ آئے تھے۔ آپ نے فرمایا! ایسا نہ کرو، جب تم اپنے خیموں میں نماز پڑھ لو، پھر تم جماعت والی مسجد میں آ ؤ تو ان کے ساتھ بھی نماز پڑھ لو، وہ تمہارے نفل نماز بن جائے گی۔ امام ترمذی نے کہا، دوسری نماز جو جماعت کے ساتھ پڑھی جائے گی، وہ نفل ہوگی، اور پہلی فرض ہوگی، خواہ جماعت کے ساتھ پڑھی یا اکیلے، رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نماز پڑھا چکے تھے۔ ایک آدمی آیا، آپ نے فرمایا کوئی آدمی ہے۔ جو اس پر صدقہ کرے اور اس کے ساتھ نماز پڑھے، اس سے معلوم ہوا کہ جماعت سے نماز پڑھی ہو، تو بھی دوسری جماعت سے نماز پڑھ سکتا ہے۔ محجن بن ادرع مسجد میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے، جماعت کھڑی ہوئی، تو انہوں نے جماعت کے ساتھ نماز نہ پڑھی۔ آپ نے پوچھا، تو نے نماز کیوں نہیں پڑھی؟ انہوں نے کہا میں پڑھ چکا ہوں، آپ نے فرمایا، جب ایسا واقعہ بنے، تو نماز دوبارہ پڑھ لیا کرو۔ یہ نماز تیرے لیے نفل ہو جائے گی۔ اگر کوئی آدمی گھر میں پہلے اکیلا نماز پڑھے اور پھر اس کو جماعت کے ساتھ نماز مل جائے، تو دوبارہ پڑھ لے۔ اور اگر پہلے بھی جماعت ہی سے نماز پڑھی ہو، اور پھر دوسری

جماعۃ ثم من جماعۃ یصلون تلک الصلوۃ فاعاد معہم تلک الصلوۃ فلا یلزم علیہ محذور لان ھذا امر اتفاقی وقلما یتفق مرورہ الی ثالثۃ او رابعۃ فما ظنک بخامسۃ او سادسۃ فما ادعی فیہ الفساد لیس فیہ فساد واما قولہ صلی اللہ علیہ وسلم لا تصلی صلوۃ فی یوم مرتین فلا یدل علی ما ادعی قال الشوکانی فی النیل ص ۳۳ ج ۳ قولہ لا تصلوا صلوۃ فی یوم مرتین لفظ النسائی لا تعاد الصلوۃ فی یوم مرتین قد تمسک بھذا الحدیث القائلون ان من صلی فی جماعۃ ثم ادرک جماعۃ لا یصلی معہم کیف کانت لان الاعادۃ لتحصیل فضیلۃ الجماعۃ وقد حصلت لہ وھو مروی عن الصیدلانی والغزالی وصاحب المرشد قال فی الاستذکار اتفق احمد بن حنبل واسحق بن راھویہ ان معنی قولہ صلی اللہ علیہ وسلم لا تصلوا صلوۃ فی یوم مرتین ان ذلک ان یصلی الرجل صلوۃ مکتوبۃ علیہ ثم یقوم بعد الفراغ منہا فیعیدھا علی جھۃ الفرائض ایضا واما من صلی الثانیۃ مع الجماعۃ علی انہا نافلۃ اقتداء بالنبی صلی اللہ علیہ وسلم فی امرہ بذلک فلیس ذلک من اعادۃ الصلوۃ فی یوم مرتین لان الاولی فریضۃ والثانیۃ نافلۃ فلا اعادۃ حینئذ انتہی۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ محمد عبد الرحمن المبارکپوری عفا اللہ عنہ سید محمد نذیر حسین

فتاوی نذیریہ جلد ۱ ص ۳۸۱

سوال : کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک مسجد میں نماز مغرب باجماعت ہو چکی ہے، جب وقت قضا ہوا اور عشاء کی نماز کا وقت آ گیا، تو دو شخص اس مسجد میں آئے اور مغرب کی نماز قضا باجماعت مع اذان و اقامت کے پڑھی، ایسی صورت میں ان کو نماز قضا باجماعت پڑھنی چاہیے، ساتھ اذان و اقامت کے یا بغیر جماعت کے، بینوا توجروا۔

الجواب : کسی مسجد میں نماز جماعت کے ساتھ ہو چکی تھی، تو اس میں پھر اس نماز کو یا اس کی قضا کو

مرتبہ جماعت ملے تو پڑھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ امام مالک، ابو حنیفہ، اور شافعی کا یہی مذہب ہے اور امام احمد، اسحق بن راہویہ کا مذہب یہ ہے۔ کہ پھر دوسری جماعت میں بھی شامل ہو جاوے۔ اور جو حدیث میں آیا ہے۔ کہ ایک نماز دو مرتبہ نہ پڑھی جائے، تو اس کا مطلب یہ ہے۔ کہ دونوں مرتبہ فرض کی نیت کر کے نہ پڑھے۔ بلکہ دوسری مرتبہ نفل نماز کی نیت کر کے

جماعت سے پڑھنے کی ممانعت ثابت نہیں ہے، بلکہ جواز ثابت ہے۔ ابوداؤد و ترمذی میں ابوسعید سے مروی ہے۔ ان رجلا دخل المسجد وقد صلی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باصحابہ فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من یتصدق علی ھذا فیصلی معہ فقام رجل من القوم فصلی معہ[1] نیل الاوطار میں ہے، وقد استدل الترمذی بھذا الحدیث علی جواز ان یصلی القوم جماعۃ فی مسجد قد صلی فیہ قال وبہ یقول احمد واسحاق اھ تعلیق المغنی علی الدارقطنی میں ہے، ان تکرار الجماعۃ فی المسجد الذی قد صلی فیہ مرۃ واحدۃ او ثنتین او ثلاثۃ او اکثر من ذلک بلا کراھۃ جائز وعمل علی ذلک الصحابۃ والتابعون ومن بعدھم واما القول بالکراھۃ فلم یقم دلیل علیہ بل ھو قول ضعیف انتہی[2] پس صورت مسئولہ میں ان کو نماز باجماعت پڑھنی چاہیئے، رہی یہ بات کہ اذان و اقامت ہو یا نہ ہو، سوادائے جماعت ثانیہ کے لئے اذان کا ہونا اس مسجد میں جس میں پہلی جماعت کے لیے اذان ہو چکی ہو، کسی حدیث مرفوع سے ثابت نہیں ہوتا، ہاں فعل حضرت انس رض سے ثابت ہوتا ہے، کہ ہونا چاہیئے صحیح بخاری میں ہے۔ جاء انس رض الی مسجد قد صلی فیہ فاذن واقام وصلی جماعۃ رواہ البخاری معلقا۔ یعنی حضرت انس رض ایک مسجد میں آئے جس میں نماز ہو چکی تھی، پس اذان دی اور اقامت کہی اور جماعت سے نماز پڑھی، اور قضا فوایت کی جماعت کے لیے اذان کا ہونا حدیث مرفوع سے ثابت ہے۔ چنانچہ حدیث لیلۃ التعریس وحدیث یوم الخندق میں مصرح ہے،۔ فامر بلالا فاذن واقام[3]۔ نیل الاوطار میں ہے:۔ استدل بالحدیث علی مشروعیۃ[4] الاذان والاقامۃ فی الصلوۃ المقضیۃ وقد ذھب الی استحبابھا فی القضاء الھادی والقاسم والناصر وابوحنیفۃ واحمد بن حنبل وابو ثور عالمگیریہ میں ہے من فاتتہ صلوۃ فی

---

[1] ایک آدمی مسجد میں داخل ہوا، جماعت ہو چکی تھی آپ نے فرمایا، کوئی اس پر صدقہ کرے اور اس کے ساتھ مل کر نماز پڑھے تو ایک آدمی نے اٹھ کر اس کے ساتھ نماز پڑھی ا ترمذی نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ جس مسجد میں جماعت ہو جائے، اس میں کوئی قوم دوبارہ جماعت کرا سکتی ہے۔ امام احمد اور اسحاق کا یہی مذہب ہے۔ [2] جس مسجد میں جماعت ہو چکی ہو اس میں دو تین یا زیادہ مرتبہ جماعت کی تکرار بلا کراہت جائز ہے۔ اسی پر صحابہ تابعین اور بعد کے لوگوں کا عمل رہا ہے۔ اور مکروہ کہنے کی کوئی دلیل نہیں ہے۔ اور یہ قول ضعیف ہے۔ [3] بلال کو حکم دیا اس نے اذان کہی اور تکبیر کہی۔ [4] اس حدیث سے استدلال کیا گیا ہے کہ جماعت ہو جانے کے بعد اذان اور اقامت مشروع ہے، امام ابوحنیفہ،

وقتہا فقضاھا اذن لہا واقام واحد اکان اوجماعۃ کذا فی المحیط۔ اور یہ حکم عام ہے اس سے کہ جس مسجد میں قضا فوایت ہوتی ہے، اذان ہو چکی ہو، یا نہ ہوئی ہو، تاکہ یہ نماز قضا موافق ادا کے ہو۔ واللہ اعلم

حررہ محمد عبد الحق ملتانی عفی عنہ سید محمد نذیر حسین فتاویٰ نذیریہ جلد ۱ ص ۴۹۶

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ امام مقتدی کے ساتھ نماز پڑھ رہا تھا، جب دوسرا مقتدی آن کر ملا تو امام دونوں پاؤں اٹھا کر واسے پر جا کھڑا ہوا۔ مولانا اسمٰعیل صاحب قدس سرہٗ نے درس عام میں فرمایا تھا کہ اگر امام کا نماز میں پاؤں اٹھے تو نماز جاتی رہے گی۔ پس درصورت مرقومہ بالا نماز رہی یا نہیں؟ فقط

الجواب: درصورت مرقومہ اگر امام ایک یا دو قدم آگے بڑھ گیا، تو نماز نہیں جاتی، جیسا کہ عالمگیری میں ہے۔ [۱] لومشی فی صلوته مقدار صف واحد لم تفسد صلوته ولو کان مقدار صفین ان مشی دفعة واحدة فسدت صلوته وان مشی الی صف ووقف ثم الی صف لا تفسد کذا فی فتاوی قاضیخان اور اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ میں مرقوم ہے۔ [۲] وعن عائشة قالت کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یصلی تطوعا والباب علیه مغلق فجئت فاستفتحت پس طلب کردم کشادن در را فمشی ففتح لی پس راہ رفت آنحضرت پس بکشاد در را برائے من یعنی آنزاں جا کہ برائے نماز ایستادہ بود قدمے چند زدہ بکشاد در را ثم رجع الی مصلاہ پستر باز گشت بجائے کہ نماز میں گذاردہ ذکرت ان

ناصر، قاسم، ہادی، احمد بن حنبل اور ابو ثور اس کو مستحب جانتے ہیں۔ [۱] اگر نماز کی حالت میں ایک صف کے برابر چلے تو اس کی نماز فاسد نہیں ہوگی۔ اور اگر دو صف کے برابر ایک ہی دفعہ چلے تو نماز فاسد ہو جائے گی اور ایک صف کے برابر چل کر ٹھہر جائے پھر ایک اور صف آگے بڑھ جائے تو بھی نماز فاسد نہ ہوگی۔

[۲] حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہتی ہیں، اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نفل نماز میں مشغول ہوتے اور دروازہ بند ہوتا، میں آکر دروازہ کھٹکھٹاتی، تو آپ چند قدم چل کر دروازہ کھول دیتے اور پھر اپنے جائے نماز پر واپس چلے جاتے، مکان کا دروازہ قبلہ کی طرف تھا۔ یعنی آگے بڑھنے اور واپس آنے میں منہ قبلہ ہی کی طرف رہتا اور مکان تنگ

الباب کان فی القبلۃ و ذکر کرد عائشہ کہ درخانہ بود در جانب قبلہ یعنی نزد آمدن آنحضرت بکشادن و تحول از قبلہ لازم نیامد و برگشتن بمصلا باز پس رفتن بود پس در آمدن و برگشتن استقبال قبلہ بحال خود بود، و نیز گفتہ اند کہ خانہ تنگ بود و گنجائش زیادہ بریک دو خطوہ نداشت رواہ احمد و ابو داؤد و الترمذی و روی النسائی نحوہ و نیز نقل از خلاصہ کردہ است کہ اگر مردے امامت می کند یک کس را و درین میان ثالثے در آمد و اقتداء کرد و پیشتر رفت، اگر مقدار آنچہ میان صف اوّل و امام می باشد رفت فاسد نمی گردد، و نیز اگر در نماز مشی کند، اگر مقدار صف واحد رود فاسد نمی گردد، و اگر مقدار دو صف رود بدفعہ واحد فاسد می گردد و اگر مشی مقدار یک صف کرد و بایستاد و باز تا صف دیگر رفت باز بایستاد فاسد نمی شود و از فتاوی ظہیریہ آوردہ است، کہ مختار آن است، کہ اگر بسیار کرد و فاسد است و در حاشیہ شمنی بعلامت ظہیریہ نوشتہ است، کہ اگر نماز در آفتاب در آمد و گرمی آن ایذا می کند اگر بجانب سایہ رود بقدر دو گام فاسد نہ گردد، کذا فی المشکوٰۃ و اشعۃ اللمعات، تصنیف شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ۔

اور فرمانا مولانا محمد اسماعیل صاحب محدث علیہ الرحمۃ کا بجا اور راست ہے۔ مطلب ان کے بیان کا یہ ہے، کہ ایک دو قدم سے زیادہ اگر امام آگے بڑھے، تو نماز فاسد ہے، اور ایک دو قدم عفو میں داخل ہے۔ جیسا کہ فتاوی عالمگیری اور مشکوٰۃ شریف اور اشعۃ اللمعات سے واضح ہو چکا ہے، واللہ اعلم بالصواب

سید محمد نذیر حسین ۱۲۸۱ (فتاوے نذیریہ جلد اول صـ۵۰)

سوال: کیا فرماتے ہیں، علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جواز تکرار جماعت مسجد واحد میں حدیث صحیح سے ثابت ہے یا نہیں اور فقہاء حنفیہ کی اس میں کیا رائے ہے؟

جواب: بلاشک و شبہ فضیلت و ثواب جماعت اولیٰ کا زیادہ ہے، بہ نسبت جماعات اخریٰ کے، مگر اس سے یہ بات لازم نہیں آتی ہے، کہ تکرار جماعت بعد جماعت اولیٰ ناجائز ہو جاوے، اور کراہت بھی اس کی کسی حدیث سے ثابت نہیں، بلکہ جواز تکرار جماعت فی مسجد واحد حدیث صحیح سے ثابت ہے۔ اور صحابہ و

تھا۔ یعنی ایک دو قدم چلتے تھے، اور ظہیریہ میں ہے کہ اگر سورج بادل سے نکل آئے اور گرمی زیادہ ہو جائے۔ تو سایہ کی طرف نمازی ایک دو قدم چل کر جا سکتا۔ واللہ اعلم

تابعین اور ائمہ مجتہدین کا اس پر عمل بھی رہا ہے۔ دیکھو روایت کی ابو داؤد نے سنن میں۔ باب[1] فی الجمع فی المسجد مرتین۔ حدثنا موسی بن اسمعیل ثنا وھیب عن سلیمان الاسود عن ابی المتوکل عن ابی سعید الخدری ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابصر رجلا یصلی وحدہ فقال الا رجل یتصدق علی ھذا فیصلی معہ یعنی ابو سعید خدری رض سے روایت ہے، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو اکیلے نماز پڑھتے دیکھا، تو فرمایا کیا کوئی شخص اس کو صدقہ نہیں دیتا یعنی جو اس کے ساتھ نماز پڑھے، گویا پچیس نمازوں کا ثواب اسے صدقہ میں دیا۔ اس واسطے کہ جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے میں ستائیس نمازوں کا ثواب لکھا جاتا ہے۔

اور روایت کیا ترمذی نے باب ماجاء فی الجماعۃ فی مسجد قد صلی فیہ مرۃ۔ عن ابی سعید قال جاء رجل وقد صلی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال ایکم یتجر علی ھذا فقام رجل وصلی معہ وفی الباب عن ابی امامۃ وابی موسی والحکم بن عمیر قال ابو موسی حدیث ابی سعید حدیث حسن یعنی روایت ہے ابو سعید رض سے کہ آیا ایک شخص اور نماز پڑھ چکے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کون تجارت کرتا ہے۔ اس شخص کے ساتھ، یعنی اس کے ساتھ شریک ہو جاوے، تو جماعت کا ثواب دونوں پاویں، سو کھڑا ہوا ایک مرد اور نماز پڑھ لی اس کے ساتھ اور مسند امام احمد بن حنبل میں ہے:۔

عن ابی امامۃ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رای رجلا یصلی وحدہ فقال الا رجل یتصدق علی ھذا فیصلی معہ فقام رجل فصلی معہ فقال ھذان جماعۃ کذا فی فتح الباری شرح صحیح البخاری۔ اور ایک روایت میں مسند کے اس لفظ کے ساتھ وارد ہے صلی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اصحابہ الظہر فدخل رجل وذکرہ کذا فی المنتقی اور کہا حافظ جمال الدین زیلعی نے تخریج احادیث ہدایہ میں ورواہ ابن خزیمۃ وابن حبان والحاکم فی صحاحھم قال الحاکم حدیث صحیح علی شرط مسلم ولم یخرجاہ انتہی

اور روایت کی دارقطنی نے سنن مجتبی میں عن[2] محمد بن الحسن الاسدی عن حماد بن سلمۃ عن ثابت عن انس ان رجلا جاء وقد صلی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقام یصلی

---

[1] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی کو اکیلے نماز پڑھتے دیکھا تو آپ نے فرمایا کیا کوئی ہے جو اس آدمی پر صدقہ کرے اور اس کے ساتھ نماز پڑھے ایک آدمی کھڑا ہوا اور اس نے اس کے ساتھ مل کر نماز پڑھی آپ نے فرمایا، یہ دونوں جماعت میں ہیں [2] ایک آدمی آیا اور آنحضرت

وحدہ فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من یتجر علی ھذا فیصلی معہ کہا زیلعی نے اس حدیث وارقطنی کے بارے میں وسندہ جید انتہی اور بھی روایت کیا دارقطنی نے عن عصمۃ بن مالک الخطمی قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قد صلی الظہر وقعد فی المسجد اذ دخل رجل یصلی فقال علیہ السلام الا رجل یقوم فیتصدق علی ھذا فیصلی معہ اور یہ حدیث اگرچہ ضعیف ہے۔ مگر چنداں مضر نہیں، کیونکہ طرق متعددہ سے یہ حدیث ثابت ہے۔ اور روایت کیا بزار نے مسند میں حدثنا محمد ثنا ابو جابر محمد بن عبد الملک ثنا الحسن بن ابی جعفر عن ثابت عن ابی عثمان عن سلمان ان رجلا دخل المسجد والنبی صلی اللہ علیہ وسلم قد صلی فقال الا رجل یتصدق علی ھذا فیصلی معہ کذا فی نصب الرایۃ للحافظ الزیلعی اور یہ شخص جو شریک ہوئے اس شخص کے ساتھ نماز میں وہ ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے کہا حافظ زیلعی نے وفی روایۃ البیہقی ان الذی قام فصلی معہ ابو بکر رضی اللہ تعالی عنہ اور کہا علامہ جلال الدین سیوطی نے قوت المغتذی میں قال ابن سید الناس ھذا الرجل الذی قام معہ ھو ابو بکر الصدیق رواہ ابن ابی شیبۃ عن الحسن مرسلا انتہی

پس ثابت ہوا، کہ مسجد واحد میں تکرار جماعت جائز و درست ہے، کیوں کہ اگر تکرار جماعت مسجد واحد میں جائز نہ ہوتا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ کیوں ارشاد فرماتے الا رجل یتصدق علی ھذا فیصلی معہ اگر کوئی یہ شبہ کرے کہ یہاں پر اقتداء متنفل کی مفترض کے ساتھ پائی گئی، اور اس میں کلام نہیں، گفتگو اس میں ہے کہ اقتداء مفترض کی مفترض کے ساتھ مسجد واحد میں بہ تکرار جماعت جائز ہے یا نہیں، تو اس کا جواب یہ ہے کہ قول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الا رجل یتصدق علی ھذا فیصلی معہ وایکم یتجر علی ھذا۔ ومن یتجر علی ھذا فیصلی معہ۔ والا رجل یقوم فیتصدق

صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھ چکے تھے، وہ اکیلا نماز پڑھنے لگا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کون ہے جو اس سے تجارت کرتا ہے۔ کہ اس کے ساتھ نماز پڑھے۔

[1] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ظہر کی نماز پڑھ چکے تھے کہ ایک آدمی داخل ہوا اور نماز پڑھنے لگا، آپ نے فرمایا، کوئی ہے، جو اس پر صدقہ کرے اور اس کے ساتھ مل کر نماز پڑھے۔

[2] ابن سید الناس نے کہا وہ آدمی جو اس کے ساتھ کھڑا ہوا تھا، ابو بکر صدیق رض تھے۔

علی ھذا فیصلی معہ عموم پر دلالت کرتا ہے، خواہ متقدی متصدق و متحرز متنفل ہو یا مفترض اور اگرچہ اس واقعہ خاص میں متصدق اس کا متنفل ہو مگر یہ خصوص مورد قادح عموم لفظ کا نہ ہوگا، اور اول دلیل اس پر یہ ہے کہ حضرت انس بن مالک جو من جملہ رواۃ اس حدیث کے ہیں، انہوں نے بھی یہی عموم سمجھا، چنانچہ انہوں نے بعد وفات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جماعت ثانیہ ساتھ اذان و اقامت کے قائم کی، اس مسجد میں جہاں جماعت اولیٰ ہو چکی تھی۔ صحیح بخاری کے باب فضل صلوٰۃ الجماعۃ میں ہے۔ وجاء[1] انس الی مسجد قد صلی فیہ فاذن واقام وصلی جماعۃ انتہی کما قال الحافظ ابن حجر نے فتح الباری میں وجاء[2] انس الخ وصلہ ابو یعلی فی مسندہ من طریق الجعد ابی عثمان قال مربنا انس بن مالک فی مسجد بنی ثعلبۃ فذکر نحوہ قال وذلک فی صلوٰۃ الصبح وفیہ فامر رجلا فاذن واقام ثم صلی باصحابہ واخرجہ ابن ابی شیبۃ من طریق عن الجعد وعند البیہقی من طریق ابی عبد الصمد العمی عن الجعد نحوہ وقال مسجد بنی رفاعۃ وقال فجاء انس فی نحو عشرین من فتیانہ انتہی

حاصل کلام کا یہ ہوا کہ یہ سات صحابہ حضرت ابو سعید خدری و انس بن مالک و عصمہ بن مالک و سلمان و ابو امامہ و ابو موسیٰ اشعری و الحکم بن عمیر رضی اللہ عنہم نے اس واقعہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ بموجب ارشاد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ساتھ اس کے نماز پڑھنے لگے، اس مسجد میں جہاں جماعت اولیٰ ہو چکی تھی اور اطلاق اس پر جماعت کا ہوگا، کیوں کہ الاثنان فما فوقہما جماعۃ اور حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بعد وفات رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے اس پر عمل کیا، جیسا کہ روایت سے سند ابو یعلی موصلی و ابن ابی شیبہ و بیہقی کے معلوم ہوا اور امام احمد بن حنبل اور اسحاق بن راہویہ کا بھی یہی مذہب ہے جیسا کہ جامع ترمذی میں مذکور ہے اور یہی مذہب صحیح و قوی ہے کہ تکرار جماعت بلا کراہت جائز ہے اور فقہاء حنفیہ بھی اس بات کے قائل ہیں کہ تکرار جماعت ساتھ اذان ثانی کے اس مسجد میں کہ امام و مؤذن وہاں مقرر ہوں مکروہ ہے اور تکرار اس کا بغیر اذان کے مکروہ نہیں، بلکہ امام ابو یوسف سے منقول ہے کہ اگر جماعت ثانیہ ہیئت اولیٰ پر نہ ہو تو کچھ کراہت نہیں، اور محراب سے عدول کرنے میں ہیئت بدل جاتی ہے،

[1] حضرت انس مسجد میں آئے جماعت ہو چکی تھی آپ نے اذان اور اقامت کہی اور جماعت سے نماز پڑھی۔

[2] انس بن مالک بنو ثعلبہ کی مسجد میں آئے، صبح کی نماز پڑھی جا چکی تھی، آپ نے ایک آدمی کو حکم دیا اس نے دوبارہ اذان کہی اور اقامت پڑھی، پھر اپنے ساتھیوں سمیت نماز پڑھی۔

بحرالرائق شرح کنز الدقائق میں ہے ومنہا حکم تکرارہا فی مسجد واحد ففی المجمع لا یکرر ہا فی مسجد محلة باذان ثان وفی المجتبی ویکرہ تکرارہا فی مسجد باذان واقامة انتہی مختصراً اور شرح منیة المصلی میں ہے واذا لم یکن للمسجد امام ومؤذن راتب فلا یکرہ تکرار الجماعة فیہ باذان واقامة عندنا بل ھو الافضل اما لو کان لہ امام ومؤذن فیکرہ تکرار الجماعة فیہ عن ابی یوسف رحمة اللہ علیہ اذا لم تکن علی ھیئة الاولی لا یکرہ والا یکرہ وھو الصحیح ۔ اور طوالع الانوار حاشیہ در المختار میں ہے کراھة الجماعة فی غیر مسجد الطریق مقیدة بما اذا کانت الجماعة الثانیة باذان واقامة لا باقامة فقط وعن ابی یوسف رحمة اللہ علیہ اذا لم تکن علی ھیئة الاولی لا تکرہ والا تکرہ وھو الصحیح وبالعدول عن المحراب یختلف الھیئة انتہی اور رد المختار حاشیہ در المختار میں ہے ۔ یکرہ تکرار الجماعة فی مسجد محلة باذان واقامة الا اذا صلی بہما فیہ اولا غیر اھلہ او اھلہ لکن بمخافتة الاذان ولو کرر اھلہ بدونہما او کان مسجد طریق جاز اجماعا کما فی مسجد لیس لہ امام ولا مؤذن انتہی اور بھی در المختار میں ہے قد علمت بان الصحیح انہ لا یکرہ تکرار الجماعة اذا لم تکن علی الھیئة الاولی انتہی مختصراً ۔ پس ان روایات فقیہہ سے صاف معلوم ہوا کہ جب جماعت ثانیہ میں عدول محراب سے ہو جاوے یا تکرار اس کا بغیر اذان کے ہو تو بلا کراہت جائز ہے اگرچہ اقامت اس میں کہی جاوے ، اور حضرت انسؓ کے فعل سے ثابت ہوا کہ انہوں نے تکرار جماعت ساتھ اذان واقامت دونوں کے کیا ۔

واللہ اعلم بالصواب حررہ ابو الطیب محمد شمس الحق العظیم آبادی عفی عنہ

ابو طیب محمد شمس الحق　　سید محمد نذیر حسین　　للہ در من اجاب حررہ ابو المجد عبد الصمد بہاری غفرلہ لوالدیہ

ابو المجد عبد الصمد ما احسن ہذا الجواب المقرون بالصدق والصواب حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابو الحسنات محمد عبد الحی

لے اور اس میں سے ایک ہی مسجد میں تکرار جماعت کا مسئلہ بھی ہے ۔ مجمع ہے محلہ کی مسجد میں دوسری اذان کہہ کر دوبارہ جماعت نہ کرائی جائے ، مجتبی میں بھی ایسا ہی ہے ۔ ٹے جب کسی مسجد کا کوئی امام اور مؤذن مقرر نہ ہوں ، تو اس میں اذان اور اقامت سے جماعت مکروہ نہیں ہے ، بلکہ افضل ہے ہاں اگر امام اور مؤذن مقرر ہوں ، تو تکرار جماعت مکروہ ہے اور ابو یوسف کے نزدیک اگر پہلی ہیئت پر نہ ہو ، تو مکروہ نہیں ہے ۔ ورنہ مکروہ ہے اور یہی صحیح ہے ۔

ص تجاوز اللہ عن ذنبہ الجلی والخفی

اصاب من اجاب حررہ محمد حمایت اللہ جلیری ۔ صح الجواب الفقیر امیر علی عفا اللہ عنہ للہ در المجیب حیث اتی بدلائل شافعة وبراھین قاطعة التی زال عنہا شبھة المعارضین ودفع بہا شکوک المجادلین فلیعمل العاملون حررہ عاجز البشر ابوظفر محمد عمر الاربیوی عفی عنہ ابوظفر محمد عمر فتاوی نذیریہ ص ۲۸۶

سوال : کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ بعد قائم ہونے جماعت فرض صبح کے دو رکعت سنتیں فجر کی مسجد کے اندر خواہ قریب صف کے یا دور صف سے پڑھنی مکروہ ہیں یا نہیں، حنفی مذہب کی کتب معتبرہ سے زبان اُردو میں جواب ادا فرماویں اور اس باب میں کوئی حدیث صحیح جو کہ دلالت کرے کراہت پر وارد ہوئی ہے یا نہیں ؛ بیان کرو ثواب پاؤ گے۔

الجواب : جب مسجد میں جماعت قائم ہو، تو بعد اس کے سنتیں فجر کی مسجد میں پڑھنی مکروہ ہیں، خواہ صف کے پاس پڑھے، یا دور صف سے پڑھے، دونوں صورتوں میں مکروہ ہے۔ کیوں اس میں مخالفت پائی جاتی ہے کہ امام جماعت کرا رہا ہے اور یہ شخص جدا جماعت سے سنت پڑھ رہا ہے، جیسا کہ ہدایہ اور فتح القدیر حاشیہ ہدایہ اور در مختار اور فتاوی ولواجیہ اور فتاوے عالمگیری اور محیط رضوی وغیرہ سے سمجھا جاتا ہے اور ہدایہ فقہ حنفی میں بہت معتبر کتاب ہے اور فتح القدیر بھی بہت معتبر ہے چنانچہ علمائے حنفیہ پر مخفی نہیں اور قریب صف کے پڑھنے میں اشد کراہت ہے، جیسا کہ عملدرآمد جہلا کا ہے، ایسا ہی فتح القدیر میں مذکور ہے اور دلیل کراہت کی بموجب حدیث کے ہے ۔ بیان حدیث کا آگے آوے گا۔ عبارت ہدایہ کی یہ ہے ۔ ومن انتھی الی الامام فی صلوة الفجر وھو لم یصل رکعتی الفجر ان خشی ان تفوتہ رکعة ویدرک الاخری یصلی رکعتی الفجر عند باب المسجد ثم یدخل وان خشی فوتہما دخل مع الامام لان ثواب الجماعة اعظم والوعید بالترک الزم والتقیید بالاداء عند باب المسجد یدل علی الکراھة فی المسجد اذا کان الامام فی الصلوٰة جو شخص مسجد میں آیا اور امام جماعت کرا رہا ہے اور اس شخص نے سنت فجر کی نہیں پڑھی تھی، پس اگر خوف ہو، کہ ایک رکعت جاتی رہے گی اور دوسری رکعت ہاتھ آوے گی، تو سنت فجر کی نزدیک دروازہ مسجد کے اگر جگہ ملے تو ادا کرکے جماعت میں مل جاوے اور جو خوف ہو کہ سنت پڑھنے میں دو رکعتیں فرض کی جماعت سے فوت ہو جاویں گی ۔ تو جماعت میں مل جاوے اور سنت کو اس وقت چھوڑ دے، اس لئے کہ ثواب جماعت کا بہت بڑا ہے اور اس کے ترک میں سخت وعید لازم آتی ہے اور قید ادا سنت کی نزدیک دروازہ مسجد کے دلالت کرتی ہے اوپر کراہت

پڑھنے سنت کے مسجد میں جس وقت کہ امام جماعت کراتا ہو، ترجمہ ہدایہ کا تمام ہوا اور ایسا ہی فتح القدیر اور درمختار وغیرہ کا مطلب ہے۔ اور مراد نزدیک دروازہ مسجد سے خارج مسجد ہے، یعنی خارج مسجد میں قریب دروازہ کے مسجد کوئی جگہ اگر ہو، تو وہاں سنت ادا کرکے جماعت میں شامل ہوجاوے اور جو کوئی جگہ نہ ہو، تو جماعت فرض میں مل جاوے، اور سنت مسجد میں نہ پڑھے کہ سنت مسجد کے اندر ادا کرنے میں کراہت لازم آوے گی۔ کیوں کہ ترک مکروہ کا مقدم ہے ادائے سنت پر، جیسا کہ فتح القدیر اور درمختار وغیرہ سے صاف معلوم ہوتا ہے۔ قوله والتقييد بالاداء عند باب المسجد يدل على الكراهة فى المسجد اذا كان الامام فى الصلوٰة لما روى عنه عليه الصلوٰة والسلام اذا اقيمت الصلوٰة فلا صلوٰة الا المكتوبة ولانه يشبه المخالفة للجماعة والانتباذ عنهم فينبغى ان لا يصلى فى المسجد اذا لم يكن عند باب المسجد مكان لان ترك المكروه مقدم على فعل السنة غير ان الكراهة تتفاوت فان كان الامام فى الصيفى فصلوٰته اياها فى الشتوى اخف من صلوٰتها فى الصيفى وعكسه اشد ما يكون كراهته ان يصليها مخالطا للصف كما يفعله كثير من الجهلة انتهى ما فى فتح القدير۔ واذا خاف فوت ركعتى الفجر لاشتغاله بسنتها تركها لكون الجماعة اكمل والا بان رجا ادراك ركعة فى ظاهر المذهب وقيل التشهد واعتمده المصنف والشرنبلالى تبعا للبحر لكن ضعفه فى النهر لا يتركها بل يصليها عند باب المسجد ان وجد مكانا والا تركها لان ترك المكروه مقدم على فعل السنة كذا فى الدر المختار قوله عند باب المسجد اى خارج المسجد كما صرح به القهستانى كذا فى الشامى يصلى ركعتى

لے اور مسجد کے دروازے کے پاس سنتیں ادا کرنے کی قید دلالت کرتی ہے کہ مسجد میں ان کا ادا کرنا مکروہ ہے جب کہ امام نماز پڑھ رہا ہو، کیوں کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے، جب جماعت کھڑی ہوجائے تو فرضوں کے علاوہ اور کوئی جماعت نہیں ہوتی، اور دوسری وجہ یہ ہے کہ اس سے ایسا معلوم ہوتا ہے، کہ یہ آدمی جماعت سے علیحدہ ہے اور اگر مسجد کے دروازہ کے پاس کوئی جگہ نہ ہو تو پھر سنت نہ پڑھے، کیوں کہ مکروہ کا ترک سنت کے فعل پر مقدم ہے اور کراہت کے درجات متفاوت ہیں، مثلاً اگر کوئی آدمی جماعت کی صف کے پیچھے اگر سنت ادا کرنے لگے تو اس کی کراہت بہت زیادہ ہوگی۔ جیسا کہ آج کل بعض جاہل لوگ کرتے ہیں۔ اگر سنت پڑھتے فرض جماعت کے فوت ہو جانے کا خطرہ ہو تو سنت نہ پڑھے اور اگر آخری رکعت مل جانے کی توقع ہو اور بعض کے نزدیک آخری تشہد کی توقع ہو، تو

الفجر عند باب المسجد ثم یدخل کذا فی العالمگیریۃ وذکر ابو اللیث اذا کان الامام یصلی الفجر فی المسجد الداخل فجاء رجل یصلی الفجر فی المسجد الخارج اختلف المشائخ فیہ قال بعضھم لایکرہ وقال بعضھم یکرہ لان ذلک کلہ کمکان واحد بدلیل جواز الاقتداء لمن کان فی المسجد الخارج بمن کان فی المسجد الداخل واذا اختلف المشائخ فالاحتیاط ان لایفعل انتھی ما فی البحر الرائق۔

اور دلیل کراہت کی سنت فجر کے پڑھنے میں وقت قائم ہونے جماعت کے نزدیک صاحب ہدایہ کے اور صاحب فتح القدیر وغیرہ کے یہ حدیث ہے۔ اذا اقیمت الصلوٰۃ فلا صلوٰۃ الا المکتوبۃ ترجمہ جب قائم ہو جائے نماز یعنی جب مؤذن اقامت شروع کرے، تو اس وقت نماز پڑھنی درست نہیں سوائے فرض کے، جیسا کہ نقل کیا، اس حدیث کو مسلم اور ترمذی اور ابو داؤد اور نسائی اور احمد بن حنبل اور ابن حبان نے اور بخاری ترجمہ باب میں اس حدیث کو لائے ہیں اور ابن عدی محدث نے ساتھ سند حسن کے آگے اس کے یہ نقل کیا ہے۔ اے رسول خدا کے اور نہ دو رکعت سنت فجر کی یعنی کسی نے پوچھا، کہ اقامت کے وقت سنت فجر کی بھی نہ پڑھے، فرمایا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب اقامت ہونے لگے، تو سنتِ فجر کی بھی نہ پڑھے، اور موطا امام مالک میں اس طرح پر روایت ہے، کہ چند شخص مؤذن کی اقامت سُن کر دو رکعت سنتیں فجر کی مسجد میں پڑھنے لگے، پس گھر سے مسجد میں تشریف لائے، رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم، پھر فرمایا، کیا دو نماز سنّت اور فرض اکٹھے ایک وقت خاص ہیں، کیا دو نماز سنت و فرض اکٹھے ایک وقت خاص ہیں یعنی از راہِ انکار و توبیخ و سرزنش کے یہ فرمایا، کیا دو نماز سنّت و فرض اکٹھے پڑھتے ہو تم لوگ بعد اقامت کے، جیسا کہ محلی شرح موطا میں نقل کی ہے۔

اور دوسری حدیث انکار سنت فجر کی پڑھنے میں وقت قائم ہونے جماعت کے یہ ہے ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رأی رجلا وقد اقیمت الصلوٰۃ یصلی رکعتین فلما انصرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لاث بہ الناس فقال لہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اتصلی الصبح اربعا

تو مسجد کے دروازہ پر یعنی مسجد کے باہر سنّت ادا کرے، اگر آخری رکعت کی بھی توقع نہ ہو، تو سنّت نہ پڑھے یا اگر مسجد کے باہر کوئی جگہ نہ ہو تو بھی سنّت نہ پڑھے کیوں کہ مکروہ کا ترک سنّت کے فعل پر مقدم ہے۔ در مختار، قہستانی، شامی عالمگیری میں ایسا ہی ہے۔ بحر الرائق میں ہے امام صبح کی نماز مسجد کے اندر پڑھا رہا ہو، ایک آدمی مسجد کے باہر آ کر سنّت پڑھنے لگے، تو مشائخ کا اس میں اختلاف ہے بعض کے نزدیک مکروہ نہیں اور بعض کے نزدیک مکروہ ہے۔ اس لئے کہ

رواہ البخاری عن عبد اللہ بن بحینۃ ترجمہ مقرر دیکھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو کہ سنت فجر کی پڑھ رہا ہے، وقت قائم ہونے جماعت کے پھر جب فارغ ہوئے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نماز فرض سے تو گرد ہوئے لوگ اس کے ساتھ، پس رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے توبیخ اور انکار فرمایا، کہ کیا چار رکعت صبح کی تو پڑھتا ہے۔ اس کو روایت کیا امام بخاری نے عبد اللہ بن بحینہ صحابی سے، اور صحیح مسلم وغیرہ میں عبد اللہ بن بحینہ سے یوں روایت ہے قال اقیمت صلوٰۃ الصبح فرای رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رجلا یصلی والمؤذن یقیم فقال اتصلی الصبح اربعا۔ ترجمہ کہا عبد اللہ بن بحینہ نے اقامت ہوئی نماز صبح کی، پھر دیکھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو، کہ سنت فجر کی پڑھنے لگا، اور مؤذن تکبیر کہہ رہا ہے۔ پس فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے از راہ انکار کے کیا پڑھتا ہے تو چار رکعت صبح کی۔

اور صحیح مسلم اور ابوداؤد اور نسائی اور ابن ماجہ میں عبد اللہ بن سرجس صحابی سے یوں روایت ہے، قال دخل رجل المسجد ورسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی صلوٰۃ الغداۃ فصلی رکعتین فی جانب المسجد ثم دخل مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فلما سلم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال یا فلان بای الصلاتین اعتددت ابصلاتک وحدک ام بصلوتک معنا۔ کہا عبد اللہ بن سرجس صحابی نے کہ داخل ہوا، ایک شخص مسجد میں حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیچ نماز صبح کے تھے۔ یعنی آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز صبح میں امامت کرا رہے تھے، پھر اس شخص نے دو رکعت سنت فجر کی بیچ ایک جانب مسجد کے پڑھی، پھر داخل ہوا وہ جماعت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پھر جب سلام پھیرا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے فلانے ان دونوں نمازوں میں سے کونسی نماز کو فرض میں شمار کیا تو نے آیا جو نماز تنہا پڑھی تو نے اس کو فرض ٹھہرایا یا جو نماز ہمارے ساتھ پڑھی تو نے اس کو فرض شمار کیا یعنی آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سرزنش اور انکار کی راہ سے یہ بات فرمائی اس کو پس اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ سنت کا پڑھنا وقت قائم ہونے جماعت کے مکروہ اور ممنوع ہے اور ایک روایت عبد اللہ بن بحینہ سے صحیح مسلم اور ابن ماجہ میں اس طرح سے ہے:۔ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مر برجل یصلی وقد اقیمت صلوٰۃ الصبح فکلمہ بشیء لا ندری ما ھو فلما انصرفنا احطنا بہ نقول ماذا قال لک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال قال لی یوشک ان یصلی احدکم الصبح اربعا۔ ترجمہ۔ مقرر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرد کے پاس سے گزرے کہ وہ پڑھتا تھا سنتیں فجر کی اس حال

ہیں کہ جماعت نماز صبح کی قائم ہوئی تھی پھر کلام کیا آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مرد سے کہ ہم نے نہیں معلوم کیا کہ کیا فرمایا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آہستہ اسے پھر جب ہم لوگ نماز جماعت سے فارغ ہوئے تو گرد ہوئے اس مرد کے اور کہا ہم نے کیا فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تجھ کو کہا اس مرد نے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے قریب ہے کہ پڑھیگا ایک تمہارا فرض صبح کی چار رکعت یعنی پڑھنا سنت کا وقت قائم ہونے جماعت کے برابر فرض کے ٹھیراتا ہے آخر سنت کو ہوتے ہوتے بمنزلہ فرض کے اعتقاد کروگے تو اس طرح کا اعتقاد سنت کو درجہ فرض کے پہنچا دیگا سنت اور فرض میں امتیاز نہ رہے گا اور ایسا اعتقاد خلاف مرضی میری ہوگا اور جو اعتقاد کسی کا خلاف میری مرضی کے ہوگا وہ مردود اور بدعت اور ضلالت ہے۔ اذا[1] اقیمت الصلوٰۃ فلاصلوٰۃ الا المکتوبۃ حدیث مرفوع اخرجہ مسلم والاربعۃ عن ابی ہریرۃ واخرجہ ابن حبان بلفظ اذا اخذ المؤذن فی الاقامۃ واحمد بلفظ فلاصلوٰۃ الا التی اقیمت وھو اخص وزاد ابن عدی بسند حسن قیل یا رسول اللہ ولا رکعتی الفجر قال ولا رکعتی الفجر توربشتی وھکذا فی القسطلانی مالک عن شریک بن عبداللہ بن ابی نمر انہ سمع قوم الاقامۃ فقاموا یصلون ای التطوع فخرج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال اصلوتان ای السنۃ والفرض معا ای موصلا فی وقت اخذ صلوتان معا وذلک فی صلوۃ الصبح فی الرکعتین اللتین قبل الصبح اعلم انہ قد اختلف فی اداء سنۃ الفجر عند الاقامۃ فکرھہ الشافعی واحمد عملا بتلک الاحادیث وقالت المالکیۃ لا یبتدء الصلوۃ بعد الاقامۃ لافرضا ولا نفلا لحدیث اذا اقیمت الصلوٰۃ فلاصلوٰۃ الا المکتوبۃ واذا اقیمت وھو فی الصلوٰۃ قطع ان خشی فوت رکعۃ والا لا اتم واستدل بعموم الحدیث من قال بقطع النافلۃ اذا اقیمت الفریضۃ وبہ قال ابوحامد وغیرہ ورخص الاخرون النھی بمن ینشاء النافلۃ عملاً بقولہ ولا تبطلوا اعمالکم ثم زاد مسلم بن خالد عن عمرو بن دینار فی قولہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا اقیمت الصلوٰۃ فلاصلوٰۃ الا المکتوبۃ قیل

---

[1] جب نماز کھڑی ہو جائے تو فرض نماز کے علاوہ اور کوئی نماز نہیں ہوتی یہ مرفوع حدیث ہے دوسرے لفظ یہ ہیں کہ جب مؤذن اقامت شروع کر دے تو وہی نماز ہوگی جس کی اقامت ہوگی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا کیا صبح کی سنتیں بھی نہ پڑھی جائیں آپ نے فرمایا صبح کی سنتیں بھی نہ پڑھی جائیں اقامت ہوئی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ لوگوں کو دیکھا کہ وہ سنتیں پڑھ رہے تھے تو آپ نے فرمایا کیا دو نمازیں اکٹھی پڑھتے ہو؟ اور یہ صبح کی نماز کا وقت تھا۔ اقامت کے وقت

یا رسول اللہ ولا رکعتی الفجر قال ولا رکعتی الفجر اخرجہ ابن عدی وسندہ حسن واما زیادۃ
الا رکعتی الصبح فی الحدیث فقال البیہقی ہذہ الزیادۃ لا اصل لہا کذا فی المحلی عن ابی ہریرۃ
قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا اقیمت الصلوۃ فلا صلوۃ الا المکتوبۃ وفی الباب عن ابن
بحینۃ وعبد اللہ بن عمرو وعبد اللہ بن سرجس وابن عباسؓ وانسؓ قال ابو عیسی حدیث ابی ہریرۃ
حدیث حسن وکذا روی ایوب وورقاء ابن عمرو وزیاد بن سعد واسماعیل بن مسلم ومحمد بن جحادۃ
عن عمرو بن دینار عن عطاء بن یسار عن ابی ہریرۃ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم وروی حماد بن زید و
سفیان بن عیینۃ عن عمرو بن دینار ولم یرفعاہ والحدیث المرفوع اصح عندنا وقد روی ہذا
الحدیث عن ابی ہریرۃ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم من غیر ہذا الوجہ رواہ عیاش بن عباس
القتبانی المصری عن ابی سلمۃ عن ابی ہریرۃ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم والعمل علی ہذا عند
اہل العلم من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم وغیرہم اذا اقیمت الصلوۃ ان لا یصلی الرجل
الا المکتوبۃ وبہ یقول سفیان الثوری رحمہ اللہ علیہ وابن المبارک والشافعی واحمد و
اسحاق انتہی ما فی الترمذی عن عطاء بن یسار عن ابی ہریرۃ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم
قال اذا اقیمت الصلوۃ فلا صلوۃ الا المکتوبۃ وحدثنیہ محمد بن حاتم وابن رافع
قال حدثنا شبابۃ قال حدثنی ورقاء بہذا الاسناد وحدثنی یحیی بن حبیب الحارثی
قال حدثنا روح قال حدثنا زکریا بن اسحاق قال حدثنا عمرو بن دینار قال سمعت

ہر کی سنت ادا کرنے میں اختلاف ہے۔ امام شافعیؒ اور احمدؒ اس کو ناجائز کہتے ہیں۔ مالکی کہتے ہیں کہ اقامت ہو جانے کے
بعد کوئی نماز شروع نہ کرے خواہ فرض ہو یا نفل اگر پہلے سے نماز شروع کر رکھی ہو اور اقامت بعد میں ہو تو اگر رکعت
کے ضائع ہونے کا خطرہ ہو تو نماز توڑ دے اور اگر رکعت مل جانے کی امید ہو، تو نماز پوری کرے کیوں کہ اللہ تعالےٰ
نے فرمایا ہے اپنے عملوں کو ضائع نہ کیا کرو، باقی رہا الا رکعتی الفجر (مگر صبح کی دو سنتیں) کا استثناء امام بیہقی نے کہا یہ زیادت صحیح
نہیں ہے۔ محلی میں بھی یہی ہے۔ ابو ہریرۃ رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب نماز کھڑی
ہو جائے تو فرض نماز کے علاوہ اور کوئی نماز نہیں ہوتی۔ اس مضمون کی حدیثیں ابن بحینۃ، ابن عمرو، ابن سرجس، ابن عباس اور انس
رضی اللہ عنہم سے مروی ہے امام ترمذی نے کہا ابو ہریرۃ کی حدیث حسن ہے۔ اس حدیث کو کئی راویوں نے مرفوعاً بیان کیا
ہے۔ اور کچھ لوگوں نے موقوفاً۔ سفیان ثوری۔ ابن مبارک، شافعی۔ احمد۔ اسحٰق سب کا یہی مذہب ہے کہ فرض کے شروع

عطاء بن یسار یقول عن ابی ھریرۃ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ قال اذا اقیمت الصلوٰۃ فلا صلوٰۃ الا المکتوبۃ حدثناہ عبد ابن حمید قال حدثنا عبد الرزاق قال اخبرنا زکریا بن اسحق بھذا الاسناد مثلہ وحدثنا حسن الحلوانی قال حدثنا یزید بن ھرون قال اخبرنا حماد بن زید عن ایوب عن عمرو بن دینار عن عطاء بن یسار عن ابی ھریرۃ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم بمثلہ قال حماد ثم لقیت عمروا فحدثنی بہ ولم یرفعہ کذا فی صحیح مسلم مختصراً قولہ قال حماد ثم لقیت عمروا فحدثنی بہ ولم یرفعہ ھذا الکلام لا یقدح فی صحۃ الحدیث ورفعہ لان اکثر الرواۃ رفعوہ وقال الترمذی وروایۃ الرفع اصلح وقد قدمنا فی الفصول السابقۃ فی مقدمۃ الکتاب ان الرفع مقدم علی الوقف علی المذھب الصحیح وان کان عدد الرفع اقل فکیف اذا کان اکثر انتہی ما قال النووی فی شرح مسلم وھکذا فی تدریب الراوی اور معلوم ہوا کہ جو ابراہیم حلبی شارح منیۃ المصلی شاگرد ابن الہمام وغیرہ نے طحاوی وغیرہ سے نقل کیا ہے کہ عبد اللہ بن مسعودؓ اور ابو الدرداؓ صحابیوں میں سے اور مسروق و حسن بصری و ابن زبیر وغیرہ تابعین میں سے بعد قائم ہو جانے جماعت کے سنت فجر کی گوشہ مسجد میں پڑھ کر جماعت میں شامل ہوئے سو اس نقل سے سنت کا پڑھنا مسجد میں بعد اقامت صلوٰۃ کے جائز معلوم ہوتا ہے پس یہ نقل صاحب ہدایہ اور صاحب فتح القدیر و در مختار وغیرہ کی تقریر اور تحریر سے صحیح اور ثابت نہیں ہوتی کیوں کہ جو ثابت ہوتی تو صاحب ہدایہ و فتح القدیر کہ محقق مذہب حنفی کے ہیں ضرور نقل کرتے اس کو حالاں کہ اس کو نقل نہیں کیا بلکہ خلاف اس کے بلحاظ حدیث اذا اقیمت الصلوٰۃ فلا صلوٰۃ الا المکتوبۃ کے سنت فجر کی مسجد میں پڑھنے کو مکروہ لکھا ہے، چنانچہ بخوبی پہلے مذکور ہو چکا تو اس سے معلوم ہوا کہ قول طحاوی وغیرہ کا جو ابراہیم حلبی مذکور نے نقل کیا ہے نزدیک صاحب ہدایہ اور صاحب فتح القدیر وغیرہ کے پایۂ اعتبار سے ساقط ہے ورنہ وہ ضرور نقل کرتے اور نیز فعل حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا مخالف فعل عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ وغیرہ کے منقول ہے یعنی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ نے دیکھا کہ ایک شخص سنت فجر کی پڑھ رہا ہے وقت قائم ہونے جماعت کے تو اس کو مارا اور تعزیر دی اور عبد اللہ بن عمر

ہو جانے کے بعد کوئی اور نماز نہیں ہوتی۔ امام ترمذی نے کہا مرفوع روایت صحیح ہے اور ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ صحیح مذہب پر رفع وقف سے مقدم ہوتا ہے۔ اگرچہ رفع کی روایات کم ہوں اور اگر رفع کی روایات وقف سے زیادہ ہوں تو پھر کوئی اعتراض ہی نہیں ہو سکتا۔

نے دیکھا ایک شخص کو کہ وقت اقامت مؤذن کے سنت فجر کی پڑھنے لگا تو اس کو کنکر مارا جیسا کہ بیہقی نے نقل کیا اور محلی شرح موطا میں مذکور ہے اور اگر بالفرض عبداللہ بن مسعودؓ وغیرہ نے سنت فجر کی پڑھی ہو تو جواب اس کا یہ ہے کہ عبداللہ ابن مسعودؓ وغیرہ کو حدیث نہی کی نہیں پہنچی اور حدیث نہی کے نہ پہنچنے میں کچھ تعجب نہیں کیوں کہ مخفی رہا عبداللہ پر ہاتھ کا گھٹنوں پر رکھنا رکوع میں اور وہ ہمیشہ دونوں ہاتھ ملا کر رانوں میں رکھتے تھے موافق پہلے دستور کے اور مخالفت کی عبداللہ بن مسعود نے سب صحابہ سے اس مسئلہ میں چنانچہ صحاح میں مذکور ہے حالاں کہ رکھنا دونو ہاتھوں کا ملا کر رانوں میں منسوخ ہو چکا مگر عبداللہ بن مسعود کو نسخ کی حدیث نہیں پہنچی حالاں کہ رکوع میں ہاتھ رکھنا گھٹنوں پر ہر وقت کا مدام معمول ہے ہر نماز میں اور یہ فعل ایسا مشہور عبداللہ بن مسعود پر مخفی رہا پس اسی طرح حدیث نہی سنت فجر کے پڑھنے میں بیچ مسجد کے وقت قائم ہونے جماعت کے عبداللہ بن مسعود اور ابو الدرداؓ کو نہ پہنچی اور اسی طرح عبداللہ بن مسعودؓ اور ابوالدرداء بجائے قرأت وما خلق الذکر والانثی کے والذکر والانثی پڑھتے تھے حالاں کہ وما خلق الذکر قرأت متواترہ جمہور صحابہ کے نزدیک ہے۔ اور یہی قرأت متواتر تمام قرآن مجید میں اور مصحف عثمانی میں اسی طرح سے مذکور ہے اور عبداللہ بن مسعود اور ابوالدرداء کو یہ قرأت متواترہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نہ پہنچی جیسا کہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم وغیرہ میں یہ قصہ مذکور ہے پس بسبب لاعلمی اس حدیث نہی کے عبداللہ بن مسعود اور ابوالدرداء نے سنت فجر کی کبھی مسجد میں بروقت قائم ہو جانے جماعت کے اگر پڑھی ہو تو معذور رہیں گے اور ہم پران کا پڑھنا بمقابلہ حدیث صحیح کے کہ چھ سات صحابی سے منقول ہے حجت نہیں ہو سکتا بموجب اس آیت کریمہ کے وما آتکم الرسول فخذوہ وما نہٰکم عنہ فانتھوا ترجمہ:۔ جو چیز دی تم کو رسولؐ نے پس لے لو اس کو اور عمل کرو اس پر اور جس چیز سے منع کیا تم کو پس باز رہو اس سے اور نہ کرو اس کو پس قول و فعل اور تقریر رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی واجب الاتباع ہے امت پر ؎ وقد روی عن عمرؓ انہ کان اذا رأی رجلا یصلی وھو یسمع الاقامۃ ضربہ وعن ابن عمرانہ کان اذا ابصر رجلا یصلی رکعتین والمؤذن یقیم فحصبہ کذا فی المحلی اور بعض عالم حنفی جواب میں حدیث نہی کے یوں تقریر کرتے ہیں کہ اس شخص نے کنارہ مسجد کے یا اوٹ کے میں نہیں پڑھی تھی اس واسطے انکار اور زجر فرمایا اور اگر دور یا اوٹ میں پڑھتا تو مضائقہ نہیں تھا۔ تو حدیث صحیح مسلم کی ان کے قول کو رد کرتی ہے جیسا کہ محلی میں موجود ہے؛ ؎ ومن الحنفیۃ من قال انما انکر

؎ حضرت عمرؓ جب کسی آدمی کو اقامت ہو جانے کے بعد نماز میں مشغول پاتے تو اس کو مارتے۔ عبداللہ بن عمرؓ نے ایک آدمی کو اقامت کے بعد سنتیں پڑھتے دیکھا تو کنکریاں ماریں۔ ؎ بعض حنفیہ نے کہا ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اس آدمی پر انکار کر

النبی صلی اللہ علیہ وسلم وقال الصبح اربعا لانہ علم انہ صلی الفرض اولان الرجل صلیھا فی المسجد بلا حائل فشوش علی المصلین فیرد الاحتمال الاول قولہ صلی اللہ علیہ وسلم کما فی الکتاب صلوتان معا وما للطبرانی عن ابی موسیٰ انہ صلی اللہ علیہ وسلم رائی رجلا یصلی رکعتی الغداۃ والمؤذن یقیم فاخذ منکبیہ وقال الا کان ھذا قبل ھذا ویرد الثانی ما فی مسلم عن ابن سرجس دخل رجل المسجد وھو صلی اللہ علیہ وسلم فی صلوۃ الغداۃ فصلی رکعتین فی جانب المسجد ثم دخل مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم فلما سلم النبی صلی اللہ علیہ وسلم .... قال یا فلان بای الصلوتین اعتددت ابصلوتک وحدک ام بصلوتک معنا انتھی فانہ یدل علی ان اداء الرجل کانت فی جانب لا مخالطا للصف وفی المحیط الرضوی اختلفوا فی الکراھتہ فیما اذا صلی فی المسجد الخارج والامام فی الداخل فقیل لا یکرہ وقیل یکرہ لان ذلک کلہ کمکان واحد فاذا اختلف المشائخ فیہ کان الاحوی ان لا یصلی کذا فی المحلی، پس احادیث مذکور بالا سے صاف واضح ہوتا ہے کہ سنت فجر کی بعد کھڑے ہو جانے جماعت فرض کے مطلق نہ پڑھے نہ مسجد میں اور نہ خارج میں اور یہی مذہب ہے سارے اہل علم اور سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ اور ابن مبارک اور احمد شافعی اور اسحاق کا ہے جیسا کہ ترمذی سے واضح ہے، اور مالکی مذہب سے بھی ایسا ہی سمجھا جاتا ہے جیسا کہ محلی شرح موطا سے معلوم ہوتا ہے اور ہدایہ و فتح القدیر و درمختار سے پہلے مذکور ہو چکا کہ وقت اقامت کے مسجد میں سنت پڑھنی مکروہ ہے اور خارج مسجد میں پڑھنی درست ہے بشرطیکہ دونوں رکعت فرض کی فوت نہ ہو جاویں لیکن مضمون حدیث سے مطلق معلوم ہوتا ہے نہ پڑھنا سنت کا خواہ مسجد میں ہو خواہ خارج مسجد کے ہو وقت قائم ہونے جماعت کے۔ فیہ دلیل علی انہ لا یصلی بعد

کے جو فرمایا کیا صبح کی چار رکعتیں پڑھتا ہے یہ اس لیے کہا تھا کہ آپ نے سمجھا کہ اس نے پہلے بھی فرض ہی پڑھے ہیں یا پھر سنتیں مسجد میں بغیر کسی اوٹ کے پڑھی ہوں گی پہلے احتمال کو یہ حدیث رد کرتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی کو دیکھا وہ صبح کی دو سنتیں پڑھ رہا ہے موذن نے اقامت کہی آپ نے کندھوں سے پکڑا اور فرمایا اس سے پہلے سنتیں کیوں نہ پڑھ لیں اور دوسرے احتمال کا جواب یہ ہے کہ ایک آدمی مسجد میں داخل ہوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صبح کی نماز پڑھا رہے تھے اس نے مسجد کے گوشے میں دو رکعت سنت پڑھیں، پھر نبی کریم کے ساتھ جماعت میں شامل ہوا آپ نے فرمایا اے فلانے ان دونوں نمازوں میں سے تو نے کون سی نماز شمار کی ہے۔ کیا اپنی اکیلے کی نماز یا وہ نماز جو تو نے ہمارے ساتھ پڑھی یہ حدیث دلیل ہے کہ اس نے مسجد کے گوشے ہی میں سنتیں پڑھی تھیں۔ محیط میں ہے کہ اس میں اختلاف ہے کہ جب امام مسجد کے اندر

الاقامۃ نافلۃ وان کان یدرک الصلوۃ مع الامام ورد علی من قال ان علم انہ یدرک الرکعۃ الاولی اوالثانیۃ یصلی النافلۃ انتھی۔ ما قال النووی فی شرح مسلم اور نہ پڑھنے سنت میں وقت قائم ہونے جماعت کے یہ حکمت ہے کہ دل جمعی سے ابتدا جماعت فرض میں مل جاوے اور ثواب تکبیر اولی اور تکمیل فرض کی حاصل ہو اور صورت اختلاف کی نہ ظاہر ہووے پس محافظت فرض کی او پر وجہ کمال کے مقتدی کو ضرور ہے ان الحکمۃ[1] فیہ ان یتفرغ للفریضۃ من اولھا فیشرع فیھا عقیب شروع الامام واذا اشتغل بنافلۃ الاحرام وفاتہ بعض مکملات الفریضۃ فالفریضۃ اولی بالمحافظۃ علی اکمالھا قال القاضی وفیہ حکمۃ اخری وھو النھی عن الاختلاف علی الائمۃ کذا قال الامام النووی فی شرح مسلم اب آگے باقی رہا کلام اس میں کہ　　سنت فجر کی بعد طلوع آفتاب کے پڑھے پس عبد اللہ بن عمرؓ سے دونوں طرح منقول ہے خواہ بعد طلوع آفتاب کے یا قبل طلوع کے مالک انہ بلغہ ان عبد اللہ بن عمرؓ فاتہ رکعتا الفجر فقضاھما بعد ان طلعت الشمس کذا فی موطا امام مالک وھکذا اسندہ ابن ابی شیبۃ عن نافع عن ابن عمر جاء الی القوم وھم فی الصلوۃ ولم یکن صلی الرکعتین فدخل معھم ثم جلس فی مصلاہ فلما اضحی قام فصلاھما ولہ من طریق عطیۃ قال رأیت ابن عمرؓ قضاھما حین سلم الامام ضحی اور نیز حدیث مرفوع آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے درباب قضاء سنت بعد طلوع آفتاب کے ابی ہریرۃ رضؓ

نماز پڑھ رہا ہو اور باہر کوئی آکر سنتیں پڑھے تو یہ مکروہ ہے یا نہیں؛ بعض نے کہا کہ مکروہ نہیں ہے اور بعض نے اسے مکروہ کہا ہے اس لیے کہ مسجد حقیقت میں ایک ہی مکان ہے اور جب مشائخ کا اختلاف ہے تو احتیاطاً اسی میں ہے کہ نہ پڑھے۔
ﻫ اس میں دلیل ہے کہ اقامت کے بعد کوئی نفل نماز نہ پڑھی جائے اگرچہ وہ امام کے ساتھ نماز کو پا سکتا ہو اور اس میں اس آدمی کا رد ہے جو کہتا ہے کہ اگر اسے ایک رکعت یا دونوں رکعت مل جانے کی توقع ہو تو سنتیں پڑھ لے۔

[1] اس میں حکمت یہ ہے کہ وہ فرضوں کے لیے فارغ ہو جائے گا جب امام نماز شروع کرے گا تو وہ بھی شروع کرے گا۔ اور اگر نفل میں مشغول ہو گیا تو اس سے تکبیر تحریمہ اور بعض حصہ فرائض کا بھی فوت ہو جائے گا۔ تو فرائض کی محافظت ضروری ہے۔ قاضی عیاض نے کہا اس میں یہ حکمت بھی ہے۔ کہ ائمہ کی مخالفت سے ممانعت معلوم ہوتی ہے۔ [2] امام مالک کو خبر پہنچی کہ عبد اللہ بن عمر کی صبح کی سنتیں رہ گئی تھیں۔ ان کی قضا آپ نے سورج نکلنے کے بعد کی۔ ایک دفعہ عبد اللہ بن عمرؓ مسجد میں آئے لوگ نماز پڑھ رہے تھے انہوں نے سنتیں نہیں پڑھی تھیں آپ ان کے ساتھ شامل ہو گئے پھر اپنی نماز کی جگہ بیٹھے رہے جب ضحی کا وقت ہوا تو اٹھے اور ان کی قضا دی۔ عبد اللہ بن عمر نے ایک دفعہ صبح کی سنتوں کی قضا امام کے سلام پھیرنے کے بعد دی۔

سے ترمذی میں موجود ہے۔ اور کہا ترمذی نے اور اس پر عمل ہے اہل علم کا اور یہی قول سفیان ثوریؒ اور شافعیؒ اور احمد وابن المبارک واسحاق کا ہے۔ عن ابی هريرة مرفوعاً من لم يصل ركعتي الفجر فليصلهما بعد ما تطلع الشمس قال الترمذی والعمل علی هذا عند اهل العلم وبه يقول الثوری والشافعی واحمد وابن المبارك واسحاق انتهى ما فی الترمذی اور ابوداؤد اور ترمذی اور ابن ماجہ وغیرہ سے بعد فرض قبل طلوع آفتاب کے بھی پڑھنا سنت فجر کا واضح ہوتا ہے۔ کہ قیس بن عمروؓ صحابی وقت اقامت جماعت کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جماعت میں شامل ہوئے اور بعد ادائے فرض کے سنت فجر کی جلدی سے پڑھنے لگے اتنے میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم جماعت سے فارغ ہوئے اور پایا قیس کو سنت پڑھتے ہوئے تو فرمایا اے قیس ٹھہر جا آیا دو نماز اکٹھی پڑھتا ہے تو قیس نے کہا اے رسول خدا کے میں نے سنت فجر کی پہلے نہیں پڑھی تھی سو میں نے یہ دو رکعت سنت فجر کی پڑھی۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پس نہیں مضائقہ اس وقت یعنی جب کہ پہلے تو نے سنت فجر کی نہیں پڑھی تھی اور بعد ادائے فرض کے تو نے پڑھی تو اس کے پڑھنے کا مضائقہ نہیں، تو اس کلام سے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے صاف اور واضح ہوا کہ بعد فرض صبح کے سنت فجر کی پڑھنا روا ہے اور نفل پڑھنا مکروہ ہے جیسا کہ حدیث سے معلوم ہوتا ہے تو حدیث نہی سے سنت فجر کی مستثنیٰ اور خارج ہوئی اور نہی اس پر وارد نہیں ہوتی کیوں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قیس کے سنت پڑھنے پر خاموش رہے اور ایک روایت میں یوں فرمایا کیا مضائقہ اور ایک روایت میں مسکرائے اور اسی واسطے جماعت علماء مکہ معظمہ کی حدیث قیس پر عمل کرنے کو روا رکھتی ہے۔ پس جو شخص بعد ادا فرض کے سنت فجر کی پڑھنے کو شدت سے منع کرتے ہیں تو قول ان کا بموجب حدیث قیس کے مقبول نہ ہوگا کیوں کہ اس میں وسعت پائی گئی ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نہایت کا اس حدیث کو مرسل کہیں گے اور حدیث مرسل حنفی مذہب اور مالکی مذہب میں حجت ہے جیسا کہ نور الانوار اور توضیح وغیرہ میں مذکور ہے۔ باب من فاتته متى يقضيها حدثنا عثمان بن ابی شيبة نا ابن نمير عن سعد بن سعيد حدثنی محمد بن ابراهيم عن قيس بن عمرو قال رأى رسول الله صلى الله عليه وسلم رجلا يصلى بعد صلوة الصبح ركعتان فقال الرجل انی لم

لے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی کو دیکھا اس نے صبح کی نماز کے بعد دو رکعتیں پڑھیں تو آپ نے فرمایا صبح کی نماز تو دو ہی رکعت ہے۔ تو نے یہ کیا کیا ہے؟ اس نے کہا میں پہلے سنتیں ادا نہیں کر سکا تھا وہ اب پڑھی ہیں تو آپ خاموش رہے

اکن صلیت الرکعتین اللتین قبلہما فصلیتہما الآن فسکت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حدثنا حامد بن یحییٰ البلخی قال قال سفیان کان عطاء بن ابی رباح یحدث بھذا الحدیث عن سعد بن سعید قال ابوداؤد روی عبد ربہ ویحییٰ ابنا سعید ھذا الحدیث مرسلا ان جدھم زید اصلی مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم انتہیٰ ما فی ابی داؤد باب . ما جاء فیمن تفوتہ الرکعتان قبل الفجر یصلیھما بعد صلوٰۃ الصبح حدثنا محمد بن عمرو السواق حدثنا عبد العزیز بن محمد عن سعد بن سعید عن محمد بن ابراھیم عن جدہ قیس قال خرج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاقیمت الصلوٰۃ فصلیت معہ الصبح ثم انصرف النبی صلی اللہ علیہ وسلم فوجدنی اصلی فقال مھلا یا قیس اصلوتان معا قلت یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انی لم اکن رکعت رکعتی الفجر قال فلا اذا قال ابو عیسیٰ حدیث محمد بن ابراھیم لا نعرفہ مثل ھذا الا من حدیث سعد بن سعید وقال سفیان بن عیینۃ سمع عطاء بن ابی رباح من سعد بن سعید ھذا الحدیث وانما یروی ھذا الحدیث مرسلا وقد قال من اھل مکۃ بھذا الحدیث لم یروا باسا ان یصلی الرجل الرکعتین بعد المکتوبۃ قبل ان تطلع الشمس قال ابو عیسیٰ وسعد بن سعید ھو اخو یحییٰ بن سعید الانصاری وقیس ھو جد یحییٰ بن سعید ویقال ھو قیس بن عمرو ویقال ھو قیس بن فھد واسناد ھذا الحدیث لیس بمتصل محمد بن ابراھیم التیمی لم یسمع من قیس وروی بعضھم ھذا الحدیث عن سعد بن سعید عن محمد بن ابراھیم ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم خرج فرأی قیسا انتہیٰ ما فی الترمذی ھکذا رواہ ابن ماجۃ فقط اور سنت فجر کی قضا نہیں ہے نزدیک امام ابوحنیفہؒ کے اور ابو یوسفؒ کے اور نزدیک امام محمدؒ کے تا زوال قضا کرے اور بعضے کہتے ہیں کہ جو قضا کرے گا تو نفل ہوں گے نزدیک شیخین کے اور محسوب سنت ہوں گے نزدیک امام محمدؒ کے قضا کرنا چھوڑنے سے بہتر ہے جیسا کہ پہلے معلوم ہو چکا ولا یقضیھما الا ای سنت الفجر الا حال کونہ تبعا للفرض قبل

حضرت قیس کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم باہر نکلے نماز کھڑی ہو گئی میں نے آپ کے ساتھ صبح کی نماز پڑھی پھر جب آپ فارغ ہوئے تو میں نے سنتیں پڑھیں آپ نے فرمایا اے قیس ٹھہر جا کیا دو نمازیں اکٹھی پڑھتا ہے؟ میں نے کہا میں پہلے سنتیں ادا نہیں کر سکا تھا آپؐ نے فرمایا پھر ٹھیک ہے۔ یہ حدیث مرسل ہے۔ لیکن مرسل حدیث احناف اور مالکیہ کے نزدیک حجت ہے۔ اور اسی حدیث کی بنا پر اہل مکہ کا فتوےٰ ہے کہ اگر نماز کے بعد سورج نکلنے سے پہلے صبح کی سنتیں ادا کرے (بقیہ)

الزوال او بعدہ علی اختلاف المشائخ کما فی التمرتاشی وقیل یقضی بعدہ اجماعا والکلام دال علی انہا اذا فاتت وحدہا لا تقضی وہذا عندہما واما عند محمد فیقضیہا الی الزوال استحسانا وقیل لا خلاف فیہ فان عندہ لو لم یقض فلا شئ علیہ واما عندہما فلو قضی لکان حسنا وقیل الخلاف فی انہ لو قضی کان نفلا عندہما سنۃ عندہ کما فی جامع الرموز واللہ اعلم بالصواب فاعتبروا یا اولی الالباب۔ حررہ السید شریف حسین۔ محمد اسد علی سید محمد نذیر حسین

حسبنا اللہ بس حفیظ اللہ فتاوٰی نذیریہ جلد اول ص۵۲۲

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جب جماعت نماز فجر کی کھڑی ہو جائے اسوقت دو رکعت سنت فجر کی پڑھ لے یا شامل جماعت ہو جائے اگر شامل جماعت ہو گیا تو بعد نماز فرض کے طلوع آفتاب سے قبل نماز سنت کو پڑھے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب اس وقت سنت نہ پڑھے جماعت میں شامل ہو جاوے بموجب فرمودہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ابو ہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اذا اقیمت الصلوٰۃ فلا صلوٰۃ الا المکتوبۃ ترجمہ جس وقت جماعت نماز کی کھڑی ہو جاوے تو اس وقت سوائے نماز فرض کے اور کوئی نماز نہیں ہے دوسری حدیث ثم زاد[1] مسلم بن خالد عن عمرو بن دینار فی قولہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا اقیمت الصلوٰۃ فلا صلوٰۃ الا المکتوبۃ قیل یا رسول اللہ لا رکعتی الفجر قال لا رکعتی الفجر اخرجہ ابن عدی بسند حسن اور بخاری میں عبد اللہ بن بحینہ سے روایت ہے ان[2] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رأی رجلا وقد اقیمت الصلوٰۃ صلی رکعتین فلما انصرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال الصبح اربعا الصبح اربعا عن ابن عمر انہ ابصر رجلا یصلی لرکعتین والمؤذن یقیم فحصبہ فقد روی عن عمر رض انہ کان

(بقیہ ص) تو ٹھیک ہے۔ [1] جب نماز کھڑی ہو جائے تو پھر فرض نماز کے علاوہ اور کوئی نماز نہیں ہوتی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ صبح کی سنتیں بھی آپ نے فرمایا وہ بھی نہیں ہوتیں۔ [2] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی کو دیکھا اس نے ایک آدمی کو دیکھا اس نے دو رکعتیں پڑھیں اور نماز کھڑی ہو چکی تھی۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا صبح کی چار رکعتیں پڑھتے ہو؟ صبح کی چار رکعت پڑھتے ہو؟ عبد اللہ بن عمر رض نے ایک آدمی کو دیکھا وہ دو رکعت پڑھ رہا

اذا رای رجلا یصلی وھو یسمع الاقامۃ ضربہ عن طریق عطیۃ قد رأیت ابن عمرؓ قضاھما حین سلم الامام اور قیس سے روایت ہے خرج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاقیمت الصلوٰۃ فصلیت معہ الصبح ثم انصرف النبی صلی اللہ علیہ وسلم فوجدنی اصلی فقال مھلا یا قیس اصلوتان معا قلت یا رسول اللہ انی لم اکن رکعت رکعتی الفجر قال فلا اذا۔ قیس سے روایت ہے کہ قیس نے کہا کہ حضرت باہر تشریف فرما ہوئے اور نماز فجر کی جماعت کھڑی ہوئی تو میں نے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ فجر کی نماز پڑھی بعد سلام پھیرنے کے حضرت نے مجھ سے نماز پڑھتے دیکھا تو فرمایا۔ ٹھیر جا اے قیس کیا تو دو نمازیں اکٹھی پڑھتا ہے میں نے عرض کیا کہ میں نے دو رکعت سنت فجر کی نہیں پڑھی تھی تو حضرت نے فرمایا اگر ایسا ہے تو کچھ مضائقہ نہیں ان روایات مذکورہ بالا سے وقت کھڑی ہو جانے جماعت فرض کے شامل ہونا جماعت میں ضرور ہے اور پڑھنا سنتوں کا بعد جماعت کے قبل طلوع آفتاب کے یہ بھی ثابت ہو گیا اگر کوئی بعد طلوع آفتاب کے سنتیں پڑھے گا تو بھی درست ہے۔ واللہ اعلم کتبہ محمد عبید اللہ

| محمد عبید اللہ ۱۲۹ |

اذا اقیمت الصلوٰۃ فلا صلوٰۃ الا المکتوبۃ نص است و بمقابلہ نص تعلیلات قیاسیہ باطل است

| فقیر عبد الحق ۱۲۹۵ میر احمد پشاوری |

واقعی ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اذا اقیمت الصلوٰۃ فلا صلوٰۃ الا المکتوبۃ مانع جواز پڑھنے سنت کے ہے مگر بعد فرضوں کے بلاشبہ درست ہے۔

| حسبنا اللہ بس حفیظ اللہ |

قد ثبت فی الصحیحین وغیرھما[1] انہ اذا اقیمت الصلوٰۃ فلا صلوٰۃ الا المکتوبۃ وزیادۃ الا رکعتی الفجر لا اصل لھا قالہ البیھقی ونقل عنہ فی المحلی شرح الموطا واللہ اعلم بالصواب

حررہ ابو محمد عبد الرؤف البھاری

| عبد الرؤف ۱۳۰۳ |

الجواب صحیح والرائے نجیح نمقہ محمد یٰس الرحیم ابادی عفی عنہ۔ مجیب صاحب نے بہت

تھا اور مؤذن اقامت کہہ رہا تھا آپ نے اس کو کنکریاں ماریں حضرت عمر رضہ نے ایک آدمی کو نماز پڑھتے دیکھا اور اقامت کی آواز سنی جا رہی تھی آپ نے اس کو مارا، حضرت عبداللہ بن عمر نے امام کے سلام پھیرنے کے بعد قضا دی۔ قیس کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باہر نکلے نماز کی اقامت ہوئی میں نے آپ کے ساتھ صبح کی نماز پڑھی جب آپ فارغ ہوئے تو میں نے سنتیں پڑھی تھیں آپ نے فرمایا اے قیس ٹھہر جا کیا دو نمازیں اکٹھی پڑھتا ہے میں نے کہا اے اللہ کے رسول میں نے پہلی سنتیں نہیں پڑھی تھیں آپ نے فرمایا پھر ٹھیک ہے۔

[1] صحیحین میں ثابت ہے۔ کہ جب نماز کی اقامت ہو جائے تو فرض نماز کے علاوہ اور کوئی نماز نہیں ہوتی۔

ہی عمدہ جواب دیا ہے حقیقت میں وقت اقامت ادائے سنت فجر ناجائز و نادرست از روئے حدیث صحیح السند کے ہے اور کتب فقہ میں بھی اس طرح سنت پڑھنے کو کہ جس طرح آج کل فی زمانا جہال پڑھتے ہیں یعنی قریب صف کے اور مسجد میں ممنوع لکھا ہے اور فتح القدیر میں لکھا ہے کہ اس طرح سے جیسا کہ آج کل مروج ہو رہا ہے سنت فجر پڑھتے ہیں بہت سخت مکروہ ہے اور وہ بڑے اجہل ہیں اور ہدایہ مع الکفایہ میں لکھا ہے کہ سنت فجر وقت اقامت مسجد میں ممنوع و نادرست ہے اگر پڑھے تو خارج از مسجد پڑھے اور مولوی عبدالحیٔ صاحب لکھنوی حنفی نے عمدۃ الرعایہ صفحہ ۲۳۸ و تعلیق الممجد صفحہ ۸۶ میں خوب واضح کر کے لکھا ہے کہ از روئے احادیث صحیحہ مرفوعہ سنت فجر وقت تکبیر نہ پڑھنی چاہیئے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب حررہ العاجز ابو محمد عبدالوہاب الفنجابی نزیل دہلی　　خادم شریعت رسول الاداب ابو محمد عبدالوہاب ۱۳۰۰ھ

الجواب صحیح محمد طاہر سلہٹی ۱۳۰۰ھ　اکثر جاہل لوگ جو وقت اقامت فرض صبح کے سنتیں پڑھتے ہیں یہ درست نہیں پس جماعت میں شامل ہونا چاہیئے۔ حنفی واعظ جامع مسجد دہلی۔

سید نذیر حسین　خادم شریعت رسول الثقلین محمد تلطف حسین ۱۲۹۲　سید عبدالسلام غفرلہ ۱۲۹۹　الجواب صحیح عبداللطیف ۱۲۹۵

(فتاویٰ نذیریہ جلد اول ص ۵۲۴)

سوال : کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ حدیث شریف اذا اقیمت الصلوٰۃ فلا صلوٰۃ الا المکتوبۃ میں لفظ اذا عموم زمان کے لیے ہے اور فلا صلوٰۃ میں صلوٰۃ عام ہے جو ہر نماز فرض وغیرہ کو شامل ہے۔ کیوں کہ نکرہ نفی میں عموم کا فائدہ دیتا ہے پس اس حدیث کا ظاہر مطلب یہ معلوم ہوتا ہے کہ جب اور جس وقت کسی نماز کے لئے اقامت کہی جائے تو بجز نماز مکتوبہ مقام لہا کے کوئی اور نماز پڑھنی نہیں چاہیئے نہ فرض اور نہ غیر فرض، پس سوال یہ ہے کہ جب اکثر مصلین کسی نماز فرض سے فارغ ہو کر عازم نوافل راتبہ کو ہو وے اسی اثنا میں چند اشخاص مسبوقین جماعت ثانیہ کی اقامت کہہ کر فرض نماز میں شامل ہو وے پس ان عازمین نوافل کو بوقت اقامت ان مفترضین کے بحکم حدیث مذکور نوافل پڑھنا چاہیئے یا نہیں یا نوافل چھوڑ کر جماعت ثانیہ میں شریک ہو جانا چاہیئے؟ بینوا توجروا

الجواب : معلوم کرنا چاہیئے کہ اس حدیث شریف میں جملہ (فلا صلوٰۃ) کا نفی کرتا ہے جملہ صلوٰۃ کا فرضیت کانت او نافلۃ اور مستثنیٰ ثابت و واجب کرتا ہے صلوٰۃ مکتوبہ مقام لہا کو پس یہ وجوب دو حال سے خالی نہیں آیا، یہ وجوب بوجہ اقامت کے ہوا ہے یا قبل سے اس پر واجب تھا صرف اقامت نے بقور

بدون تراخی کے ادا کرنے کو واجب کر دیا صورت اولی کا کوئی قائل نہیں کہ بوجہ اقامت کے وجوب صلوٰۃ ہوتا ہے ومن ادعی فعلیہ البیان بالبرھان باقی رہی صورت ثانیہ تو اس سے وُہ افرادِ مصلین نکل گئے جو کہ اپنی صلوٰۃ مکتوبہ کو ادا کر چکے ہیں تو مطلب حدیث شریف کا یہ ہوا اذا اقیمت الصلوۃ وکنتم تریدون المکتوبۃ التی وجبت علیکم فلا صلوۃ الا المکتوبۃ واللہ اعلم حررہ السید عبدالحفیظ غفرلہ ولوالدیہ

سید نذیر حسین

ھو الموفق جب کہ اکثر مصلین اپنے فرض نماز سے فارغ ہو چکے ہوں اور عازم نوافل راتبہ ہوں اور اسی اثنا میں اشخاص مسبوقین کی جماعت ثانیہ کے لیے اقامت کہی جائے تو ان عازمین نوافل کو نوافل پڑھنا جائز ہے اور ان کو نوافل کو چھوڑ کر اس جماعت ثانیہ میں شریک ہونا ضروری نہیں ہے رہی حدیث مذکور سو اس میں جملہ اذا اقیمت الصلوۃ میں صلوٰۃ سے مطلق ہر نماز مراد نہیں ہے بلکہ وُہ فرض نماز مراد ہے جو ادا نہیں کی گئی ہے اور خلاصہ مطلب حدیث کا یہ ہوا کہ اے نمازیو جب اس فرض نماز کے لئے اقامت کہی جاوے جس کو تم نے ابھی ادا نہیں کیا ہے۔ تو بجز اس فرض نماز کے تم کو کوئی اور نماز نہیں پڑھنا چاہیئے۔ پس صورت مسئولہ حدیث مذکور کے حکم سے خارج ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ کتبہ محمد عبدالرحمٰن المبارکفوری (فتاوی نذیریہ جلد اول ص ۵۲)

سوال: ادا کرنا سنتوں فجر کا وقت ہونے جماعت فرضوں فجر کے اسی مسجد اور مکان میں درست ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: متبعان سنّتِ نبوی پر مخفی نہ رہے کہ صحیح مسلم و ترمذی و ابو داؤد و نسائی و ابن ماجہ وغیرہ میں مذکور ہے کہ اذا اقیمت الصلوۃ فلا صلوۃ الا المکتوبۃ ترجمہ: جب قائم کی جاوے نماز یعنی جب مؤذن اقامت شروع کرے تو اس وقت نماز پڑھنی درست نہیں سوائے فرض کے اور ابن عدی نے ساتھ سند حسن کے آگے اس کے یہ نقل کیا ہے کہ اے رسول خدا کے اور نہ دو رکعت سنّت فجر کی۔ یعنی کسی نے پوچھا کہ اقامت کے وقت سنّت فجر بھی نہ پڑھے فرمایا حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب اقامت ہونے لگے تو سنّت فجر کی بھی نہ پڑھنی چاہیئے اور اس مضمون کی حدیث اور بھی محلی شرح موطا میں مذکور ہے اب معلوم کرنا چاہیئے کہ جب رسول خدا نے سنّت فجر کی پڑھنے کو وقت اقامت کے منع فرمایا تو پھر اور کے کہنے یا لکھنے کا کیا اعتبار ہے۔ کیوں کہ خدا تعالےٰ نے قرآن مجید میں اطاعت پیغمبر خدا کی لازم کر دی چنانچہ فرماتا ہے:-

ما اٰتکم الرسول فخذوہ وما نھٰکم عنہ فانتھوا ترجمہ جو چیز تم کو رسول دے یا کوئی کام ارشاد کرے پس اس کو لے لو یعنی قبول کرو اور بجالاؤ اس کو تو جب حضرت نے سنت پڑھنی وقت قائم ہونے جماعت فرض کے منع کر دیا تو امت کو چاہیے کہ اس پر عمل کرے یعنی نہی فرمانے پر آں حضرت کے عمل کرے یعنی جماعت کے قائم ہونے کے وقت سنت نہ پڑھے ورنہ مخالفت پیغمبر ہوگا ؎

خلافِ پیمبر کسے رہ گزید کہ ہرگز بمنزل نخواہد رسید

قال اللہ تعالیٰ ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ ترجمہ فرمایا خدا تعالیٰ نے قرآن مجید میں کہ کہہ دے تو اے رسول اگر خدا تعالےٰ کو دوست رکھتے ہو تو میری پیروی کرو دوست رکھے گا تم کو خدا۔ محلی شرح موطا میں ہے۔ اذا اقیمت الصلوٰۃ فلا صلوٰۃ الا المکتوبۃ حدیث مرفوع اخرجہ مسلم والاربعۃ عن ابی ہریرۃ واخرجہ ابن حبان بلفظ اذا اخذ المؤذن فی الاقامۃ واحمد بلفظ فلا صلوٰۃ الا التی اقیمت وھو اخص وزاد ابن عدی بسند حسن قیل یا رسول اللہ لا رکعتی الفجر قال ولا رکعتی الفجر توربشتی وھکذا فی القسطلانی مالک عن شریک بن عبد اللہ بن ابی نمر انہ سمع قوم الاقامۃ فقاموا یصلون ای التطوع فخرج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال اصلاتان ای السنۃ والفرض معا ای موصولا فی وقت واحد اصلاتان معا ذلک فی صلوٰۃ الصبح فی الرکعتین التین قبل الصبح ثم زاد مسلم بن خالد عن عمرو بن دینار فی قولہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا اقیمت الصلوٰۃ فلا صلوٰۃ الا المکتوبۃ قیل یا رسول اللہ ولا رکعتی الفجر قال ولا رکعتی الفجر اخرجہ ابن عدی وسندہ حسن واما زیادۃ الا رکعتی الصبح فی الحدیث فقال البیہقی ھذہ الزیادۃ لا اصل لہا قال البیہقی وقد روی ان عمر انہ کان اذا رای رجلا یصلی وھو یسمع الاقامۃ

ے جب نماز کھڑی ہو جائے تو فرض نماز کے علاوہ اور کوئی نماز نہیں ہوتی" یہ مرفوع حدیث ہے ایک لفظ یہ ہیں "تو صرف وہی نماز ہوگی جس کی اقامت ہوئی"، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ صبح کی سنتیں بھی نہیں پڑھنی چاہییں؟ آپ نے فرمایا صبح کی سنتیں بھی نہیں پڑھنی چاہییں کچھ لوگوں نے اقامت کی آواز سنی اور سنتیں پڑھتے رہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "کیا دو نمازیں اکٹھی پڑھی جا رہی ہیں؟ اور یہ صبح کی نماز کا واقعہ ہے امام بیہقی نے کہا یہ جو بعض لوگوں نے الا رکعتی الفجر (مگر صبح کی سنتیں پڑھنی جائز ہیں)، اس کا بالکل کوئی اصل نہیں ہے۔ حضرت عمر اگر اقامت کے بعد کسی کو الگ نماز پڑھتے دیکھتے تو اس کو مارتے۔ اقامت ہو گئی ایک آدمی سنتیں پڑھتا رہا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے اس کو کنکر مارے حنفی کہتے

ضربه وعن ابن عمر انه ابصر رجلا يصلي الركعتين والمؤذن يقيم فحصبه وقالت الحنفية له ان يصليهما خارج المسجد او خلف اسطوانة لا مخالطا في الصف اذا تيقن بادراك الركعة الاخيرة مع الامام ومن الحنفية من قال انما انكر النبي صلى الله عليه وسلم وقال الصبح اربعا لانه علم انه صلى الفرض اولان الرجل صلاهما في المسجد بلا حائل فتشوش على المصلين ويرد الاحتمال الاول قوله صلى الله عليه وسلم كما في الكتاب اصلاتان معا وما للطبراني عن ابي موسى انه صلى الله عليه وسلم رائى رجلا يصلي ركعتي الغداة والمؤذن يقيم فاخذ منكبيه وقال الا كان هذا قبل هذا ويرد الثاني ما في المسلم عن ابن سرجس دخل رجل المسجد وهو صلى الله عليه وسلم في صلوة الغداة فصلى ركعتين في جانب المسجد ثم دخل مع النبي صلى الله عليه وسلم فلما سلم النبي صلى الله عليه وسلم قال يا فلان باى الصلوتين اعتددت بصلوتك وحدك ام بصلوتك معنا انتهى فانه يدل على ان اداء الرجل كان في جانب لا مخالطا للصف بلا حائل وفي المحيط الرضوى اختلفوا في الكراهة فيما اذا صلى في المسجد الخارج والامام في الداخل فقيل لا يكره وقيل يكره لان ذلك كله كمكان واحد فاذا اختلف المشائخ فيه كان الاحوط لا يصلي تمام ہوئی عبارت محلی شرح موطا تصنیف مولانا سلام اللہ خلف شیخ الاسلام شیخ عبدالحق محدث دہلوی وذکر الولواجی امام یصلی الفجر فی المسجد الداخل فجاء رجل يصلي الفجر في المسجد الخارج اختلف المشائخ فيه قال بعضهم يكره لان ذلك كله كمكان واحد بدليل جواز الاقتداء لمن كان في المسجد الخارج بمن كان في المسجد الداخل واذا اختلف المشائخ فالاحتياط ان لا يفعل انتهى ما في البحر الرائق الراقم محمد نذير حسين عفي عنه

سید محمد نذیر حسین ۱۲۸۱

منصور الرحمن انصاری محمد نجیب خاں محمد اسماعیل محمد عبدالقادر

فتاوی نذیریہ ص ۵۲۵ جلد اول

ہیں کہ اگر آخری رکعت مل جانے کا یقین ہو تو کسی ستون کے پیچھے یا مسجد کے صحن میں صبح کی سنتیں پڑھ لے اور بعض احناف کہتے ہیں کہ نہ پڑھے کیوں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی کو روک دیا تھا اور فرمایا تھا کیا دو نمازیں اکٹھی ہو رہی ہیں ایک دفعہ رسول اللہ نے ایک آدمی کو اقامت کے بعد سنتیں پڑھتے دیکھا تو اس کو کندھوں سے پکڑ کر کہا یہ سنتیں اس سے پہلے پڑھ لی ہوتیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھا رہے تھے ایک آدمی آیا اس نے پہلے سنتیں پڑھیں پھر جماعت میں شامل ہو گیا جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا ان دونوں نمازوں میں سے تو نے کونسی نماز پسند کی ہے۔ کیا اپنی اکیلی نماز یا ہمارے ساتھ نماز، اگر امام مسجد کے اندر نماز پڑھا رہا ہو اور کوئی آدمی باہر صحن میں سنتیں پڑھے تو بعض نے کہا ہے یہ جائز ہے لیکن صحیح یہ ہے کہ نہ پڑھے کیوں کہ مسجد کا اندر اور باہر ایک ہی

سوال فرضوں کی جماعت میں بسم اللہ بلند آواز سے پڑھنا کیسا ہے؟

الجواب بعون الوہاب: بسم اللہ بلند آواز سے پڑھنا جائز ہے۔ چنانچہ نسائی میں حدیث ہے، کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بسم اللہ بلند آواز سے پڑھی اور فرمایا یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز ہے۔ بسم اللہ نماز میں بلند آواز سے پڑھے یا آہستہ، احادیث میں دونوں طرح ثابت ہے۔ (حافظ عبدالقادر روپڑی)

(تنظیم اہلحدیث جلد ۱۷ ش ۳۵)

سوال: مستورات کی امامت جائز ہے یا ناجائز، اگر جائز ہے تو درمیان میں کھڑی ہو یا آگے؟ جمعہ، عیدین اور تراویح پڑھنے کی صورت میں مستورات کی جگہ امام کے دائیں طرف ہو یا بائیں اور اگر بائیں طرف نہ ہو سکے تو دائیں طرف مستورات کی جگہ بنائی جا سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب: ابوداؤد شریف میں حدیث ہے کہ عورت عورتوں کی امامت کرا سکتی ہے، لیکن درمیان کھڑی ہو۔ مشکوٰۃ شریف وغیرہ میں ہے۔ کہ اَخِّرُوْهُنَّ حَيْثُ اَخَّرَهُنَّ یعنی عورتوں کو پیچھے رکھو جہاں ان کو اللہ تعالےٰ نے پیچھے رکھا ہے۔" اور لیکن مجبوری ہو تو دائیں بائیں بھی کھڑی ہو سکتی ہیں۔ چنانچہ منتخب کنز العمال میں ذکر ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضؓ سے ایک شخص نے سوال کیا کہ میرا خیمہ چھوٹا ہے، اگر عورت کو پیچھے کھڑی کروں تو وہ خیمہ کے باہر ہو جائے گی (سردی گرمی کی تکلیف ہوتی ہے) حضرت عمر رضؓ نے کہا درمیان میں پردہ کر کے ایک طرف کھڑی کر لیا کرو۔ تنظیم اہلحدیث ۷ رفروری ۱۹۶۴ء

سوال، ہمارے یہاں ملتان میں ایک حنفی مولوی نے فتوے دیا ہے کہ مسجد کی چھت پر نماز اور جماعت درست نہیں، حوالہ عالمگیری کا دیا ہے۔ کیا یہ فتوے درست ہے؟

جواب: مسجد کی چھت پر نماز درست ہے بخاری شریف میں ہے حضرت ابوہریرہ رضؓ نے مسجد کی چھت پر نماز پڑھی مع صلوٰۃ امام۔ مولوی صاحب کی بات بلا دلیل ہے۔ اور کتب احادیث سے ناواقفی کا ثبوت ہے۔ عبدالقہار غفرلہٗ مدرس مدرسہ دارالسلام کراچی (ماخذ فتاویٰ ستاریہ جلد ۴ صفحہ ۵)

(بقیہ صہ) مکان کی حیثیت رکھتے ہیں کیوں کہ اگر امام اندر کھڑا ہو تو صحن میں کھڑی ہونے والی صفوں کی نماز اس کی اقتداء میں ہو جاتی ہے اگر یہ دو جگہیں الگ الگ سمجھی جائیں تو باہر کے لوگوں کی نماز نہ ہوتی لہٰذا احتیاط اسی میں ہے کہ نہ پڑھی جائیں محلی شرح موطا اور بحر الرائق میں بھی اسی ہے۔

باب السترہ

سوال: بیت اللہ شریف میں نمازی کے آگے سے گذرنے کی رخصت ہے یا نہیں؟

الجواب بعون الوھاب: بیت اللہ شریف میں نمازی کے آگے سے گذرنا درست ہے۔ منتقیٰ میں حدیث ہے۔ مطلب بن ابی وداعہؓ کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (بیت اللہ میں) باب بنی سہم کی جانب سے یعنی حجر اسود کے سامنے نماز پڑھتے تھے اور لوگ آگے سے گذرتے تھے آپ کے اور بیت اللہ کے درمیان کوئی سترہ نہ تھا۔" اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بیت اللہ شریف میں سترہ کا حکم نہیں اور وجہ اس کی ظاہر ہے کہ وہاں ہر وقت طواف ہوتا اور ہر وقت نماز ہوتی ہے اور ہجوم رہتا ہے۔ اس لئے سترہ کا انتظام مشکل ہے۔ اور اس حدیث میں اگرچہ کچھ ضعف ہے لیکن سب مذاہب کا تعامل اس کا مؤید ہے اور اس کے ساتھ مجبوری کو بھی شامل کر لیا جائے کہ ہجوم کی وجہ سے سترے کا انتظام وہاں مشکل ہے تو اس سے اور تقویت ہو جاتی ہے۔ پس اس حدیث کی بنا پر بیت اللہ شریف سترے کے حکم سے مستثنیٰ ہوگا۔ تنظیم اہلحدیث جلد ۱۸ ش ۲۹

سوال: سترہ کتنا ہونا چاہیئے (۲) کتنی دور سے گزرنے سے نماز میں خلل نہیں پڑتا (۳) اگر سترہ کے لئے کوئی چیز پاس نہ ہو تو کیا کرے؟

الجواب بعون الوھاب: سترہ وہ شئے ہے جو نمازی، نماز کے وقت اپنے آگے کھڑی کرتا ہے تاکہ کسی کے آگے سے گذرنے سے نماز میں خلل واقع نہ ہو، اس کا اندازہ کم از کم ایک ہاتھ قدر ہے خواہ سوٹی ہو یا اور شے.... کوئی شے نہ ملے، تو ایک ضعیف حدیث میں ہے کہ "خط ہی کھینچ لے" نمازی کو چاہیئے کہ وہ سترہ کے قریب کھڑا ہو، نیز سترہ عین ناک کی سیدھ پر نہ ہو، بلکہ ذرا سا کنارے آنکھوں کی سیدھ پر ہونا چاہیئے۔

نماز خواہ مسجد میں پڑھے یا جنگل میں.... کوئی چیز سامنے ضرور کر لے۔ مسجد میں ستون وغیرہ کے سامنے کھڑا ہو جائے، جو شخص سترہ کے اندر سے گزرنا چاہے تو اُسے ہاتھ سے ہٹائے۔ اگر نہ ہٹے تو دھکا دیکر

ہٹائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ "نمازی کے آگے سے گذرنے والا اگر جانتا کہ آگے سے گزرنے کا کتنا گناہ ہے تو چالیس سال ایک جگہ کھڑا رہنا پسند کرتا مگر آگے سے نہ گذرتا۔" اور ایک روایت میں سو سال بھی ہے۔ ۲۔ اگر پتھر پھینکنے[1] قدرے دور سے گذر جائے تو کوئی حرج نہیں۔

حضرت العلام حافظ صاحب روپڑی رحمۃ اللہ علیہ تنظیم اہلحدیث جلد ۱۸ ش ۱۲

سوال : مغرب کی جماعت ہو رہی تھی، ایک کتا باہر سے آکر مسجد میں داخل ہو گیا، ہر چند روکا، مگر نہ رکا۔ آخر کار جماعت کے آگے سے گذر گیا۔ پھر دوبارہ اسی طرف لوٹ آیا لیکن امام کے آگے سے نہیں گذرا اور کتے کا رنگ سرخ تھا۔ کیا نمازیوں کی نیت ٹوٹ گئی یا نہ؟

الجواب بعون الوھاب : نماز نہیں ٹوٹی، البتہ سیاہ کتے، عورت اور گدھے کے گذرنے سے حدیث میں آیا ہے کہ نماز ٹوٹ جاتی ہے۔ مگر اکثر علماء کے نزدیک اس سے مراد بھی بالکل ٹوٹنا نہیں بلکہ مراد اس سے یہ ہے کہ خشوع ٹوٹ جاتا ہے۔ کیونکہ ایک اور حدیث میں آیا ہے۔ کہ نماز کو کوئی شئے نہیں توڑتی۔ (مشکوٰۃ باب السترہ)

حضرت العلام حافظ صاحب رح تنظیم اہلحدیث جلد ۱۸ ش ۱۹

مسئلہ : امام و منفرد جب صحرا میں یا کسی ایسی جگہ نماز پڑھیں جہاں سے لوگوں کے گذرنے کا اندیشہ ہو تو مستحب ہے کہ سترہ گاڑیں اور سترہ نزدیک ہونا چاہیئے۔ سترہ بالکل ناک کی سیدھ پر نہ ہو بلکہ دائیں یا بائیں بھوں کی سیدھ میں ہونا افضل ہے۔ اگر سترہ کے لئے کوئی چیز نہیں ہے اور اس کے پاس کتاب یا کپڑا موجود ہے تو اسی کو سامنے رکھ لے۔

مسئلہ : امام کا سترہ مقتدی کے لئے سترہ ہے اس کو جدید سترہ کی حاجت نہیں۔ (رد المحتار)

مسئلہ : اگر سترہ کے لئے کوئی چیز نہیں ہے۔ تو خط کھینچ دے خواہ طول میں ہو یا محراب کی مثل۔ مسجد الحرام شریف میں نماز پڑھتا ہو تو اس کے آگے طواف کرتے ہوئے لوگ گزر سکتے ہیں۔

(بہار شریعت حصہ چہارم)

---

[1] اس پھینکنے سے بعض دو انگلیوں کے درمیان پھینکنا مراد بتلاتے ہیں۔ ۱۲

باب الصف

سوال: پہلی صف میں بڑوں کے ساتھ بچے بھی کھڑے ہوں تو بعد میں بڑا آدمی آنے والا کسی بچے کو پیچھے ہٹا کر خود اس کی جگہ پر کھڑا ہو سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: پہلی صف میں اگر جگہ ہو، تو بچے کھڑے ہو سکتے ہیں۔ بلکہ بچہ اگر زیادہ پڑھا ہوا ہو اور باقی لوگ پڑھے ہوئے نہ ہوں، تو بچہ امامت بھی کرا سکتا ہے۔ (مشکوٰۃ) مشکوٰۃ شریف میں یہ بھی حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے قریب بالغ اور عقلمند یعنی اہل علم کھڑے ہوں۔ ایک صحابی نے اس حدیث کی بنا پر ایک بچے کو پیچھے کر دیا۔ (مشکوٰۃ) (از حضرت العلام حافظ صاحب محدث روپڑی)

تنظیم اہلحدیث جلد ۱۶ ش ۴۵ ۷۱

سوال: جماعت کی پہلی صف پوری ہونے کے بعد ایک شخص آیا اور اس نے پہلی صف سے ایک آدمی کو پیچھے ہٹا لیا، اور دو چار مزید آدمی دوسری صف میں آ کر کھڑے ہو گئے۔ اب سوال یہ ہے کہ آیا پہلی صف والا آدمی اپنی اصلی جگہ پر جا سکتا ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

جواب: جب پہلی صف سے کسی شخص کو پیچھے ہٹایا جائے تو ان لوگوں کو آپس میں مل جانا چاہیئے اور وہ جگہ خالی نہیں رہنے دینی چاہیئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم یہی ہے، جب وہ جگہ پُر ہو جائے گی، تو اس آدمی کو اپنی اصل جگہ کی طرف لوٹنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوگا۔

(مولانا) عبدالمجید سوہدروی — اہلحدیث سوہدرہ جلد ۲ ش ۱۶

سوال: اکیلا شخص صف کے پیچھے نماز نہ پڑھے بلکہ صف میں کسی کو کھینچ کر اپنے ساتھ ملا لے اس مسئلہ کے متعلق حدیث کا کیا حکم ہے کہ اگر کوئی شخص بغرض جماعت مسجد میں آئے اور پہلی صف مکمل ہو چکی ہو تو وہ کیا کرے؟ اکیلا کھڑا ہو جائے یا پہلی صف میں سے کسی کو کھینچ کر اپنے ساتھ ملا لے؟ ان دونوں امور میں سے کون سا فعل افضل ہے؟ اگر اکیلا کھڑا ہو جائے ....

تو کیا نماز درست ہو جائے گی؟ نیز اگر کسی کو کھینچے تو درمیان میں سے کھینچے یا ایک طرف سے؟ مدلل بیان فرمائیں؟ قدرت اللہ فوق متعلم جامعہ محمدیہ اوکاڑہ

جواب : بعد حمد و صلوٰۃ صورت مسئولہ میں واضح ولائح ہو کہ اگر کوئی شخص مصلی بعد اتمام صف صلوٰۃ مسجد میں آیا اور صف میں اس نے کوئی جگہ نہیں پائی تو وہ اکیلا صف کے پیچھے نماز نہ پڑھے بلکہ کسی شخص کو اطراف صف سے کھینچ کر اپنے ساتھ ملا لے۔

بہ حدیث علی بن شیبان رضی اللہ عنہ مرفوعاً ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رائی رجلا یصلی خلف الصف فوقف حتی انصرف الرجل فقال لہ استقبل صلوٰتک فلا صلوٰۃ لمنفرد خلف الصف اسنادہ حسن (کذا فی تحفۃ الاحوذی ص ۱۹۴ ج ۱) یعنی آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرد کو دیکھا کہ وہ اکیلا صف کے پیچھے نماز پڑھ رہا ہے پس ٹھہرے آپ یہاں تک کہ اس شخص نے اپنی نماز پڑھ لی۔ پس فرمایا آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تو اپنی نماز نئے سرے پڑھ کیوں کہ منفرد کی نماز صف کے پیچھے نہیں ہوتی۔

اس حدیث کی اسناد حسن ہے اور اس حدیث کی تائید حدیث طلق سے بھی ہوتی ہے جس کو مرفوعاً ابن حبان رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے۔ جس کے الفاظ یہ ہیں۔ لاصلوٰۃ لمنفرد خلف الصف (کذا فی النیل)

اب رہا یہ سوال کہ اب وہ اس وعید سے بچنے کے لیے کیا کرے؟ سو دیگر روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اطراف صف میں سے کسی شخص کو کھینچ کر اپنے ساتھ ملا لے۔ چنانچہ مراسیل ابوداؤد میں ایک مرفوع حدیث ہے جس کے الفاظ یہ ہیں: ان جاء رجل فلم یجد احدا فلیختلج الیہ رجلا من الصف فلیقم معہ فما اعظم اجر المختلج الحدیث ایسے ایک روایت بیہقی و طبرانی اوسط میں مرفوع آئی ہے: انہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لرجل صلی خلف الصف ایھا المصلی ھلا دخلت فی الصف او جررت رجلا من الصف اعد صلاتک الحدیث و لکن فیہ سر او ضعیف کذا فی تحفۃ الاحوذی ص ۱۹۵ ج ۱

اس حدیث کا خلاصہ ترجمہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص بعد اتمام صف کے آئے تو وہ صف میں سے کسی شخص کو کھینچ کر اپنے ساتھ ملا لے کیوں کہ منفرد شخص کی نماز نہیں ہوتی۔

باقی رہا یہ امر کہ اگر کسی شخص کو صف سے کھینچا جائے گا تو قطع صف لازم آئے گا اور یہ منع ہے سو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ صورت اس سے خاص ہے ما من عام الا خص منہ البعض مشہور قاعدہ

پھر مقتدی اپنی صف کو ملالیں ایسی حرکت نماز میں درست ہے، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز میں حضرت ابن عباس رضؓ کو اپنی بائیں جانب سے پکڑ کر اپنی داہنی جانب کر لیا اور نماز خوف میں بھی ضرورت کی بنا پر صفیں متاخر متقدم ہوتی ہیں، یہ صورتیں قطع صف سے مستثنیٰ ہیں۔ نیز ایک صحابی ابی بن کعب رضؓ نے ایک رجل غیر ذوی الاحلام کو صف سے کھینچ کر پیچھے کر دیا اور آپ اس کی جگہ کھڑا ہو گیا۔ (نسائی جلد ۱ ص ۱۳۰)

اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ کسی ضرورت سے صف میں سے کسی شخص کو کھینچ لینا درست ہے، قطع صف ضرورت کی بنا پر جائز ہے۔ پس اگر کسی مسلمان کی نماز کسی کو کھینچ کر درست ہو جائے ایسی قطع صف سے جس کا پھر وصل ہو سکتا ہے۔ بطور خیر خواہی مومن کے درست اور جائز ہے۔ ہذا ما عندی من الجواب واللہ اعلم بالصواب

(حضرت مولانا) عبدالجبار کھنڈیلوی　　الاعتصام لاہور جلد ۷
۱۹۵۶ء بمطابق ۱۳۷۵ھ

سوال ، حدیث شریف میں جو وارد ہے کہ مقتدی صف میں تنہا نہ کھڑا ہو بلکہ اگلی صف سے کسی کو کھینچ کر اپنے ساتھ ملا وے اس سے کیا مراد ہے آیا صف کے درمیان سے کھینچے یا کنارہ صف سے اور اگر کنارہ صف سے تو اسکو وسط میں صف کے لاوے یا وہیں کنارہ پر کھڑا ہو؟

الجواب ، ایسی حالت میں مقتدی کو چاہیئے کہ صف کے کنارہ سے کسی کو کھینچ کر اپنے ساتھ شامل کرے کیونکہ اگر درمیان صف سے کھینچے گا تو صف میں خلل اور فصل واقع ہو گا۔ سنن ابوداؤد میں ابن عمر رضؓ سے مروی ہے :-
ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال اقیموا الصفوف وحاذوا بین المناکب وسدوا الخلل ولا تذروا فرجات للشیطان ومن وصل صفا وصله الله ومن قطع صفا قطعه الله۔

یعنی فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صفوف کو درست کرو اور مونڈھو کو برابر رکھو اور درمیان میں جو فاصلہ ہو اس کو بند کرو اور شیطان کے لیے کوئی گنجائش باقی نہ چھوڑو جس نے صف کو ملایا اللہ اس کو ملا دے گا اور جس نے صف کو قطع کیا اللہ اس کو قطع کرے گا۔ یہ حکم یعنی صف کے پیچھے تنہا نہ کھڑا ہونا بلکہ دوسرے کو شامل کرنا خاص مرد کے لیے ہے۔ اگر عورت ہے تو اس کو تنہا کھڑا ہونا حدیث سے ثابت ہے۔ صحیح بخاری میں انس ابن مالک رضؓ سے مروی ہے قال صلیت انا ویتیم فی بیتنا خلف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وامی خلفنا ام سلیم یعنی میں نے ایک یتیم کے ساتھ اپنے مکان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز ادا کی میری والدہ ام سلیم پیچھے کھڑی تھیں۔ فتح الباری میں تحت اس حدیث کے مرقوم ہے۔ الاقرب ان البخاری

قصد ان یبین ان ھذا مستثنیٰ من عموم الحدیث فیہ لا صلوٰۃ لمنفرد خلف الصف یعنی انہ مختص بالرجال واستدل بہ ابن بطال علی صحۃ صلوٰۃ المنفرد خلف الصف خلافاً لاحمد لانہ لما ثبت للمرئۃ کان للرجال اولیٰ ولکن لمخالفہ ان یقول انما ساغ ذلک لامتناع ان تصف مع الرجال بخلاف الرجل فانہ لہ ان یصف معھم وان یزاحمھم وان یجذب رجلاً من حاشیۃ الصف فیقوم معہ فافترقا انتہیٰ صفحہ ۴۵۱ پارہ سوم یعنی بخاری کا مقصود اس امر کا بیان کرنا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ صف کے پیچھے تنہا شخص کی نماز نہیں اس حکم سے عورت مستثنیٰ ہے، یہ حکم خاص مردوں کے لیے ہے ابن بطلال نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے اس امر پر کہ صف کے عقب اکیلے آدمی کی نماز جائز ہے خواہ مرد ہو یا عورت کیوں کہ جب عورت کے لیے یہ حکم ثابت ہوا تو مرد کے لیے بطریق اولیٰ ثابت ہوگا۔ لیکن مخالف یہاں پر کہہ سکتا ہے کہ عورت کے لیے تنہا کھڑا ہونا اس لیے جائز ہوا کہ اُس کو مردوں کے ہمراہ صف میں شامل ہونا جائز نہیں اور مرد کو درمیان میں داخل ہونے اور صف کے کنارے سے کسی کو کھینچنے کی گنجائش ہے پس دونوں میں فرق ہوگیا۔ چونکہ جماعت کی ابتدا صف کے وسط اور درمیان سے قائم ہوتی ہے۔ اس لیے صف کے درمیان لاکر کھڑا ہونا چاہیئے۔

(مولانا، عبدالجبار عمر پوری) (ارشاد السائلین الی المسائل الثلاثین ص۶۱)

سوال: نماز با جماعت میں کم عمر بچوں کو نیت بندھی حالت میں صف میں سے پیچھے کھڑا کر دیا جاتا ہے۔ آیا یہ عمل درست ہے یا نہیں؟

جواب: صف مقدم میں جب بڑے آدمی کے کھڑے ہونے کی جگہ نہ ہو تو بچہ کو پیچھے ہٹا کر صف مؤخر میں کھڑا کر دینا اور آپ صف مقدم میں کھڑا ہو جانا جائز و درست ہے جس پر حدیث قیس بن عباد کی صریح دال ہے جو کہ سُنن نسائی[1] کی جلد اول ص۱۸۲ میں موجود ہے۔ ہاں اگر پہلی صف میں جگہ باقی ہو تو بچوں کو پیچھے کھڑا کرنا درست نہیں لقولہ علیہ الصلوٰۃ والسلام اَتِمُّوا الصُّفُوْفَ الْاَوَّلَ اَوْ کَمَا قَالَ ملاحظہ ہو کتب حدیث۔

(مفتی) ابو محمد عبدالستار غفر لہ ولوالدیہ الغفار آمین

فتاوٰے ستاریہ جلد اول ص۱۱۸

---

[1] یہ تالیف ابو عبدالرحمن احمد بن شعیب بن علی بن بحر بن سنان بن دینار نسائی کی ہے۔ متوفی ۱۳ ار صفر ۳۰۳ھ (سعیدی)

سوال قیام نماز میں مقتدیوں کو پیر کے انگوٹھے سے انگوٹھا ملانا اور ایک شانے سے دوسرا شانہ ملانا چاہیئے لیکن رکوع سجود کے وقت پیر اپنی جگہ سے فرق ہو جاتا ہے تو دوسری رکعت کے قیام کے وقت پیر کو سرکا کر ملا لینا کیسا ہے؟ یہ فعل کبیرہ میں داخل ہے کہ نہیں اور اس فعل سے نماز میں ہرج ہونا واقع ہوتا ہے کہ نہیں یا خواہ مخواہ ملانا کوئی ضروری امر ہے۔ لوگوں کو بار بار پیر کا سرکانا، ناگوار معلوم ہوتا ہے۔

جواب : اس کے متعلق حدیث کے الفاظ یہ ہیں کان احدنا یلزق منکبہ بمنکبہ صاحبہ وقدمہ بقدمہ (صحیح بخاری ص۱۰۰) یعنی صحابی کہتا ہے۔ ہم اپنا کندھا اپنے ساتھی کے کندھے سے اور اپنا پیر اپنے ساتھی کے پیر سے ملایا کرتے تھے، یہ طریق سنّت ہے۔

تشریح : ہاں ضروری امر ہے اس لئے کہ فصل میں درمیان میں شیطان آجاتا ہے۔ یہ خواہ مخواہ کے ڈھکوسلے وہی وسوسے لوگوں کے دلوں میں ڈالتا ہے۔ یہ امر ضروری نہیں کیا کرو گے اس سے اس کا کام بنتا ہے اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بحالت جماعت بیچ میں فصل نہ چھوڑو فرمایا:۔ اقیموا صفوفکم وتراصوا الحدیث رواہ البخاری مشکوٰۃ ص۹۸ اس پر صحابہ نے عمل کیا جو مولانا نے نقل کیا ہے اور ہرج کچھ بھی نہیں سمجھ کا پھیر ہے اور حجت بازی ورنہ اکیلا نمازی بھی تو بعد سجدہ پاؤں کو باقاعدہ کرتا ہے ویسے ہی جماعت میں کر سکتا ہے اور اگر پہلے ہی سے برقرار رکھے تو بھی رکھ سکتا ہے۔ یہ اور بھی اچھا ہے

واللہ یھدی من یشاء الی صراط مستقیم ابو سعید شرف الدین دہلوی

نماز میں پیروں کا ملانا : پرچہ اہلحدیث نمبر ۳۴ مجریہ ۲۱ رجون ۱۹۳۶ء سے الرزاق القدمین کا مضمون مولوی محمد سراج الحق کی جانب سے تخمیناً تین پرچوں میں شائع ہوا۔ متبع سنّت کے لئے تو اس پر کسی کے اقوال کی ضرورت نہیں مگر ہمارے محترم فریق مقابل امام رازی و ابن تیمیہ و ابن القیم اگر آیات قرآنیہ و احادیث اصح الکتاب بھی پیش کی جاویں التفات نہ کریں گے، حتیٰ کہ ان کے معتقد و مستند کو نہ پہنچے۔ اور یہ امر بدیہی ہے آدمیوں کا صفوں میں ایک دوسرے سے مل کر کھڑا ہونا یہ ایک ایسا مسئلہ ہے کہ میرے علم میں کسی ایک آدھ حنفی متقدم سے بھی اس کا خلاف ثابت نہیں سب کے سب اس امر میں متفق ہیں یہ کتب متداولہ فقہ و شروحات فقہ شب و روز مزاولت کی جاتی ہے کسی ایک میں اس کے برعکس دکھانے کی جراُت کسی کو ہے۔ یہ مرض ایسا مرگ عام کی طرح پھیلا ہوا ہے کہ جس میں جاہل تو ایک طرف رہے علماء بھی مبتلا ہیں۔ جیسے انسان اچھوتوں سے اپنے جسم کو محفوظ رکھتا ہے اور علیحدہ سرک جاتا ہے جہاں کسی انسان نے پیر لگایا جھٹ اچھل ہاتھ بھر

دور جا پہنچے، حضرت انس بن مالکؓ خادم نبوی فرماتے ہیں ہم صحابہ آپس میں ایک دوسرے کے شانہ اور قدم سے اپنے شانہ اور قدم کو ملا ملا کر کھڑے ہوتے تھے آپ کے زمانہ میں جیسا کہ بخاری باب الزاق المنکب میں ہے۔ مستخرج اسمٰعیلی میں اس حدیث میں اتنے الفاظ اور وارد ہیں تتمہ کے طور سے چنانچہ فتح الباری ص۲۲۱ جلد ۲ میں ہے: لو فعلت ذلك باحد هم اليوم لنفركانه بغل شموس. اگر میں آج یہ فعل کرتا ہوں ان کے ہمراہ تو اس طرح بھاگتے ہیں جیسے سرکش خچر۔ لہٰذا اپنے گریبان میں ہر کس مونہہ ڈال کر غور کر کے بتا سکتا ہے کہ یہ فعل کس درجہ مذموم ہوگا، حالاں کہ امام محمد کتاب الآثار ص۲۰ باب اقامۃ الصفوف میں لکھتے ہیں۔ عن ابراهيم انه كان يقول سووا صفوفكم وسووا مناكبكم وتراصوا وليتخللنكم الشيطن الخ قال محمد وبه ناخذ لا ينبغي ان يترك الصف وفيه الخلل حتى يسووا وهو قول ابي حنيفة ابراہیم نخعی فرماتے ہیں صفیں اور شانہ برابر کرو اور گچ کرو ایسا نہ ہو کہ شیطان بکری کے بچہ کی طرح تمہارے درمیان داخل ہو جائے امام محمد کہتے ہیں ہم بھی اس کو لیتے ہیں صف میں خلل چھوڑ دینا لائق نہیں حتی کہ ان کو درست نہ کر لیا جائے اور یہی ابو حنیفہؒ کا مذہب ہے۔

فتاوی غرائب باب ۲۶ فی فصل الصفوف عن الفتاوی سمرقندی ينبغي ان يتراصوا في الصفوف لقوله عليه السلام تراصوا في الصفوف لئلا يتخلل الشيطان.

شمنی کراس نے شرح نقایہ میں نیز بحر الرائق ورق ص۲۶۲ عالمگیریہ مطبوعہ کلکتہ ص۲۱۲ در مختار مع الشامی ص۵۹۳ ہے۔ ينبغي للماموين ان يتراصوا وان يسدوا الخلل في الصفوف وان يسووا مناكبهم وينبغي للامام ان يامرهم بذلك وان يقف وسطهم وفي الفتاوى التاتارخانيه واذا قاموا في الصفوف تراصوا وسووا بين مناكبهم۔ یعنی مقتدیوں کو چاہیئے کہ خوب گچ کریں اور خلل کو صفوف میں بند کر دیں اور شانوں کو ہموار رکھیں بلکہ امام کو لائق ہے کہ انہیں اس امر کا حکم کرے پھر بیچ میں کھڑا ہو، فتاوےٰ تاتارخانیہ میں کہ جب صفوں میں کھڑے ہوں تو گچ کریں اور کندھے ہموار کر لیں شامی ص۵۹۵ جلد ۱ میں ہے کہ اگر آدمی دوسری صف میں ہے اور پہلی میں ایک آدمی کی جگہ ہے تو چل کر پہلی میں اس خالی جگہ کو پُر کر دے نماز میں کچھ خرابی نہ آئے گی۔ لانه مامور بالمراصة قال عليه السلام تراصوا الصفوف ذكره الذخيرة شامی خلل کا ترجمہ فرماتے ہیں۔ هو الفراج بين الشيئين، یعنی دو چیزوں میں جو فاصلہ اور تنگاف ہو اسے کہتے ہیں منتہی الارب میں ہے: خلل محرکہ کشادگی میان دو چیز اور ص۶۷ جلد ۱ میں ہے: رص الشئ بالشئ برهم جفسانید یکے را با دیگرے واستوار کردن اور

تراصص میں لکھتے ہیں ۔ بربکدیگر چسپیدن مروم ورصف یقال تراصوا فی الصف اذا تلاصقوا وانفحوا :۔
فتح القدیر ۔ شرح ہدایہ مطبوعہ نولکشور صفہ۱۵ جلد ا میں ہے وانسق ابذ ۃ من سنن الصف تکمیلا من سنة التراص فیه والمغاربة بین الصف والا ستھزاء فیه ۔

(۲) اس جگہ ہم قدرے رشحاتِ صف کے آداب میں احادیث نبویہ سے تحریر میں لاتے ہیں ۔ جس سے مسنونیت گچ اور صفوں کے نزدیک اور برابر کرنے کی بھی تکمیل ہو جاوے ۔ فاضل شارح تین امر میں قلم فرسائی کا ارادہ کرتے ہوئے ہر سہ اوعاؤں کو مدلل با احادیث نبویہ فرماتے ہوئے لکھتے ہیں :۔
نفی صحیح ابن خزیمة عن البراء کان علیه السلام یاتی ناحیة الصف فسوی بین صدور القوم ومناکبهم ویقول لا تختلفوا فتختلف قلوبکم ان الله وملئکته یصلون علی الصف الاول
براء بن عازب سے صحیح ابن خزیمہ میں ہے آپ صف کے کناروں سے آتے اور لوگوں کے سینہ اور کندھوں کو ہموار کرتے اور فرماتے کہ آگے پیچھے نہ ہو ایسا نہ ہو کہ اللہ میاں تمہارے دلوں میں اختلاف نہ ڈال دیوے یہ شق ثالث کی دلیل بیان کی ہے ۔

وروی الطبرانی من حدیث علی علیه الصلوٰۃ والسلام قال الا تصفون کما تصف الملائکة عند ربها قال اتموا الصفوف الاول وترصون فی الصف وفی روایة للبخاری فکان احدنا یلزق منکبه بمنکب صاحبه وقدمه بقدمه طبرانی میں علی کرم اللہ وجہہ سے مروی ہے ۔
مرفوعاً آپ نے فرمایا تم ملائکہ جیسی صف کیوں نہیں بناتے جس طرح وہ اپنے پروردگار کے حضور میں بناتے ہیں صحابہ نے دریافت کیا وہ کس طرح تو فرمایا وہ اول صف کو پورا کرتے ہیں اور صف میں گچ کرتے ہیں ۔ اس گچ کی توضیح کے لئے فاضل شرح بخاری کی روایت بیان کرتے ہیں کہ بخاری میں ہے کہ ایک ہمارا کندھے کو اپنے ساتھی کے کندھے اور پیر کو اس کے پیر سے ساتھ ملاتا تھا ۔ یہ نمبر اول و ثانی کی دلیل ہے ۔
اور فرمایا : وروی ابو داؤد والامام احمد عن ابن عمر انه علیه السلام الصلوٰۃ قال اقیموا صفوفکم وحاذوا بین المناکب وسدوا الخلل ولینوا بایدی اخوانکم لا تذروا فرجات الشیطان من وصل صفا وصله الله ومن قطع صفا قطعه الله وروی البزار باسناد حسن عنه علیه الصلوٰۃ والسلام من سد فرجة فی الصف غفر الله له وفی ابی داؤد عنه علیه الصلوٰۃ والسلام قال خیارکم الینکم مناکب فی الصلوٰۃ ۔

ابوداؤد و امام احمد میں ابن عمر سے مرفوعاً ہے آپ نے فرمایا صفیں قائم کرو اور کندھوں کو برابر کرو اور جو سوراخ دو کے درمیان ہوا سے بند کر دو اور اپنے بھائیوں کے ساتھ نرمی اختیار کرو اور شیطان کے لئے سوراخ کی جگہ نہ چھوڑو، جس نے صف کو ملایا خدا اس کو بھی ملا دے گا اور جو صف کو قطع کرے گا خدا اس کو بھی قطع کرے گا۔ بزار میں سند حسن سے ہے کہ جس نے صف کے دراڑ کو بند کیا خدا اس کو بخشے۔ ابوداؤد میں ہے تم میں بہتر وہی ہے کہ نماز میں کندھوں کو آپس میں ملائے رکھے۔ منتہی الارب میں ہے۔

فرجۃ بالضم رخنہ وشگاف من فرجۃ الحائط۔ یہ تینوں کی تائید میں بیان کی۔ للہ درہ مولانا مولوی اشرف علی تھانوی (دیوبندی) بہشتی گوہر تتمہ حصہ دوم کے ص۹۵ میں تحریر فرماتے ہیں:۔

"صف میں ایک دوسرے سے مل کر کھڑا ہونا چاہئے درمیان میں خالی جگہ نہ رہنا چاہیئے"۔

مولانا شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ شرح مشکوٰۃ فارسی باب تسویۃ الصف میں فرماتے ہیں "مراد بتسویہ صف آنست کہ متصل بایستند و درمیان فرجہ نگذارند و پس و پیش نہ ایستند و ہموار بایستند"۔

میرے علم میں تو کسی ایک آدھ حنفی المذہب کے متقدمین سے اس کے خلاف ثابت نہیں، بڑے بڑے محقق فقیہہ و ارباب الترجیح نے اس امر کو بالکل واضح کر دیا نہ معلوم کہ عمل میں کیوں قاصر اہل مذہب پائے جاتے ہیں۔ کیا مولانا اشرف علی (دیوبندی) کا فرمان واضح نہیں کہ مل کر کھڑا ہونا چاہئے درمیان میں جگہ نہ رہنا چاہیئے۔ اس سے بھی واضح لفظوں کی ضرورت ہو سکتی ہے۔ اگر ہمارے علماء احناف ان نصوص فقیہہ پر بذات خود عمل کر کے ان عوام کو دکھا دیں تو امید ہے۔ کہ یہ نفرت ان کے دلوں سے بالکلیہ طور پر زائل ہو جاوے اس وقت تو کیا علماء کیا جہلاء مسجدوں میں نماز کے وقت جا کر دیکھئے کہ صف کی کیسی مٹی پلید کی جاتی ہے۔ کسی نے سچ کہا ہے ؎

"مسلمانی در گور یا در کتاب"

کیا کوئی فرد یہ کہہ سکتا ہے کہ اس مسئلہ میں ان بے چارے فقہا کا کچھ قصور ہے حاشا و کلا بلکہ یہ خلف نااہل کے کرشمہ کا منظر ہے جو نمازوں کو برباد کراتے ہیں اور اپنی بھی کرتے ہیں۔ "اقامۃ الصفوف" کو تمام صلوٰۃ فرمایا ہے۔ رصّوا بصیغہ امر ارشاد ہے۔ اس کی بڑی شدومد سے وعید شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام سے وارد ہے ہر فرد مدعی علم متبع امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے ملتمس ہوں کہ آپ حضرات بیک زبان ہو کر یہ فرمائیں کہ یہ ہماری کتابوں میں غلط لکھ دیا گیا ہے اور صحیح وہی ہے کہ جس پر ہمارا عمل درآمد ہے اور اس کی صحت پر فلاں فلاں کتاب کی فلاں فلاں عبارت فلاں فلاں فقیہہ و امام کی نص موجود ہے۔ عدم ترصیص میں واللہ خود بھی عامل ہوں اور لوگوں کو بھی عمل

کی تعلیم دیں بیچارے جاہل تو اچھوت سے زیادہ علیحدہ کھڑے ہونے کو پسند کرتے اور مل کر کھڑے ہونے سے نفرت بلکہ لڑنے مرنے پر مستعد ہو جاتے ہیں۔

خاص بمبئی میں ایک مولوی صاحب کو صرف اِسی جرم پر کہ انہوں نے مل کر کھڑے ہونے کو فرمایا تھا۔ ضرب شدید سے بعد نماز مرمت کی کہ انہیں چار و ناچار ارادہ حج فسق کر کے وطن سدھارنا پڑا اور وہیں اس صدمے سے دار البقا کا سفر کرنا پڑا۔ مولانا بھی حنفی ہی مذہب کے آدمی تھے دوست تک دشمن ہو گئے۔ یہ فرمائیے خون کا ذمہ دار کون؟ یہی حضرات علماء۔ واللہ علیٰ مانقول وکیل ہو حسبی ونعم الوکیل۔ وانا الراجی رحمۃ ربہ۔

ابو عبد الکبیر محمد عبد الجلیل السامروری (فتاوےٰ ثنائیہ جلد اوّل ۴۶۹)

مسئلہ: حنفی بریلوی مسلک کی مشہور کتاب "بہار شریعت" حصہ سوم میں بھی تسویۃ الصفوف کی سنت تاکید کی گئی ہے فرماتے ہیں: امام احمد و ابوداؤد و نسائی و ابن خزیمہ و حاکم ابن عمرؓ سے راوی حضور علیہ السلام فرماتے ہیں جو صف کو ملائے گا اللہ تعالیٰ اسے ملائے گا۔ اور جو صف کو قطع کرے گا اللہ تعالیٰ اُسے قطع کرے گا" مسلم و ابوداؤد و نسائی و ابن ماجہ جابر بن سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی کہ حضور فرماتے ہیں کیوں نہیں اس طرح صف باندھتے ہو جیسے ملائکہ اپنے رب کے حضور صف باندھتے ہیں عرض کی یا رسول اللہ کس طرح ملائکہ اپنے رب کے حضور صف باندھتے ہیں۔ فرمایا اگلی صفیں پوری کرتے ہیں اور مل کر کھڑے ہوتے ہیں۔ ابن ماجہ ام المؤمنین صدیقہؓ سے راوی کہ حضور فرماتے ہیں جو کشادگی کو بند کرے گا اللہ اس کا درجہ بلند فرمائے گا۔ اور طبرانی کی روایت میں اتنا اور بھی ہے۔ کہ اس کے لیے جنت میں اللہ تعالیٰ اس کے بدلے ایک گھر بنائے گا۔ سنن ابوداؤد و نسائی و صحیح ابن خزیمہ میں براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم صف کے ایک کنارے سے دوسرے کنارے تک جاتے اور ہمارے مونڈھے یا سینے پر ہاتھ پھیرتے اور فرماتے مختلف کھڑے نہ ہو کہ تمہارے دل مختلف ہو جائیں گے۔ طبرانی ابن عمر سے اور ابوداؤد براء بن عازبؓ سے راوی کہ فرماتے ہیں کہ اس قدم سے بڑھ کر کسی قدم کا ثواب نہیں جو اس لئے چلا کہ صف میں کشادگی کو بند کرے۔ اور بزار باسناد حسن ابو جحیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی کہ جو صف کی کشادگی کو بند کرے گا اس کی مغفرت ہو جائے گی۔ (بہار شریعت[۱] حصہ سوم ص ۱۲۷، ۱۲۸)

[۱] یہ کتاب مولانا احمد رضا خاں صاحبؒ مرحوم کی مصدقہ ہے۔ (سعیدی)

بَابُ النیّۃ فِی الصَّلوٰۃ

سوال ۱: نماز شروع کرتے وقت یعنی تکبیر تحریمہ سے پہلے زبان سے نیت کرنا جیساکہ عام رواج ہے کہ نیت کی ہے میں نے چار رکعت فرض ظہر نماز کی پیچھے اس امام کے۔ یہ مسنون ہے یا بدعت؟

۲: میں نے مولانا ...... کو تکبیر تحریمہ سے پہلے بجائے مروجہ نیت کے یہ دُعا بالجہر پڑھتے سُنا " انی وجهت وجهی للذی فطر السموات والارض حنیفا وما انا من المشرکین ان صلوٰتی ونسکی ومحیای ومماتی للہ رب العلمین لاشریك له وبذلك امرت وانا من المسلمین " اس روز سے میں یہ دُعا تکبیر تحریمہ سے پہلے پڑھتا ہوں، مگر بعض علماء سے سُنا ہے کہ تکبیر تحریمہ سے پہلے یہ دُعا ثابت نہیں، اس بارہ میں رہنمائی فرمائیں؟

جواب: "نیت" کا لفظ قابلِ غور ہے۔ نیت کا معنی ہے مقصد اور ارادہ۔ اور تمام اہل علم اور اربابِ دانش و بینش کا اتفاق ہے کہ قصد اور ارادہ دل کا فعل ہے نہ کہ زبان کا۔ اس لیے اگر دل سے نمازی نے نماز کی نیت کرلی تو آئمہ اربعہ بلکہ تمام آئمہ دین کے نزدیک اس کی نیت صحیح ہوگی، نماز کے لئے زبان سے نیت کا اظہار نہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے نہ خلفاء راشدین اور دوسرے اصحاب کرام سے اور نہ آئمہ دین سے، بلکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کی کیفیت صحابہ کرام نے بڑی تفصیل سے بیان کی ہے۔ اور صحابہ کرام کی نماز بھی تابعین نے بیان کی ہے۔ اہل علم سے یہ مخفی نہیں کہ کسی سے یہ ثابت نہیں کہ نیت کا تلفظ ادا کرتے تھے بلکہ صحیح احادیث سے ثابت ہے کہ "نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اعرابی کو جس نے نماز جلدی جلدی پڑھی، نماز کا طریقہ سکھلاتے ہوئے فرمایا: اذا قمت الی الصلوٰۃ فکبر ثم اقراء ما تیسر منك من القران یعنی جب نماز کے لئے کھڑے ہو تو تکبیر کہو اس کے بعد جو قرآن یاد ہو اور آسانی سے پڑھ سکتے ہو، وہ پڑھو۔ (الی آخرہ)" اور تمام حدیث کی کتابوں میں یہ حدیث موجود ہے۔ تحریمها التکبیر وتحلیلها التسلیم یعنی نماز میں داخل ہوجاتا ہے نمازی تکبیر تحریمہ کے کہنے سے اور نماز سے باہر ہوجاتا ہے السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہنے سے۔

(۳) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے صحیح مسلم میں مروی ہے ۔کان یفتتح الصلوٰۃ بالتکبیر و القراۃ بالحمد للہ رب العالمین یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم "اللہ اکبر" سے نماز شروع کرتے اور نماز میں قرأت الحمد للہ رب العلمین سے شروع کرتے۔" اور کوئی ایسی روایت نبی صلی اللہ علیہ وسلم یا کسی صحابی سے اس مضمون کی ثابت نہیں نہ صحیح نہ ضعیف کہ وہ تکبیر تحریمہ سے پہلے نیت کا تلفظ کرتے تھے نہ سراً نہ جہراً۔ اس لئے شرعاً یہ ثابت نہیں۔ بلکہ علماء نے اسے بدعت قرار دیا ہے اور اس پر شدید انکار کیا ہے۔

عقلاً بھی یہ بے معنی سی بات معلوم ہوتی ہے۔ ذرا غور فرمائیے کہ ایک شخص گھر سے نماز کے ارادہ سے چلا ہے۔ مسجد میں آکر اس نے وضو کیا۔ اب روبقبلہ ہو کر نماز پڑھنے لگا ہے اب اس کا تلفظ سے نیت کرنا ایسا ہی ہے جیسا کہ کوئی کھانا شروع کرنے سے پہلے یہ کہے "میں نیت کرتا ہوں کہ یہ کھانا کھاؤں تاکہ پیٹ بھر جائے اور بھوک جاتی رہے۔ یا کپڑا پہنتے ہوئے یوں کہے میں نیت کرتا ہوں کہ یہ کپڑا پہنوں تاکہ میں اس سے بدن ڈھانکوں یا اس سے سردی سے بچاؤ حاصل کروں یا دھوپ کی تمازت سے بچ جاؤں۔ کیا کوئی عقلمند اس قسم کی نیتوں کو جو دل میں موجود ہیں ان کے تلفظ کو صحیح اور قرینِ دانش سمجھے گا۔

بدعتِ حسنہ : بعض متاخرین فقہاء نے اس کی اجازت دی ہے چونکہ ان کے پاس نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی حدیث یا صحابہ کا عمل بلکہ ائمہ دین میں سے کسی کا فتویٰ بھی ان کے پاس نہ تھا اسلئے اس کو بدعت حسنہ کہہ کر اس کے جواز کا فتوے دیا۔ اس لیے حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک مکتوب درج کرنا اہل انصاف کے لئے موجب بصیرت ہوگا۔ انشاء اللہ تعالٰے، حضرت مجدد صاحبؒ اپنے مکتوب کے دفتر اول حصہ سوم مکتوب ۱۸۶ میں فرماتے ہیں۔ "گفتہ اند کہ بدعت ہر دو نوع است حسنہ و سیئہ، حسنہ آں عمل نیک را گویند کہ بعد از زمان آنحضور وخلفاء راشدین علیہ وعلیہم من الصلوات اتمہا ومن التحیات اکملہا پیدا شدہ باشد ورفع سنت نمیند وسیئہ آنکہ رفع سنت باشد۔ ایں فقیر را ہیچ بدعتے از بدعتہا حسن ونورانیتہ مشاہدہ نمیکند وجز ظلمت وکدورت احساس نمے نماید۔" اس کے بعد فرماتے ہیں کہ علماء اور مشائخ نے بعض بدعات کو بدعت حسنہ قرار دیا ہے لیکن اگر بغور دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ بدعات بھی رافع سنت ہیں اس کے بعد اس دعوے کی تائید میں کچھ مثالیں بیان کی ہیں ایک مثال اسی زیر مسئلہ بحث کی دی ہے۔ فرماتے ہیں :- "وہمچنیں است آنچہ علماء در نیت نماز مستحسن داشتہ اند کہ باوجود ارادہ قلب بزبان نیز باید گفت وحال آنکہ از آں سرور علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والسلام ثابت نشدہ است نہ بروایت صحیح ونہ بروایت ضعیف ونہ از اصحاب کرام وتابعین عظام کہ بزبان نیت کردہ باشند بلکہ چوں اقامت

مے گفتند تکبیر تحریمہ میفرمودند پس نیت بزبان بدعت باشد (صفحہ ۲، ۳۰۷، طبع امرتسر

شیخ عبدالحق محدث دہلوی اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ (فارسی) میں فرماتے ہیں: "اختلاف کردہ اند علماء در نیت نماز، بعد از اتفاق ہمہ بر آں کہ بجہر گفتن آں نامشروع است کہ تلفظ نیت شرط صحت نماز است یا نہ، صحیح آنست کہ شرط نیست ومشروط دانستن آں خطا است" اس کے بعد لکھتے ہیں کہ فقہا نے یہ لکھا ہے کہ اگر زبان سے نیت کا تلفظ کرے تو بہتر ہے تاکہ زبان دل کے موافق ہو جائے لیکن محدثین فرماتے ہیں کہ کسی روایت سے یہ ثابت نہیں، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زبان سے نیت کا تلفظ کیا ہو۔ آخر میں فرماتے ہیں، پس طریقہ سنت واتباع آنست کہ ہم بر نیت بدل اختصار کند، واتباع ہم چنانکہ در فعل واجب است در ترک نیز مے باید، پس آنکہ مواظبت نماید بر فعل آنچہ شارع نکردہ باشد مبتدع بود (ص ۱۹) یعنی طریقہ سنت اور صحیح اتباع سنت کا تقاضا یہی ہے کہ صرف دل سے نیت کرنے پر کفایت کی جائے اور اتباع نبی صلی اللہ علیہ وسلم جس طرح کسی کام کے کرنے میں واجب ہے اسی طرح نہ کرنے میں بھی واجب ہے پس جو شخص ایسا کام ہمیشہ کرتا ہے جو شارع علیہ السلام نے نہیں کیا ہے، وہ بدعتی ہو گا۔

نیت ضروری ہے: اس ساری بحث میں اس سے غافل نہیں ہونا چاہیئے کہ نیت دل سے بھی نہ کی جائے تکبیر تحریمہ سے پہلے حضور قلب سے نیت نماز کی کرنی چاہیئے۔ امام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں: والمعارفۃ المشروعۃ قد تفسر بوقوع التکبیر عقیبۃ النیۃ وھذا ممکن لا صعوبۃ فیہ بل عامۃ الناس ھکذا یصلون بل ھذا لسر ضروری وقد تفسر بحضور جمیع النیۃ مع جمیع اجزاء التکبیر وھذا قال نوع فی امکانہ فمنھم من قال انہ غیر ممکن ولا مقدور للبشر فضلا عن وجوبہ (مختصر الدرر المضیہ من الفتاوی العربیۃ ص ۹)

یعنی تکبیر اور نیۃ ساتھ ساتھ کی جائے کی تشریح بعض نے تو یہ کی ہے کہ پہلے نیت حضور قلب سے کی جائے۔ اس کے بعد اللہ اکبر کہہ کر نماز شروع کر دی جائے۔ فرماتے ہیں یہ تو ممکن ہے اور اس میں کوئی مشکل نہیں بلکہ عام طور پر لوگ اسی طرح نماز پڑھتے ہیں بلکہ یہ ضروری ہے بعض نے اس کی تشریح یوں کی ہے کہ اللہ اکبر کے الفاظ ادا کرتے ہوئے ساتھ ساتھ نیت نماز کی جائے۔ اس تشریح کے متعلق یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ یہ ممکن نہیں اور انسان کی قدرت سے باہر ہے، چہ جائے اسے واجب کہا جائے۔

اس کے بعد فرماتے ہیں کہ نمازی کے لئے ضروری ہے کہ وہ اللہ اکبر کے معانی کا استحضار کرے اس وقت نمازی کا دل اللہ عزوجل کی کبریائی کی طرف مشغول ہونا چاہیے اس کے علاوہ فرماتے ہیں کہ نیت شرط نماز

نماز ہے اور یہ طہارت کی طرح عبادت سے مقدم ہونی چاہئے کہ دل سے نیت ضروری اور شروط نماز سے ہے، پس پوری توجہ اور حضور قلب سے رو بقبلہ ہو کر جو نماز بھی پڑھیں اس کی نیت دل سے کریں۔ اس کے بعد تکبیر تحریمہ کہیں اور ساری نماز اسی طرح حضورِ قلب اور توجہ سے پڑھیں

تکبیرِ تحریمہ سے پہلے مروجہ نیت کے بجائے انی وجہت وجھی للذی فطر السموات والارض ۔ کا پڑھنا صحیح نہیں ہے جن روایات میں اس دعا کے پڑھنے کا ذکر ہے اس میں یہ تصریح موجود ہے کہ یہ دعا تکبیر تحریمہ کے بعد پڑھی گئی۔ جن مولانا صاحب کا آپ نے ذکر کیا ہے ان سے تسامح ہوا ہے۔ یہ مولانا صاحب حنفی مسلک کے ہیں اور امام طحاوی نے امام ابویوسف سے یہ روایت نقل کی ہے کہ وہ مشہور دعا استفتاح "سبحانک اللھم وبحمدک" کے بعد اور تعوذ (اعوذ باللہ) سے پہلے "وجہت وجھی للذی فطر السموات والارض" الی آخرہ پڑھتے تھے امام طحاوی نے امام ابویوسف کا قول نقل کر کے فرمایا ہے کہ ہمارا بھی فتویٰ یہی ہے۔ ان کے الفاظ یہ ہیں: وکان ابو یوسف قد قال بآخرہ فیما عنہ اصحاب الاملاء انہ یقول قبل التعوذ ایضاً وجہت وجھی للذی فطر السموات والارض (الی آخرہ) یقدم ما شاء من "سبحانک اللھم وبحمدک" ومن وجہت وجھی" یوخر الاخریٰ قال ابوجعفر وبہ ناخذ (مختصر الطحاوی) امام ابویوسف اور امام طحاوی کے فتویٰ کے مطابق یہ دونوں دعائیں تکبیر تحریمہ کے بعد اور تعوذ سے پہلے پڑھی جائیں ان میں سے کسی ایک دعا کو پہلے اور دوسری کو بعد میں پڑھ لے اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔ اس لیے بعض علماء کا تکبیر تحریمہ سے پہلے مروجہ نیت کے بجائے "وجہت وجھی" دعا کا پڑھنا ناواقفیت پر مبنی ہے۔ اسے ترک کر دیجئے اگر پڑھنا چاہیں تو تکبیر تحریمہ کے بعد پڑھیں۔ (الاعتصام لاہور جلد ۱۱ ش ۲۵)

سید داؤد غزنوی رحمہ

سوال: نماز کی صحیح نیت کیا ہے؟ مروجہ چار رکعت نماز فرض منہ طرف کعبہ شریف کے پیچھے اس امام وقت ظہر کو لوگ بدعت کہتے ہیں۔ (صوفی محمد شریف چک ۱۱۵/۱۰)

جواب: نیت کا تعلق دل سے ہے زبان سے نماز کی نیت کرنا ثابت نہیں بلکہ بدعت ہے۔ (الاعتصام جلد ۱۸ ش ۳)

مولانا حافظ محمد صاحب گوندلوی گوجرانوالہ

سوال: تکبیر اولیٰ سے قبل نیت نماز ضروری ہے یا نہیں۔ مثلاً یہ کہے میں فلاں وقت کی فلاں نماز فرض یا نفل پڑھتا ہوں انی وجہت الخ ایک عالم صاحب نیت نماز کو زبان سے کہنا غیر ضروری فرماتے ہیں اور جب نیت کے لئے آیت قرآن شریف "انی وجہت" قبل از تکبیر اولیٰ پڑھتے ہیں تو اس آیت سے پہلے بسم اللہ پڑھنا کیوں ناجائز ہے

جواب : تکبیر اولیٰ سے پہلے دل سے نیت ضروری ہے۔ زبان سے نیت ثابت نہیں، بلکہ نیت فعل ہی دل کا ہے نہ زبان کا۔ کیوں کہ نیت کے معنیٰ قصد اور ارادے کے ہیں۔ قصد اور ارادہ دل کا فعل ہے اور انی وجہت نیت کے لئے نہیں پڑھی جاتی۔ کیونکہ اس میں کسی خاص عبادت کا ذکر نہیں اور نیت خاص عبادت کی ہوتی ہے۔ نیز انی وجہت کا تکبیر اولیٰ سے پہلے پڑھنا اس کا تسلی بخش کوئی ثبوت نہیں بلکہ بعض روایتوں سے تکبیر اولیٰ کے بعد پڑھنا ثابت ہے چنانچہ مشکوٰۃ باب القراۃ بعد التکبیر میں وہ روایت موجود ہے۔ پس صحیح بعد پڑھنا ہے اور نیت پہلے ہوتی ہے۔ تو اس کا نیت کے لئے پڑھنا ثابت نہ ہوا۔ رہا اس سے پہلے بسم اللہ کا پڑھنا تو اس کا جواب وہی ہے جو دوسرے سوال کا۔ (حضرت العلام حافظ عبداللہ صاحب روپڑی) تنظیم اہلحدیث ۲۲ جولائی سنہ ۱۹۶۱ء

سوال : نماز میں نیت زبان سے کرنا بدعت ہے یا نہ؟

جواب : بدعت ہے چنانچہ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ جلد اول مکتوب صد و ہشتاد و ششم میں تحریر فرماتے ہیں "و ہمچنیں است آنچہ علماء در نیت نماز مستحسن داشتہ اند کہ با وجود ارادہ قلب بزبان نیز باید گفت و حالاں کہ از آں سرور علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام ثابت نشدہ نہ بروایت صحیح ونہ بروایت ضعیف ونہ از اصحاب کرام وتابعین عظام کہ بزبان نیت کردہ باشند بلکہ چوں اقامت می گفتند تکبیر تحریمہ میفرمودند پس نیت بزبان بدعت باشد آہ" اور مولانا محمد عبدالحیؒ نے عمدۃ الرعایہ میں لکھا ہے احدھا[1] الاکتفاء بنیۃ القلب وھو مجزئ اتفاقا وھو الطریقۃ المشروعۃ الماثورۃ عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واصحابہ فلم ینقل عن احد منھم التکلم بنویت او انوی صلوٰۃ کذا فی وقت کذا او نحو ذلک کما حققہ ابن الھمام فی فتح القدیر وابن القیم فی زاد المعاد اھ اور مولانا محمد عبدالحیؒ نے آکام النفائس میں ارقام فرمایا ہے (تنبیہ) کثیرا[2] ما سئلت عن التلفظ بالنیۃ ھل ثبت ذلک من فعل

---

[1] پہلا اس کا اکتفا کرنا ہے ساتھ نیت دل کے اور دل کی نیت کافی ہے بالاتفاق اور یہی طریقہ مشروع و منقول ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب اور ان میں سے کسی ایک سے بھی منقول نہیں ہوا کہ انہوں نے زبانوں سے یوں کہا ہو کہ نیت کی میں نے یا نیت کرتا ہوں میں فلاں نماز کی فلاں وقت میں اور نہ مثل ان الفاظ کے اور کوئی لفظ کہتے۔ ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ نے فتح القدیر میں اور ابن قیم نے زاد المعاد میں ایسا ہی تحقیق کیا ہے۔

[2] زبانی نیت کرنے کا مسئلہ مجھ سے بہت دفعہ پوچھا گیا کہ آیا یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے اصحاب ثابت ہے یا نہیں، اور

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم واصحابہ وهل له اصل فی الشرع فاجبت بانه لم تثبت ذلك من صاحب الشرع ولا من احد من اصحابه الخ اور مولانا محمد عبدالحی مغفور نے سعایہ میں تحریر فرمایا ہے[1] نقل فی المرقاۃ عن زاد المعاد فی هدی خیر العباد لابن القیم کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا قام الی الصلوٰۃ قال اللہ اکبر ولم یقل شیئاً قبلها ولا تلفظ بالنیۃ ولا قال اصلی صلوٰۃ کذا مستقبلاً للقبلۃ اربع رکعات اماماً او ماموماً ولا قال اداءً ولا قضاءً ولا فرض الوقت وهذه بدع لم ینقل عنه احد قط لا بسند صحیح ولا بسند ضعیف ولا مسند ولا مرسل بل ولا عن احد من اصحابه وما استحبه احد من التابعین ولا الائمۃ الاربعۃ الخ وفی فتح القدیر قال بعض الحفاظ لم یثبت عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بطریق صحیح ولا ضعیف انه کان یقول عند الافتتاح اصلی کذا ولا عن احد من التابعین بل المنقول انه اذا قام الی الصلوٰۃ کبر وهذه بدعۃ۔ فتاوی مفید الاحناف[2] ص ۳

کیا شرع میں اس کی کوئی اصل بھی ہے۔ تو میں نے یہی جواب دیا کہ نہ تو شارع علیہ السلام ہی سے ثابت ہوا اور نہ ان کے صحابیوں میں سے کسی ایک سے ثابت ہوا۔ ۱۲

[1] یعنی مرقاۃ میں ابن قیم کی کتاب زاد المعاد فی ہدی خیر العباد سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز کے لئے کھڑے ہوتے تو اللہ اکبر فرماتے اور اس سے پہلے کچھ نہ فرماتے اور نہ یوں کہتے کہ میں فلاں نماز کی چار رکعت کعبہ کی طرف منہ کرکے امام یا مقتدی ہو کر پڑھتا ہوں اور نہ ادا یا قضا یا فرض کا نام لیتے اور یہ سب بدعات ہیں۔ کسی نے آپ سے نقل نہیں کیا۔ نہ سند صحیح سے اور نہ سند ضعیف سے اور نہ مسند سے اور نہ مرسل سے بلکہ آپ کے صحابہ میں سے بھی کسی سے منقول نہیں ہوا اور تابعین میں سے بھی کسی نے اس کو مستحب نہیں کہا اور نہ چاروں اماموں نے الخ اور فتح القدیر میں ہے۔ کہ بعض حفاظ حدیث نے کہا ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے نہ تو صحیح طریق سے ثابت ہے اور نہ ضعیف سے کہ آپ شروع نماز کے وقت کہتے ہوں کہ میں فلاں نماز پڑھتا ہوں اور نہ تابعین میں سے کسی سے ثابت ہوا بلکہ آپ سے تو یہی منقول ہے کہ جب نماز کے لئے کھڑے ہوتے تو اللہ اکبر فرماتے۔ لہذا یہ بدعت ہے۔ ۱۲

[2] یہ رسالہ جناب مولانا مولوی محمد عبدالغفور صاحب رمضانپوری بہاری کا ہے۔ ہر خاص وعام کے لئے نافع ہے۔ اور اس میں اُن کتابوں کی عبارات جمع کی گئی ہیں جن کے مصنف حنفی المذہب تھے۔ اور اسمیں انہیں کے اقوال وافعال درج کئے گئے ہیں جو صوفی مشرب تھے اس تالیف سے لوگوں کو اس بات سے آگاہ کیا ہے۔ کہ اگر کسی مسلمان کا قول یا فعل مطابق اس رسالہ کے پایا جائے، وہ مورد لعن وطعن نہ بنایا جائے۔ ۱۲ (سعیدی)

باب وضع الیدین علی الصدور

سوال : حضرت صلی اللہ علیہ وسلم زندگی سے تا وفات شریف نماز میں ہاتھ سینے پر باندھتے اور رفع یدین کرتے اور آمین بالجہر فرماتے رہے یا نہیں ؟

الجواب : سینے پر ہاتھ باندھنے اور رفع یدین کرنے کی روایات بخاری اور مسلم اور ان کی شروح میں بکثرت ہیں ان دونوں فعلوں کو ناجائز کہنا صحیح نہیں ، علمائے حنفیہ مثلاً مولانا عبدالحیٔ لکھنوی مرحوم بکثرت اور مولانا رشید احمد گنگوہی مرحوم بھی ان کے قائل تھے ۔

شرفیہ : دوام کے سوال کا جواب یہ ہے کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نفس نماز پڑھنے پر دوام کیا ہے اور یقیناً کیا ہے تو پھر ان امور مذکورہ بالا پر جو احادیث متفقہ سے ثابت ہے دوام ان کا بھی ثابت ہے ۔ ورنہ تفریق بذمہ مدعی ہے فعلیہ البیان بالبرہان ورنہ خرط القتاد اور سینہ پر ہاتھ باندھنے کی حدیث بحوالہ صحیح ابن خزیمہ بلوغ المرام میں بھی ہے ۱۲ ابوسعید شرف الدین دہلوی)

تشریح از قلم حضرت مولانا عبیداللہ صاحب شیخ الحدیث مبارکپوری

علمائے اہلحدیث نماز میں سینہ پر ہاتھ رکھنے کے ثبوت میں تین حدیثیں پیش کرتے ہیں ۔ پہلی حدیث ان کے نزدیک صحیح مرفوع متصل غیر معلل اور غیر شاذ ہے جو صحیح ابن خزیمہ میں بلفظ فوضع یدہ الیمنیٰ علی یدہ الیسریٰ علی صدرہ مروی ہے ۔

حافظ ابن حجر درایہ اور بلوغ المرام وغیرہ میں اور حافظ زیلعی نصب الرایہ جلد اول ص۱۶۴ میں اور دوسرے مصنفین اپنی کتابوں میں اس حدیث کو ابن خزیمہ کی روایت بتاتے ہیں لیکن اس کی سند نہیں نقل کرتے حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ (حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب مبارک پوری رحمۃ اللہ علیہ) کے نزدیک بظاہر صحیح ابن خزیمہ کی یہ حدیث حسب ذیل سند سے مروی ہے عن عفان عن ھمام عن محمد بن حجادۃ عن عبدالجبار بن وائل عن علقمۃ بن وائل ومولیٰ لھم عن ابیہ انتھی اور اسی سند سے مسلم شریف میں یہ متن بغیر زیادت

علی الصدر کے بایں الفاظ مروی ہے ثم وضع یدہ الیمنیٰ علی الیسریٰ جلد اوّل صہ ۱۴۳ مولوی انور شاہ کشمیری نے فیض الباری جلد ۲ صہ ۲۶۷ میں، نیموی نے آثار السنن صہ ۶۴ میں مولوی خلیل احمد نے بذل المجہود جلد ۲ صہ ۲۵ میں، مولوی ذکریا نے الاوجز میں علی الصدر کی زیادتی کو معلل شاذ وغیرہ کو محفوظ اور حدیث کو مضطرب المتن بتایا ہے وجہ معلل ہونے کی مولوی انور شاہ مرحوم کے لفظوں میں یہ ہے۔ لانہ لم یعمل بہ احد من السلف ولا ذھب الیہ احد من الائمۃ انتہیٰ اور زیادت مذکور کے غیر محفوظ اور شاذ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ ابن خزیمہ کے علاوہ اس حدیث کو احمد نسائی ابوداؤد ابن ماجہ وغیرہ نے مختلف طریق سے روایت کیا ہے لیکن کسی طریق میں یہ زیادتی نہیں ہے۔ مولوی انور شاہ کشمیری لکھتے ہیں والحاصل ان روایۃ وائل رواھا غیر واحد ولم یروھا احد علی لفظ ابن خزیمۃ وانما زادھا راوی بعد مرور الزمان فھو ساقط قطعاً فلا یحمل علیہا مع فقد ان العمل بہ انتہیٰ اور مضطرب المتن ہونے کی وجہ نیموی کے لفظوں میں یہ ہے۔ اخرج ابن خزیمۃ فی ہذا الحدیث علی صدرہ والبزار عند صدرہ واخرج ابن ابی شیبۃ تحت السرۃ انتہیٰ۔ زیادت مذکور کے شذوذ و حدیث مذکور کے اضطراب کا جواب تحفۃ الاحوذی جلد اوّل صہ ۲۱۶ اور ابکار المنن صہ ۱۰۱ تا صہ ۱۰۳ میں بسط و تفصیل کے ساتھ مذکور ہے اور معلل ہونے کی وجہ کا جواب دینے کی ضرورت نہیں جبکہ امام شافعی سے ایک روایت علی الصدر کی آتی ہے جیسا کہ حاوی میں مصرح ہے اور اگر بالفرض کوئی اس کا قائل نہ بھی ہو تو یہ اس کے معلل اور غیر محفوظ اور ساقط الاعتبار ہونے پر دلالت نہیں کرتا لانہ یحمل علی انہ لم یبلغ الحدیث المذکور احداً من الائمۃ الاربعۃ وغیرھم ھم المشہورون واما ان کون الحدیث متروک العمل بہ فی قرن الصحابۃ والتابعین علامۃ نسخہ او ضعفہ کما یدل علیہ کلام المنار کما صرح بہ فی التلویح فھو مما لا یلتفت الیہ وقد رد علیہ الشوکانی فی ارشاد الفحول والعلامۃ جمال الدین القاسمی فی قواعد التحدیث۔

دوسری حدیث :۔ حدیث مسند احمد میں بسند ذیل مروی ہے جو عند الحنفیہ بھی حسن ہے قال الامام احمد فی مسندہ حدثنا یحیی بن سعید عن سفیان ثنا سماک بن قبیصۃ بن ھلب عن ابیہ قال رایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الخ نیموی نے اس حدیث کو بھی علی صدرہ کو غیر محفوظ بتایا ہے جس کا جواب حضرت شیخ نے تحفۃ الاحوذی اور ابکار المنن میں بالتفصیل مرقوم فرمایا ہے۔ تیسری حدیث مراسیل ابی داؤد میں مروی ہے۔

(مرسلہ مولانا محمد بن عبد اللہ ہیرپنی مدراس) (فتاویٰ ثنائیہ جلد اوّل صہ ۴۴۳)

سوال: صدر یعنی سینہ پر ہاتھ باندھنا نماز میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے یا نہیں؟

الجواب: سینہ پر ہاتھ باندھنا نماز میں صحیح احادیث سے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ثابت ہے۔

حدثنا یحییٰ بن هلب عن ابیه قال رأیت النبی صلی الله علیه وسلم ینصرف عن یمینه وعن شماله ویضع یده علی صدره ووصف یحییٰ یمنی علی الیسری فوق المفصل رواہ الامام احمد فی مسنده اخبرنا ابوسعید احمد بن محمد الصوفی قال انبانا ابواحمد بن عدی الحافظ انبانا ابن سعد حدثنا ابراهیم بن سعید حدثنا محمد بن حجر الحضرمی حدثنی سعید بن عبد الجبار بن وائل عن ابیه عن امه عن وائل بن حجر قال حضرت رسول الله صلی الله علیه وسلم نهض الی المسجد ثم رفع یدیه بالتکبیر ثم وضع یمینه علی الیسریٰ علی صدره رواہ البیهقی فی السنن الکبریٰ ان روایات سے سینہ پر ہاتھ باندھنا حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نماز میں ثابت ہوگیا۔ واللہ اعلم المجیب ابوالبرکات محمد عبدالحی تقی عرف صدرالدین احمد حیدر آبادی الجواب صحیح والرای نجیح، فتاویٰ نذیریہ جلد اول صفحہ ۳۰۲

سید محمد نذیر حسین

فتاویٰ ثنائیہ صفحہ ۴۷۵ جلد ۱

سوال: ہاتھ چھاتی پر باندھنے کی دلیل قوی ہے یا ناف تلے؟

الجواب: نماز میں ہاتھ زیر ناف باندھنے کی حدیثیں امام احمد اور ابوداؤد نے بیان کی ہیں لیکن اس کے ساتھ دونوں حضرات نے ان کو ضعیف بھی بتلایا ہے اس بارے میں کوئی ایک حدیث مرفوع اور صحیح ثابت نہیں لیکن سینہ پر ہاتھ باندھنے کی حدیث کو ابن خزیمہ نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے اور اس کو صحیح بھی بتلایا ہے اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے قبیصہ بن ہلب سے اس نے اپنے باپ سے روایت کی ہے۔ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں سینہ پر ہاتھ باندھا کرتے تھے یہ حدیث حسن ہے صحیح بخاری میں بھی ایک ایسی حدیث آئی ہے۔ اللہ اعلم

نماز میں سینے پر ہاتھ باندھنے کی مزید تحقیق

(۱) عن قبیصة بن هلب عن ابیه قال رأیت رسول الله صلی الله علیه وسلم ینصرف عن یمینه وعن یساره رأیته یضع یده علی صدره الخ قبیصہ بن ہلب سے روایت ہے وہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں انہوں نے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو (نماز سے فارغ ہونے کے بعد) دائیں بائیں طرف پھرتے اور (نماز میں) سینہ پر ہاتھ رکھے ہوئے دیکھا (مسند احمد بن حنبل) (۲) عن وائل بن حجر قال صلیت مع رسول الله صلی الله علیه وسلم فوضع

یدہ الیمنی علی الیسریٰ علی صدرہ : یعنی وائل بن حجر رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی تو آپ نے بائیں ہاتھ پر سیدھا ہاتھ سینہ پر رکھا (صحیح ابن خزیمہ)

ف : یہ حدیث بمقابل حدیث زیر ناف زیادہ صحیح اور موثق ہے چنانچہ علامہ عینی حنفی جو اپنے مذہب کی تائید میں بڑے مستعد ہیں اپنی شرح بخاری عمدۃ القاری میں اعتراف فرماتے ہیں : احتج الشافعی بحدیث وائل بن حجر اخرجہ ابن خزیمۃ فی صحیحہ قال صلیت مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فوضع یدہ الیمنی علی یدہ الیسریٰ علی صدرہ ویستدل لعلمائنا الحنفیۃ بدلائل غیر وثیقۃ۔ یعنی امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے وائل والی حدیث سے حجت پکڑی ہے جس کو ابن خزیمہ نے صحیح میں روایت کیا ہے (اور وہ روایت یہ ہے کہ) میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی تو آپ نے اپنا سیدھا ہاتھ بائیں ہاتھ پر رکھا اور سینہ پر باندھا اور ہمارے علماء حنفیہ ایسے دلائل سے حجت پکڑتے ہیں جو موثق نہیں ہیں ۔ (عمدۃ القاری) اور ابن امیر الحاج حنفی شرح منیہ میں بایں الفاظ معترف ہیں ان الثابت من السنۃ وضع الیمین علی الشمال ولم یثبت حدیث تعین المحل الذی یکون فیہ الوضع من البدن الا حدیث وائل ملخصاً۔ یہ بات ثابت ہو گئی ہے کہ سیدھا ہاتھ بائیں ہاتھ پر رکھنا سنت ہے مگر ایسی کوئی حدیث پایہ ثبوت کو نہیں پہنچی جس کی رو سے بدن کے کسی خاص مقام پر ہاتھوں کا رکھنا واجب ہو سوائے وائل کی حدیث کے ۔ (وضع الایدی علی الصدر)

علاوہ ازیں وائل ابن حجر رض کی حدیث ابن خزیمہ کی ہے اور ابن خزیمہ کو احادیث میں جو وقعت اور جو درجہ حاصل ہے ۔ مولانا شاہ عبد العزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اور علامہ جلال الدین سیوطیؒ کے بیان سے ظاہر ہے چنانچہ مولانا موصوف رسالہ "فیما یجب للناظر" میں اور علامہ جلال الدین سیوطیؒ "جمع الجوامع" میں تحریر فرماتے ہیں کہ احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں جو کتابیں تصنیف ہوئی ہیں ان کے پانچ مراتب ہیں۔ ایک تو اس مرتبہ کی ہیں جن میں فقط صحیح صحیح حدیثیں ہیں ان میں ایسی حدیثیں نہیں ہیں جن کو ضعیف کہہ سکیں موضوع کا تو کیا ذکر ہے ۔ مثلاً موطا، صحیح بخاری ، صحیح مسلم ، صحیح حاکم ، مختار ضیا مقدسی صحیح ابن خزیمہ ، صحیح ابن عوانہ ، صحیح ابن سکن ، منتقی ابن جارود کی ۔

لہٰذا اس حیثیت سے بھی ہماری پیش کردہ حدیث صحیح ابن خزیمہ لائق استدلال اور قابل عمل ہے ۔ پس از روئے دلائل ساطعہ و براہین قاطعہ یہ بات مسلّم ہو چکی ہے سینہ پر ہاتھ باندھنا موثق اور صحیح ہے ۔ اور بمقابل اس کے حدیث زیر ناف موثق نہیں ہے تو حضرات اہل سنت والجماعت کو چاہیئے کہ حکم رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اپنی طبیعت کو منعطف کریں۔ کیوں کہ حق کے واضح ہو جانے کے بعد ضد اور تعصب کی وجہ سے اپنی خواہش کی پیروی کرنا ایمان کے منافی ہے۔ کما قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یؤمن احدکم حتیٰ یکون ھواہ تبعًا لما جئت بہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے کوئی شخص اُس وقت تک ایماندار نہیں ہو سکتا جب تک کہ اپنی خواہشات کو میری شریعت کا تابع نہ کر دے۔ (شرح السنۃ) اَللّٰھُمَّ اھدنا لما اختلف فیہ من الحق فانک تھدی من تشاء الی صراط مستقیم۔

(از قلم مولوی محمد جانباز خان محمدی حیدرآباد دکن) (فتاوٰے ثنائیہ جلد اول ص ۲۸۳)

سوال : قرآن سے ہاتھ سینہ پر یا زیر ناف باندھنا کہیں ثابت ہے یا نہیں۔ شیعہ لوگ ہم سے قرآن سے دلیل مانگتے ہیں؟

جواب : حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وُہ آیت فَصَلِّ لِرَبِّکَ وَانْحَرْ (سورہ کوثر) کا معنی کرتے ہیں کہ نماز پڑھو اور سینہ پر ہاتھ باندھو۔ اللہ اعلم (فتاوٰی ثنائیہ جلد اول ص ۳۳۳)

سوال : نماز کے وقت سینے پر ہاتھ باندھنا یا زیر ناف ان دونوں میں سے کون صحیح ہے؟

جواب : سینے پر ہاتھ باندھنے کی روایت صحیح ہے۔ بلوغ المرام ص ۲۶ و تخریج زیلعی ملاحظہ ہو۔

(فتاوٰی ثنائیہ جلد اول ص ۳۷۷)

سوال : کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمر بھر میں کبھی ہاتھ چھوڑ کر نماز پڑھی؟

جواب : کسی حدیث میں نہیں ملتا۔ اللہ اعلم فتاوٰی ثنائیہ جلد اول ص ۳۷۷

سوال : نماز میں دونوں ہاتھ سینہ پر باندھنا کسی معتمد صوفی حنفی کا فعل ہے یا نہ؟ جواب مولوی شاہ نعیم اللہ بہرائچی نے شیخ مرزا مظہر جاناں کے معمولات میں لکھا ہے۔ دست راہ برابر سینہ می بستند و میفرمودند کہ ایں روایت ارجح است از روایات زیر ناف الخ (مفید الاحناف ص ۲۰)

لے حضرت شیخ الشیوخ حضرت عمر بن محمد شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اس آیت کی تفسیر میں نقل فرمایا ہے فَصَلِّ لِرَبِّکَ وَانْحَرْ دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر سینے پر رکھ۔ عوارف المعارف ص ۳۶۳ (سعیدی)

بَابُ القرأت

سوال: امام اپنی قرأت میں تین آیت یا اس سے زیادہ پڑھ کر بموجب متشابہ بھول گیا ہے۔ اگر مقتدی اس کو لقمہ دے تو آیا وہ نماز مکروہ ہوجاتی ہے یا نہیں؟ گل فردوسی والے نے مکروہ لکھا ہے۔ ہمارا یقین و عمل حدیث پر ہے۔ لہٰذا حدیث کی روشنی میں جواب عطا فرمایا جائے؟

جواب: امام نماز فرض میں قرأت قرآن شریف میں کہیں بھول جائے تو مقتدی کا اس کو لقمہ دینا جائز ہے، مطلقاً خواہ امام تین آیات پڑھ چکا ہو یا کم وبیش، اور اس بات کی کوئی دلیل قرآن وحدیث سے ثابت نہیں ہے کہ اگر تین آیات پڑھ کر امام پر قرأت مشتبہ ہوجائے تو پھر لقمہ دینے سے نماز مکروہ ہوجاتی ہے بلکہ حدیث نبوی علی صاحبہا التحیۃ والسلام سے اطلاق ثابت ہے۔

وعن ابن عمر ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم صلی صلوٰۃ فقرأ فیہا فلبس علیہ فلما انصرف قال لأبی أصلیت معنا؟ قال نعم۔ قال فما منعك رواہ ابوداؤد وفی روایۃ ابن حبان قال فما منعك ان تفتحہا علی وقال الحافظ وقد صح عن ابی عبد الرحمن السلمی قال قال علی اذا استطعمك الامام فاطعمہ عن مسور بن یزید المالکی قال صلی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فترك ایۃ فقال لہ رجل یارسول اللہ ایۃ کذا وکذا قال فہلا ذکرتنیہا رواہ ابوداؤد وعبد اللہ بن احمد فی مسند ابیہ۔

عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ تحقیق نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک نماز میں اونچی قرأت پڑھی تو آپ پر قرأت مشتبہ ہوگئی۔ پس جب نماز سے فارغ ہوئے تو اُبی کو کہا کہ تو نے ہمارے ساتھ نماز پڑھی ہے؟ اس نے کہا، ہاں! تو آپ نے فرمایا پس کس چیز نے روکا تجھ کو (لقمہ دینے سے)؟ روایت کیا اس حدیث کو ابوداؤدؒ نے اور ابن حبانؒ کی روایت میں (یوں) ہے کہ آپ نے فرمایا پس کس چیز نے روکا تجھ کو کہ تو بتلاتا مجھ کو، اور حافظ ابن حجرؒ نے کہا کہ ابوعبدالرحمٰن اسلمیؓ سے مروی ہے کہ اس نے کہا کہ فرمایا علی رضی اللہ عنہ نے کہ جب امام تجھ سے لقمہ چاہے تو تو اس کو بتلادے۔ مسور بن یزید مالکیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہؐ نے

نماز میں ایک آیت چھوڑ دی تو ایک شخص نے عرض کی کہ یارسول اللہ، فلاں آیت آپ چھوڑ گئے، آپؐ نے فرمایا، پس کیوں نہ یاد دلائی تو نے مجھ کو، روایت کیا ہے اس حدیث کو ابو داؤد نے اور عبد اللہ بن احمد نے اپنے والد کی مسند میں اور حدیث: یا علی لا تفتح علی الامام فی الصلوٰۃ۔ اے علیؓ نہ لقمہ دے تو امام کو نماز میں۔ کی اسناد میں حارث اعور ہے۔ قال المنذری والحارث الاعور قال غیر واحد من الائمۃ انه کذاب منذری نے کہا کہ کئی اماموں نے حارث اعور کو کذاب کہا ہے۔

اور گل فردوسی وغیرہ کا قول کراہت نماز پر بلا دلیل ہے۔ وتقیید الفتح بان یکون علی امام لم یؤد الواجب من القراۃ وبآخر رکعة مما لا دلیل علیه وکذا تقییده بان یکون فی القرأۃ الجھریة والادلة قد دلت علی مشروعیة الفتح مطلقا فعند نسیان الامام الایة فی القرأۃ الجھریة یکون الفتح علیه بتذکیرہ تلک الایة کما فی حدیث الباب وعند نسیانه لغیرھا من الارکان یکون الفتح بالتسبیح للرجال والتصفیق للنساء منتقی الاخبار مع شرحه نیل الاوطار۔

بعض لوگوں نے جو قید لگائی ہے کہ لقمہ اس امام کو دینا چاہیے جو قرأت بقدر واجب نہ پڑھ چکا ہو اور پچھلی رکعت میں ہو اور قرأت بھی جہریہ ہو تو اس کی کوئی دلیل ان کے پاس نہیں ہے بلکہ دلائل صحیحہ سے یہی معلوم ہوتا ہے، کہ لقمہ دینا مطلقاً جائز ہے۔ بغیر کسی شرط کے۔ پس وقت بھولنے امام کے آیت کو قرأت جہریہ میں لقمہ بعینہٖ اسی آیت کے یاد دلانے سے ہوگا۔ جیسا کہ اسی باب کی حدیث میں ہے اور اگر کسی اور قسم کا نسیان ہو تو لقمہ مردوں کے لیے سبحان اللہ کہنے سے ہوگا اور عورتوں کے لیے تالی بجانے سے۔

حضرت الامام مولانا عبد الجبار غزنوی رحمۃ اللہ علیہ　　ہفت روزہ "توحید" لاہور جلد ۱ ش ۹

سوال: اگر چار رکعت سنتیں ایک سلام کے ساتھ پڑھی جائیں تو چاروں رکعتوں میں علاوہ سورۃ فاتحہ کے اور کوئی سورۃ یا آیت ملائی جائے یا صرف دو رکعت اول میں؟

جواب: سنتوں اور نفلوں کی چاروں رکعتوں میں سورہ فاتحہ کے ساتھ اور کوئی سورۃ یا آیتیں ملانی ضروری ہیں، اور فرضوں کی دونوں اخیر رکعت میں صرف فاتحہ پر اکتفا کرنا جائز ہے۔

مولانا محمد یونس دہلوی　　(اہلحدیث گزٹ دہلی جلد ۹ ش ۱۳)

سوال : (۱) بغیر سورہ فاتحہ پڑھے نماز ہوتی ہے یا نہیں؟ (۲) کسی صحابی یا ان کے زمانے کے کسی فرد سے سورہ فاتحہ کا نہ پڑھنا ثابت ہے؟ (۳) کیا امام کی قرأت مقتدی کے لئے کافی ہے؟

جواب : (۱) بغیر سورہ فاتحہ نماز نہیں ہوتی خواہ امام ہو یا مقتدی (۲) کسی صحابی یا ان کے زمانے کے فرد سے فاتحہ نہ پڑھنا ثابت نہیں (۳) امام کی قرأت علاوہ سورہ فاتحہ کے مقتدی کو کافی ہے۔

فتاویٰ ستاریہ جلد ۴ ص ۳۵

سوال : بعض دفعہ مجھے ایسے امام کے پیچھے نماز پڑھنے کا اتفاق ہوا ہے۔ جو جہری قرأت میں تو خوب ترتیل کے ساتھ قرآن مجید پڑھتا ہے۔ لیکن اسی نماز کی آخری رکعتوں میں یعنی سری قرأت میں اس قدر جلد پڑھتا ہے کہ میں پوری سورۃ فاتحہ نہیں پڑھ سکتا، بمشکل آدھی سورۃ فاتحہ پڑھ سکتا ہوں کہ امام رکوع میں چلا جاتا ہے ایسی صورت میں میری نماز ادا ہوئی یا نہیں؟

جواب : اہلحدیث کے نزدیک بموجب احادیث صحیحہ مرفوعہ سورۃ فاتحہ رکن نماز ہے اگر ایسے امام کی اقتداء میں نماز پڑھنے کا اتفاق ہو جو اس قدر جلد قراۃ کرتا ہے کہ آپ بہ سعی تمام بھی سورۃ فاتحہ نہیں پڑھ سکتے تو نماز نہیں ہوگی۔ ایسی صورت میں نماز کا اعادہ کیا جائے۔ مولانا سید داؤد غزنوی رحمہ اللہ　　الاعتصام جلد ۱۱ ش ۲۵

سوال : زید کہتا ہے کہ قرآن مجید، نماز میں جہاں سے جی چاہے پڑھ سکتا ہے اور بکر کا دعویٰ ہے کہ قرآن مجید ترتیب وار پڑھے، سورتوں کو موجودہ ترتیب سے آگے پیچھے کر کے نہ پڑھے اگر سورتیں آگے پیچھے پڑھی جائیں تو مکروہ ہے اور سجدہ سہو لازم ہو جاتا ہے۔ اور زید کہتا ہے نماز تراویح ہو یا کوئی اور نماز اس میں قرآن مجید کی سورتیں آگے پیچھے کر کے پڑھ سکتا ہے۔ عرض ہے کہ آپ ان دونوں کا تصفیہ از روئے کتاب و سنت فرمائیں؟

جواب : بخاری شریف میں باب باندھا ہے کہ سورتوں کی موجودہ ترتیب سے آگے پڑھ سکتا ہے۔ ہاں حنفیہ کہتے ہیں آگے پیچھے پڑھنے سے سجدہ سہو پڑ جائے گا۔ مگر ثبوت نہیں۔　　تنظیم اہلحدیث جلد ۱۸ ش ۳۴

حضرت العلام حافظ عبداللہ صاحب روپڑی رحمہ اللہ

سوال : قرآن مجید کی جن سورتوں کے آخر میں جوابات دینا احادیث میں آیا ہے، کیا وہ جوابات صرف امام کو دینے چاہئیں یا مقتدی کے لئے بھی جائز و مستحب ہیں؟

جواب : قرآن مجید کی جن سورتوں کے جوابات حدیثوں میں آگئے ہیں وہ جس طرح امام کے لئے جائز و مستحب

ہیں اسی طرح مقتدی کے لئے بھی جائز و مستحب ہیں، بلکہ مندرجہ ذیل واقعہ سے جو حدیث میں آیا ہے ثابت ہوتا ہے، کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سامعین کا جواب دینا بہت محبوب تھا۔ چنانچہ مشکوٰۃ باب القراۃ فی الصلوٰۃ میں ہے۔ عن جابر قال خرج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی اصحابہ فقرأ علیھم سورۃ الرحمٰن من اولھا الی اخرہ فسکتوا فقال لقد قرأتھا علی الجن لیلۃ الجن فکانوا احسن مردوداً منکم کنت کلما اتیت علی قولہ فبای الاء ربکما تکذبان۔ قالوا لا بشئ من نعمک ربنا نکذب فلک الحمد۔ (رواہ الترمذی وقال ھذا الحدیث غریب ص۳۵) یعنی ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ رضی اللہ عنہم کے پاس آئے اور سورۂ رحمٰن ساری پڑھی، صحابہ خاموش سنتے رہے۔ آپ نے فرمایا میں نے سورۂ رحمٰن جنوں پر لیلۃ الجن میں پڑھی تھی۔ جب بھی میں آیت " فبای الآء ربکما تکذبان" پر پہنچا تو وہ نہایت اچھا جواب دیتے تھے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بات بہت پیاری لگتی تھی کہ سامعین بھی جواب دیں۔ لہٰذا مقتدی کو جواب دینا چاہیے۔ حافظ محمد عبداللہ روپڑی رحمہ اللہ (تنظیم اہلحدیث جلد ۱۷ ص ۳۳)

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ امام کا خلاف ترتیب قرآن پڑھنا تقدیم و تاخیر سے درست ہے یا نہیں؟ اور فرض نماز میں کبھی ایک مرتبہ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اثنائے سورتوں متفرق رکوعات پڑھنا ثابت ہے۔ یا نہیں؟ اگر نہیں ہے تو پھر آج کل پوری سورتیں نہ پڑھنا اور صرف درمیان سورت سے یا اول آخر سورت سے پڑھنا بدعت ہے یا نہیں؟

الجواب: امام کا موجودہ ترتیب قرآنی کے خلاف تقدیم و تاخیر سے پڑھنا یا اثنائے سورتوں سے متفرق رکوعات کا پڑھنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ثابت ہے۔ (ملاحظہ ہو بخاری جلد اول ص۱۰۶ باب الجمع بین السورتین فی رکعۃ والقراۃ بالخواتیم وبسورۃ قبل سورۃ وباول سورۃ۔ یعنی امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے باب باندھا ہے۔ کہ دو سورتیں ایک رکعت میں، یا سورتوں کی آخر کی آیتیں، یا موجودہ ترتیب کے خلاف سورتوں کا پڑھنا، یا سورتوں کی پہلی آیتوں کا پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ اب ذیل کے دلائل سے یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ جائز ہے ملاحظہ ہو۔ **حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث** عن انس کان رجل من الانصار کان یؤمھم فی مسجد قباء۔

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک انصاری مسجد قباء میں امامت کراتا۔ سورۃ فاتحہ کے بعد پہلے قل ھو اللہ احد پڑھتا۔ بعدہ کوئی سورۃ ملاتا۔ اس پر اس کی قوم ناراض ہو کر اسے کہنے لگی۔ تم قل ھو اللہ احد پر اکتفا نہیں کرتے۔ بلکہ

ایک اور سورت ملاتے ہو یہ ٹھیک نہیں، یا تو صرف قل ھو اللہ احد پڑھا کرو یا قل ھو اللہ احد پڑھنا چھوڑ دو، کوئی دوسری سورت پڑھا کرو، امام نے جواب دیا کہ یہ ناممکن ہے تمہاری مرضی ہو تو امامت کراؤں، ورنہ چھوڑ دوں۔ قوم مجبور تھی، کیونکہ ان میں افضل یہی تھا۔ جب اس قوم میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو لوگوں نے اپنے امام کی حالت بیان کی، آپ نے فرمایا تو اپنے مقتدیوں کی بات کیوں نہیں سنتا۔ اور تو نے ہر رکعت میں اس صورت کو اپنے اوپر کیوں لازم کر لیا ہے۔ جواب دیا کہ یا رسول اللہ میں اس صورت کو دوست رکھتا ہوں، آپ نے فرمایا تیری یہ دوستی تجھ کو جنت میں داخل کرے گی۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود کی حدیث۔ حدثنا ادم قال حدثنا شعبۃ قال حدثنا عمرو بن مرۃ قال سمعت ابا وائل قال جاء رجل الی ابن مسعود فقال قرأت المفصل اللیلۃ فی رکعۃ فقال ھذا کھذ الشعر لقد عرفت النظائر التی کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقرن بینھن فذکر عشرین سورۃ من المفصل سورتین فی کل رکعۃ۔ حدیث بیان کی آدم نے شعبہ سے اس نے عمر بن مرہ سے کہا عمر بن مرہ نے، سنا میں نے ابووائل سے وہ کہتے تھے کہ ایک آدمی حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس آ کر کہنے لگا۔ کہ میں نے آج کی رات ایک رکعت میں مفصل سورتیں پڑھی ہیں اس پر حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ پڑھنا تیرا جلدی جلدی مثل شعر گوئی کے ہوگا۔ پھر فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مفصل کی دو سورتیں ایک رکعت میں پڑھتے تھے اور میں ان صورتوں کو جانتا ہوں۔

سورتوں کی تعیین ابوداؤد جلد اول ص۲۰۲ مجتبائی میں مذکور ہے ملاحظہ ہو عن علقمۃ والاسود قالا اتی ابن مسعود رجل فقال انی اقراء المفصل فی رکعۃ فقال اھذا کھذ الشعر و نثر کنثر الدقل لکن النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یقرأ النظائر السورتین فی رکعۃ والنجم والرحمن فی رکعۃ واقتربت والحاقۃ فی رکعۃ والطور والذاریات فی رکعۃ واذا وقعت ونون فی رکعۃ وسأل سائل والنازعات فی رکعۃ وویل للمطففین وعبس فی رکعۃ والمدثر والمزمل فی رکعۃ وھل اتی ولا اقسم بیوم فی رکعۃ وعم یتساءلون والمرسلات فی رکعۃ والدخان واذا الشمس کورت فی رکعۃ قال ابوداؤد ھذا فی تالیف ابن مسعود رحمہ اللہ یعنی علقمہ اور اسود فرماتے ہیں کہ عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس ایک آدمی آ کر کہنے لگا کہ میں ایک رکعت میں مفصل پڑھتا ہوں آپ نے فرمایا کہ یہ مثل شعر گوئی کے ہے اور مثل گرنے ردی سوکھی کھجوروں کے ہے۔ لیکن نبی صلے اللہ علیہ وسلم دو سورتیں مقدار میں برابر کی ایک رکعت میں پڑھتے تھے۔ سورۃ نجم

ورحمٰن ایک رکعت میں، سورۃ اقتربت والحاقہ ایک رکعت میں، طور وذاریات ایک رکعت میں، واقعہ ونون ایک رکعت میں، سأل سائل اور نازعات ایک رکعت میں، مطففین وعبس ایک رکعت میں مدثر ومزمل ایک رکعت میں وہل اتی و لااقسم ایک میں وعم ومرسلات ایک میں اور دخان اور اذا الشمس ایک میں کہا ابوداؤد نے یہ عبد اللہ بن مسعود کے مصحف کی بناء پر ہے۔" اس حدیث سے دو مسئلے ثابت ہوئے ایک یہ کہ دو سورتوں کا، جمع کرنا ایک رکعت میں۔ دوسرا یہ کہ موجودہ ترتیب قرآنی کے خلاف رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے پڑھنا ثابت ہوا۔ کیوں کہ ابن مسعودؓ نے جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا، اسی طرح اپنی مصحف میں جمع کر دیا۔ نمبر ۲ کی دلیل یعنی نماز میں سورتوں کے آخیر پڑھنے کا ثبوت : وقال قتادۃ فیمن یقرأ بسورۃ واحدۃ فی رکعتین اویردد سورۃ واحدۃ فی رکعتین کل کتاب اللہ عزوجل، یعنی قتادہ نے کہا کہ جو شخص ایک سورۃ کو دو رکعتوں میں پڑھے یا ایک ہی سورۃ دو رکعتوں میں جائز ہے کیونکہ ہر ایک سورۃ میں کتاب اللہ ہی کا پڑھنا ہے۔

وجہ استدلال یوں ہے کہ جب ایک سورت کو دو رکعتوں میں یعنی آدھا آدھا کر کے پڑھے گا تو لامحالہ اخیر کی رکعت میں سورۃ کا آخیر ہوگا۔ جب ایک رکعت میں ایک سورۃ کا آخیر جائز ہوگا تو دونوں رکعتوں میں دو سورتوں کی اخیر کی آیتیں یعنی قرأۃ بالخواتیم کی عدم جواز کی کوئی وجہ نہیں، کیوں کہ اس صورت میں بھی کتاب ہی کا پڑھنا ہوتا ہے جو عین مقصود شارع ہے یعنی نماز میں قرآن کا پڑھنا۔

نیز مسلم جلد اول صفحہ ۲۷۱ میں حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص آخیر بقرہ کی دو آیتیں رات کو پڑھے گا۔ اس کو رات کی عبادت کے لئے کافی ہیں۔

یہ حدیث عام ہے نماز، غیر نماز دونوں کو شامل ہے۔ نمبر ۳ کی دلیل یعنی موجودہ ترتیب کے خلاف تقدیم وتاخیر کرنا سورتوں کا نماز میں جائز ہے۔ قرأ الاحنف بالکھف فی الاولی وفی الثانیۃ بیوسف اویونس وذکر انہ صلی مع عمر الصبح بھما۔ یعنی احنف بن قیس نے پہلی رکعت میں سورۃ کہف اور دوسری میں یوسف یا یونس (شکِ راوی) پڑھی اور ذکر کیا کہ میں نے حضرت عمرؓ کے پیچھے صبح کی نماز پڑھی حضرت عمرؓ نے بھی اسی طرح یعنی پہلی رکعت میں کہف اور دوسری میں یوسف یا یونس پڑھی۔

لہٰذا موجودہ ترتیب کے خلاف پڑھنا جائز ہو گیا۔ اس پر اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ اس وقت حضرت عثمان کی ترتیب نہ تھی اس لئے جائز تھی اَب جائز نہیں ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ عدم جواز کی کیا دلیل ہے؟ یہ تو ظاہر ہے کہ عدم جواز کی دلیل نہ تو قرآن میں ہے نہ حدیث میں۔ اگر قرآن وحدیث میں ترتیب عثمانی

کے وجوب کی دلیل من جانب اللہ ہو، تو صحابہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد یا خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم خلاف نہ کرتے، جیساکہ مصحف ابن مسعودؓ میں ہے۔ نہ اجماع سے عدم جواز ثابت ہو سکتا ہے کیوں کہ ترتیب عثمانی پر اجماع نہیں ہے اگر ہوتا تو عبداللہ بن مسعود کا مصحف نہ ہوتا حالاں کہ اَب تک ان کا مصحف ہے۔ علاوہ اس کے تقدیم تاخیر کی وجہ سے کتاب اللہ سے خارج نہیں ہو سکتا، جب کتاب اللہ ہے تو جائز ہے اور یہی مقصود شارع ہے یعنی نماز میں قرآن کا پڑھنا۔

نمبر۲ کی دلیل، یعنی رکعتوں میں سورتوں کی پہلی آیتوں کا پڑھنا۔ عن عبد اللہ بن السائب قرأ النبی صلی اللہ علیہ وسلم المؤمنون فی الصبح حتیٰ اذا جاء ذکر موسیٰ وھارون او ذکر عیسیٰ اخذتہ سعلۃ فرکع وقرأ عمر فی الرکعۃ الاولیٰ بمائۃ وعشرین من البقرۃ وفی الثانیۃ بسورۃ من المثانی وقرأ ابن مسعود باربعین آیۃ من الانفال وفی الثانیۃ بسورۃ من المفصل۔ یعنی عبداللہ بن سائب سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صبح کی نماز میں سورۃ مومنوں پڑھی جب آپ آیت ثم ارسلنا موسیٰ واخاہ ہارون یا آیت وجعلنا ابن مریم وامہ پر پہنچے تو آپ کو کھانسی ہوگئی پس رکوع کیا۔ اور حضرت عبداللہ بن مسعود نے پہلی رکعت میں انفال اور دوسری میں مفصل کی ایک صورت پڑھی۔

ان دونوں حدیثوں سے نماز میں اوائل سورتوں کا پڑھنا ثابت ہوگیا۔ وجہ استدلال یوں ہے کہ جب پہلی رکعت میں اوائل سورتوں کا پڑھنا ثابت ہوگیا تو دوسری میں اختیار ہے خواہ بقیہ کو پڑھے یا کسی اور سورت کا پہلا حصہ پڑھے یا اخیر کا حصہ پڑھے، بہرصورت مقصود کتاب اللہ کا پڑھنا ہے۔ جو مقصود شارع ہے

حضرت العلام محدث روپڑی رح (تنظیم اہلحدیث جلد ۱۲ ش ۱۵)

سوال: قرآن مجید کی وہ آیتیں جن میں استفہام وسوال ہے جیسے فَبِاَیِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۔ و ۔ اَلَیْسَ ذٰلِكَ بِقٰدِرٍ عَلٰۤى اَنْ یُّحْیِۦَ الْمَوْتٰى وغیرہم یا دیگر آیتیں جن میں حساب وکتاب کا ذکر ہو جیسے اِنَّ اِلَیْنَاۤ اِیَابَهُمْ ثُمَّ اِنَّ عَلَیْنَا حِسَابَهُمْ وغیرہ جب پڑھی جائیں تو کیا ان کے جوابات یا دعائیں حسب موقع صرف پڑھنے والے ہی دے سکتے ہیں یا سننے والے بھی جوابی دعائیں پڑھیں اور نماز میں صرف امام ہی جواب دے سکتا ہے یا مقتدی کو بھی جواب دینا چاہئے، نیز یہ بھی تحریر فرمائیے کہ جوابی دعا بلند آواز سے پڑھی جائے یا آہستہ اور یہ جواب دینا مستحب ہے یا فرض وسنت؟

جواب: آیاتِ مذکورہ کا جواب جس طرح قاری کو دینا چاہیے اسی طرح سامع کو بھی دینا چاہیے۔ اس لیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بوقتِ قرأت ان آیتوں کا جواب دینا ثابت ہے اور آپ کا ہر قول و فعل امت کے لیے ہر وقت دستور العمل ہے تاوقتیکہ اس کی تخصیص وقت خاص یا شخص خاص یا حالت خاص کے ساتھ ثابت نہ ہو مثلاً رفع الیدین اور وضع الیدین علی الصدر اور سبابہ فی التشہد اور جلسۂ استراحت اور تورک اور قبل افتتاح قرأت کے اللہ اکبر کبیراً والحمد للہ کثیراً وسبحان اللہ بکرۃ واصیلا۔ یا اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ الخ یا اَللّٰهُمَّ بَاعِدْ بَیْنِیْ وَبَیْنَ خَطَایَایَ كَمَا بَاعَدْتَ بَیْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ پڑھنا یا رکوع میں سُبُّوْحٌ قُدُّوْسٌ رَبُّ الْمَلٰٓئِكَةِ وَالرُّوْحِ ۔ اور سجدہ میں لَكَ سَجَدَ وَجْهِیَ وَعِظَامِیْ وَمُخِّیْ پڑھنا وغیرذالک یہ ایسے افعال ہیں جن کی مسنونیت میں کوئی شک نہیں کیا جا سکتا اور امت محمدیہ میں سے ہر شخص کے لیے یہ افعال مسنون ہیں خواہ وہ شخص امام ہو یا مقتدی، خواہ منفرد ہو، حالاں کہ یہ کہیں ثابت نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مقتدیوں کو ان امور کی تعلیم فرمائی ہو یا عام طور پر حکم دیا ہے۔ پھر بھی یہ احکام ہر شخص کے لئے اسی وجہ سے عام رہے ہیں کہ آپ نے فرمایا ہے کہ صَلُّوْا كَمَا رَاَيْتُمُوْنِیْ اُصَلِّیْ یعنی تم اسی طرح نماز پڑھو جیسا کہ تم مجھے پڑھتے دیکھتے ہو اور قرآن کریم میں اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ "پس بنا بر تقریر ہذا آیاتِ مسئولہ کا جواب ہر شخص کو دینا چاہیے عام ازیں کہ قاری ہو یا سامع، نماز میں ہو یا غیر نماز میں، اتباعاً لفعل النبی صلی اللہ علیہ وسلم کما رواہ ابوداود وعن ابن عباس اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ كَانَ اِذَا قَرَاَ سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰی قَالَ سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی" اور ایک روایت میں ہے کہ عن موسیٰ بن عائشۃ قَالَ كَانَ رَجُلٌ یُصَلِّیْ فَوْقَ بَیْتِهٖ وَكَانَ اِذَا قَرَاَ اَلَیْسَ ذٰلِكَ بِقَادِرٍ عَلٰی اَنْ یُّحْیِیَ الْمَوْتٰی قَالَ سُبْحَانَكَ فَبَلٰی فَسَاَلُوْا عَنْ ذٰلِكَ فَقَالَ سَمِعْتُهٗ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ۔ بیہقی میں ہے عن علی اَنَّهٗ قَرَاَ فِی الصُّبْحِ سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰی فَقَالَ سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی (الحدیث) ابوداود میں عوف بن مالک الاشجعی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ قُمْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ لَیْلَةً فَقَامَ فَقَرَاَ سُوْرَةَ الْبَقَرَةِ لَا یَمُرُّ بِاٰیَةِ رَحْمَةٍ اِلَّا وَقَفَ فَسَاَلَ وَلَا یَمُرُّ بِاٰیَةِ عَذَابٍ اِلَّا وَقَفَ فَتَعَوَّذَ قَالَ ثُمَّ رَكَعَ بِقَدْرِ قِیَامِهٖ یَقُوْلُ فِیْ رُكُوْعِهٖ سُبْحَانَ ذِی الْجَبَرُوْتِ وَالْمَلَكُوْتِ وَالْكِبْرِیَاءِ وَالْعَظَمَةِ ثُمَّ سَجَدَ بِقَدْرِ قِیَامِهٖ ثُمَّ قَالَ فِیْ سُجُوْدِهٖ مِثْلَ ذٰلِكَ ثُمَّ قَامَ فَقَرَاَ بِاٰلِ عِمْرَانَ ثُمَّ قَرَاَ سُوْرَةً (الحدیث)، ترمذی میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک روز صحابہ کرام کے سامنے سورۂ رحمٰن شروع سے آخر تک

پڑھی، صحابہ چپ رہے اس پر آپ نے فرمایا کہ یہی سورت لیلۃ الجن میں جنات پر جب میں نے پڑھی تو انہوں نے تم سے بہتر اس کا جواب دیا۔ جب بھی میں فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ پڑھتا تو جنات ان لفظوں کے ساتھ اس کا جواب دیتے "لَا بِشَيْءٍ مِنْ نِعَمِكَ رَبَّنَا نُكَذِّبُ فَلَكَ الْحَمْدُ۔ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اس قسم کی آیتوں کا جواب قاری یا مصلی کے اعتبار سے نہیں بلکہ خود اس کلام پاک کے معنی اور موقعہ کے لحاظ سے ہے جب ہی تو آپ نے صحابہ کرام کے سکوت پر اعتراض فرمایا اور جنات کے جواب دینے کو مدحیہ طور پر ذکر فرمایا، گویا آپ نے اس طرح کر کے صحابہ کو تعلیم دی کہ اس قسم کی آیتوں سے جب تمہارا گذر ہو تو اس کا جواب ضرور دو۔ اسی طرح آیت أَلَيْسَ ذَٰلِكَ بِقَادِرٍ عَلَىٰ أَنْ يُحْيِيَ الْمَوْتَىٰ اور أَلَيْسَ اللَّهُ بِأَحْكَمِ الْحَاكِمِينَ۔ سننے والے کو اس کا جواب لفظ "بلیٰ" سے دینا چاہیے۔ سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى میں حکم ہے کہ رب کی پاکی بیان کرو، اس کے جواب میں قاری کو بھی اور سامع کو بھی" سبحان ربی الاعلیٰ کہنا چاہیئے۔ اسی طرح جب عذاب کی آیت پڑھی جائے تو عذاب نار سے پناہ مانگنا چاہیے اور اگر رحمت کی آیت تلاوت کی جائے تو اللہ تعالےٰ سے اسکو طلب کرنا چاہیئے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی دستور تھا۔ ہم کو بھی اسکے مطابق عمل کرنا چاہیئے (اسی قسم کا بیان امام نووی کی کتاب الاذکار میں موجود ہے۔ ۱۲ واللہ اعلم بالصواب

مولانا عبدالسلام صاحب بستوی (اخبار اہلحدیث دہلی یکم فروری ۱۹۵۴ء)

سوال : نماز میں قرأت کے وقت امام بھول جائے تو اس کو لقمہ دینا جائز ہے یا نہیں؟ اور کیا لقمہ وہی شخص دے سکتا ہے جو امام کے ساتھ نماز میں شامل ہے، یا جماعت سے باہر والا بھی لقمہ دے سکتا ہے؟

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اگر کوئی شخص باہر سے لقمہ دے تو سب کی نماز فاسد ہو جائے گی، کیا یہ خیال درست ہے؟ محمد صدیق بکس میکر شاہ عالم مارکیٹ لاہور

جواب : یہ فتویٰ "تنظیم اہلحدیث" جلد ۱۳ شمارہ ۳۷، ۲۱ اپریل ۱۹۶۱ء میں تفصیلاً شائع ہو چکا ہے، کہ نماز میں امام کو لقمہ دینا جائز ہے، دو احادیث ذیل میں درج کی جاتی ہیں:۔ **اوّل** ابوداؤد مع عون المعبود جلد اص ۳۳۱ باب الفتح علی الامام فی الصلوٰۃ میں حدیث ہے، عن يحيى الكاهلي عن المسور بن يزيد المالكي ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال يحيى ربما قال شهدت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقرأ في الصلوٰة فترك شيئاً لم يقرأه فقال له رجل يا رسول الله تركت اية كذا وكذا فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم هلا ذكرتنيها۔ ؟ یعنی مسور بن یزید مالکی سے روایت ہے کہ میں رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نماز میں قرأت فرما رہے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے درمیان سے کچھ چھوڑ دیا۔ نماز کے بعد ایک آدمی نے کہا، یارسول اللہ! آپ نے فلاں فلاں آیت چھوڑ دی اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو فرمایا کہ تم نے کیوں نہ یاد دلا دیا"؛ **دوم** عن عبد اللہ بن عمران النبی صلی اللہ علیہ وسلم صلی صلوٰۃ "فقرأ فیہا فلبس علیہ فلما انصرف قال لابی اصلیت معنا قال نعم قال فما منعك. عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھا رہے تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر قرأت مشتبہ ہوگئی یعنی بھول گئے یا آگے پیچھے ہوگئے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہوئے تو حضرت ابی بن کعب (حافظ قرآن) کو فرمایا کہ تم نے میرے ساتھ نماز پڑھی ہے؟ جواب دیا ہاں، (آپ صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا تم نے مجھ کو لقمہ کیوں نہ دیا، کس چیز نے تجھے منع کیا؟ صاحب عون المعبود فرماتے ہیں والحدیثان یدلان علی مشروعیۃ الفتح بان یکون علی امام لم یؤد الواجب من القرأۃ وبآخر رکعۃ مما لا دلیل علیہ۔ یعنی دونوں حدیثیں جواز لقمہ پر دلالت کرتی ہیں اور جواز لقمہ کو مقید کرنا اس شرط کے ساتھ کہ جب امام لقدر واجب من القراۃ بھول گیا ہو اور رکعت آخری ہو، یہ قول بلا دلیل ہے۔ پھر صاحب عون المعبود فرماتے ہیں؛ والادلۃ قد دلت علی مشروعیۃ الفتح مطلقاً فعند نسیان الامام الآیۃ فی القرأۃ الجہریۃ یکون الفتح علیہ بتذکیرہ تلك الآیۃ کما فی الحدیث الباب وعند نسیانہ لغیرھا من الارکان یکون الفتح بالتسبیح للرجال والتصفیق للنساء یعنی احادیث سے جواز لقمہ مطلقاً ثابت ہوتا ہے خواہ لقدر واجب من القراۃ میں بھولے یا زیادہ میں اور فتح کی دو صورتیں ہیں۔ ۱ ایک جہری نماز میں اگر امام بھول جائے تو مقتدی خواہ مرد ہو یا عورت، امام کو بھولی ہوئی آیت بتلا دے ۲ اگر قرأت کے علاوہ سجدہ یا قعدہ وغیرہ بھول جائے تو مقتدی مرد امام کو اطلاع دینے کے لئے سبحان اللہ کہے اور عورت اطلاع دینے کے لئے تالی بجائے یعنی ایک ہاتھ پر رکھ کر دوسرا ہاتھ مارے۔

احناف کا یہ کہنا کہ امام اگر بھول جائے تو اس کو لقمہ نہ دیا جائے، صرف سجدہ سہو کرنا کافی ہے اس کی دلیل کتب فقہ میں کہیں نہیں ہے یہ ان کا زبانی قول بلا دلیل مردود ہے کتب فقہ اس کے خلاف ہیں۔ ذیل میں چند حوالجات درج کئے جاتے ہیں۔ (۱) شرح وقایہ جلد اول ص۱۶۴ مطبع یوسفی باب مایفسد الصلوٰۃ وما یکرہ فیہا وفتحی علی غیر امامہ قال بعض المشائخ اذا قرأ امامہ مقدار مایجوز بہ الصلوۃ اذا انتقل الی زینۃ اخری ففتح تفسد صلوۃ الفاتح وان اخذ الامام منہ تفسد صلوۃ الامام ایضاً وبعضہم قالوا لاتفسد فی شئی من ذالك وسمعت ان القول علی ذالك۔ یعنی نمازی اگر غیر امام کو لقمہ دے تو نماز

فاسد ہوجائے گی، اگر نمازی اپنے امام کو لقمہ دے تو جائز ہے نماز فاسد نہ ہوگی، بعض مشائخ کا قول ہے کہ امام اگر تین آیتیں پڑھ کر بھول گیا، یا دوسری آیت شروع کر دی اس صورت میں لقمہ دینے والی کی نماز فاسد ہوجائے گی، اگر امام نے لقمہ لیا تو امام کی نماز بھی فاسد ہوجائے گی اور بعض فقہائ نے کہا کہ کسی کی بھی نماز فاسد نہ ہوگی۔ عبداللہ بن مسعود تاج الشریعہ صاحب شرح وقایہ کہتے ہیں کہ ہم نے اپنے استادوں اور مشائخوں سے سنا ہے کہ فتوے اسی آخری قول (کسی کی بھی فاسد نہ ہوگی) پر ہے۔ شرح وقایہ کے حاشیہ پر مولانا عبدالحی حنفی محشی نے بھی ابوداؤد کی حدیث سے استدلال کرتے ہوئے لکھا ہے۔ کہ لقمہ دینا جائز ہے۔ ہدایہ مع نہایہ جلد اول ص۱۰۷ مطبوعہ احمدی میں ہے، وان فتح علی امام لم یکن کلاما یعنی اگر امام کو لقمہ دیا جائے تو وہ کلام میں شمار نہیں، جس سے نماز فاسد ہوجائے۔" اس عبارت کی شرح میں لکھا ہے کہ:۔ قولہ وان فتح علی امامہ لم یکن کلاما واطلاق ھذا دلیل علی ان ما اذا قرأ الامام مقدار ما یجوز به الصلوٰۃ وبا اذا ما لم یقرأ لاتفسد صلوٰۃ الفاتح ولا صلوٰۃ الامام بالاخذ۔" یعنی شارح کہتے ہیں کہ مصنف کا کلام ہے مطلق اور یہ مطلق اس بات کی دلیل ہے کہ خواہ امام مقدار ما یجوز بہ الصلوٰۃ کے پڑھنے کے بعد یا اس سے کم میں بھولے ہر دو صورت میں اگر مقتدی لقمہ دے اور امام لقمہ قبول کرے، نہ تو امام کی نماز فاسد ہوگی، نہ مقتدی کی اور جو شخص نماز میں شریک نہیں وہ بھی لقمہ دے سکتا ہے۔ چنانچہ بخاری شریف میں ہے:۔ عن البراء بن عازبؓ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان اول ما قدم المدینۃ نزل علی اجدادہ او قال اخوالہ وانہ صلی قبل بیت المقدس ستۃ عشر شہرا وکان یعجبہ ان یکون قبلتہ قبل البیت وانہ صلی اول صلوٰۃ صلاھا صلوٰۃ العصر وصلی معہ قوم فخرج رجل ممن صلی معہ فمر علی اھل مسجد وھم راکعون فقال اشھد باللہ لقد صلیت مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قبل البیت۔

(بخاری ج۱ باب الصلوٰۃ من الایمان ص۱۰) براء بن عازبؓ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پہلے پہل مدینہ میں تشریف لائے تو انصار سے اپنے ننھال یا ماموؤں میں اترے اور سولہ یا سترہ ماہ بیت المقدس کی طرف منہ کرکے نماز پڑھتے رہے، اور بیت اللہ کی طرف منہ کرنا آپ کو پسند تھا۔ پہلی نماز جو بیت اللہ کی طرف منہ کرکے پڑھی وہ نماز عصر ہے اور آپ کے ساتھ ایک جماعت نے نماز پڑھی ان میں سے ایک آدمی بعد فراغت نماز نکلا اور ایک مسجد والوں کے پاس سے گذرا، وہ رکوع کی حالت میں تھے، اس نے کہا میں خدا کے نام کے ساتھ گواہی دیتا ہوں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بیت اللہ کی طرف نماز پڑھی ہے۔ مسجد

والے رکوع ہی کی حالت میں بیت اللہ کی طرف پھر گئے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا، لقمہ دینے کے لئے داخلِ نماز ہونے کی شرط باطل ہے، جو شخص نماز میں شامل نہ ہو، لقمہ دے سکتا ہے۔ اسی کے قریب ایک حدیث بخاری جلد اول باب ماجاء فی القبلۃ الخ میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے مروی ہے اور مسلم میں بھی ہے۔ اس پر فتح الباری میں لکھا ہے۔ وفیہ جواز تعلیم من لیس فی الصلوٰۃ من ھو فیھا وان استماع المصلی لکلام من لیس فی الصلوٰۃ لا یفسد صلوٰتہ (فتح الباری ج۲ ص۲۵۲) یعنی اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ غیر نمازی کا نمازی کو تعلیم دینا جائز ہے اور نمازی کا غیر نمازی کے کلام کو سننا (اور اس پر عمل کرنا) اس کی نماز کو فاسد نہیں کرتا۔" اور جب دوسری باتوں میں باہر کا لقمہ صحیح ہوا تو قراۃ قرآن مجید میں بطریق اولیٰ صحیح ہوگا اور اسی حدیث کی بنا پر ہدایہ میں لکھا ہے کہ اگر کوئی غلطی سے کسی دوسری طرف نماز پڑھ رہا ہو اور اس حال میں اس کو کوئی شخص غلطی پر متنبہ کرتا ہوا قبلہ کا پتہ دے دے تو اس کو نماز ہی میں فوراً قبلہ کی طرف پھر جانا چاہیئے چنانچہ اصل عبارت ہدایہ کی یہ ہے، وان علم ذالک فی الصلوٰۃ استدار الی القبلۃ لان اھل قباء لما سمعوا بتحول القبلۃ استدار وا کھیئتھم فی الصلوٰۃ (ھدایۃ باب شرط الصلوٰۃ ص۸۳) یعنی اگر نماز میں قبلہ کا علم ہو جائے تو قبلہ کی طرف پھر جائے کیوں کہ اہل قباء نے جب سنا کہ قبلہ بیت اللہ ہوگیا ہے تو نماز ہی میں فوراً پھر گیا۔" حاشیہ ہدایہ میں اسی مقام پر لکھا ہے، قولہ لان اھل قباء الخ اخرجہ البخاری ومسلم عن مالک عن عبداللہ بن دینار عن عبد اللہ بن عمر قال بینما الناس فی صلوٰۃ الصبح بقباء اذجاء ھم فقال ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قد انزل علیہ اللیلۃ قرآن وقد امران یستقبل القبلۃ فاستقبلوھا وکانت وجوھھم الی الشام فاستداروا الی الکعبۃ انتھی ۱۲ (تخریج زیلعی ج۱ ص۳۵) یعنی بخاری ومسلم میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ لوگ مسجد قبا میں نمازِ صبح پڑھ رہے تھے اس حال میں ان کے پاس ایک شخص آیا، پس کہا، آج رات رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم پر قرآن نازل ہوا اور آپ کو بیت اللہ کی طرف منہ کرنے کا حکم دیا گیا، پس وہ فوراً بیت اللہ کی طرف پھر گئے اور ان کے منہ شام کی طرف ہو گئے۔"

اس بنا پر اگر امام مثلاً سجدہ سے سر اٹھائے اور کسی مقتدی کو پتہ نہ لگے کہ امام نے سر اٹھالیا ہے وہ بدستور سجدہ میں پڑا رہے اس وقت کسی شخص نے اس کو غلطی پر متنبہ کرتے ہوئے اطلاع دے دی اور اس پر اس نے سر اٹھالیا تو اس کی نماز فاسد نہ ہونی چاہیئے۔ خاص کر جب اللہ اکبر کہہ کر متنبہ کرے، تو اور اچھا ہے، تاکہ اسی ذکر سے آگاہ ہو جائے جس سے امام نے آگاہ کرنا تھا۔ دیکھئے کیسی صفائی سے ثابت ہوگیا کہ لقمہ دینے کے لئے داخل نماز ہونے

کی شرط صحیح نہیں ہے۔ از حضرت العلام حافظ عبداللہ صاحب محدث روپڑی (الاعتصام لاہور جلد ۵ ش ۳۸)

سوال : کیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرضوں کی باجماعت نماز میں سورۃ فاتحہ کا تکرار فرمایا ہے یعنی آپ نے مدینہ منورہ میں تقریباً ...۲۷ مرتبہ سورۃ فاتحہ بلند آواز سے پڑھائی، اس عرصہ میں کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۃ فاتحہ کی کسی آیت کا تکرار فرمایا۔ **واقعات** ہمارے ہاں ایک مولوی صاحب سورۃ فاتحہ کا تکرار فرما رہے ہیں اور دلیل کے طور پر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نمازِ تہجد میں سورۃ مائدہ کے آخری رکوع کی آیات کا تکرار بطور ثبوت پیش کرتے ہیں۔ دیگر خلیفہ سوم کی نمازِ صبح کو سورۃ یوسف کی آیات کا تکرار بطور ثبوت پیش کرتے ہیں۔ محترم! ہمارا سوال صرف سورۃ فاتحہ کا ہے اور وہ بھی باجماعت۔ دلیل نمبر ۱ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نمازِ تہجد میں سورۃ فاتحہ کا تکرار فرمایا اور وہ بھی ایسی صورت میں کہ آپ باجماعت نماز ادا نہیں فرما رہے تھے۔ دلیل نمبر ۲ میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بھی سورۃ یوسف کی آیات کا تکرار فرمایا نہ کہ سورۃ فاتحہ کا۔

ایک صحابی کا فعل اگر بطور دلیل مان لیا جائے جس سے یہ بھی ثابت نہ ہو تا کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا کیا یا فرمایا تو پھر سخت مشکل پیش آئے گی، جیسا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رفع الیدین یا سورۃ فاتحہ وغیرہ وغیرہ۔ محترم! صرف اسوۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے دلیل مطلوب ہے آیا آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا کیا ہے یا نہیں؟

مولوی محمد یوسف صاحب گکھڑوی نے تکرار آیات سورۃ فاتحہ جامع اہل حدیث مولوی محمد اسماعیل صاحب گوجرانوالہ میں کیا ہے اور مولوی اسماعیل صاحب ان کی تائید میں مندرجہ ذیل حوالہ جات سے اسے جائز فرماتے ہیں۔ جواب سے سرفراز فرمائیں، جواب جریدہ تنظیم اہل حدیث میں شائع فرمائیں تو بہت بہتر ہوگا۔ آپ کا خیر اندیش

محمد حسین ڈار فار ڈار برادرز (رجسٹرڈ) گوجرانوالہ

الجواب بسم اللہ الرحمٰن الرحیم : تکرار کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ انسان عام طور پر تکرار کو مسنون سمجھے اور اس بنا پر تکرار کرے تو یہ بدعت ہے اور تعامل نبویؐ اور سلف کے خلاف ہے اور ایک یہ ہے۔ کہ اتفاقی طور پر انسان کے دل پر رقت پیدا ہو جائے اور بار بار پڑھنے سے لذت آئے تو ایسے اتفاقی تکرار میں کوئی حرج نہیں ہے۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تہجد میں یا کسی صحابی کا تکرار اسی بنا پر ہے۔ رہا فاتحہ کا فرق، سو یہ بے دلیل ہے کیوں کہ جو جواز کی وجہ ہے وہ دونوں میں موجود ہے خواہ فاتحہ ہو یا غیر فاتحہ۔

(تنظیم اہل حدیث جلد ۱۵ ش ۱۳)

سوال : امام ابوداؤد باب ماجاء من جہر بہا میں لکھتے ہیں قال ابوداؤد وقال الشعبی وابومالك وقتادۃ وثابت بن عمارۃ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم لم یکتب بسم اللہ الرحمن الرحیم حتی نزل سورۃ النمل ھذا معناہ ترجمہ ابوداؤد نے کہا کہ شعبیؒ، ابومالکؒ، قتادہ اور ثابت بن عمارہؒ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بسم اللہ نہیں لکھی یہاں تک کہ سورہ نمل اُتری۔ اس سے جہر بسم اللہ فی الصلوٰۃ پر کیسے استدلال ہو سکتا ہے۔ دوسرے اس سے کتابت بسم اللہ فی المکتوب فی الرسائل کا ثبوت ہے نہ کہ مکتوب ہونا بسم اللہ کا فی اول السور کیونکہ انفصال سُوَر کا آپؐ کو معلوم ہی نہیں ہوتا تھا جب تک کہ بسم اللہ الرحمن الرحیم نہ اتری تھی۔ تیسرے یہ روایات مرسلہ معارض بھی ہیں اُس روایت کے کہ جس میں آتا ہے کہ آپؐ کو فصل سورت از سورت قرآن معلوم ہی نہیں ہوتا تھا جب تک کہ نزول بسم اللہ الرحمن الرحیم نہ ہوتا۔

الجواب : ابوداؤد یہ حدیث اس سے پہلی حدیثوں کا مطلب بتانے کے لئے لائے ہیں پہلے دو حدیثیں ہیں ایک کے الفاظ یہ ہیں۔ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم وابوبکرؓ وعمرؓ وعثمانؓ کانوا یفتحون القرأۃ بالحمد للہ رب العلمین (یعنی حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکرؓ اور عمرؓ اور عثمانؓ الحمد للہ رب العالمین سے نماز شروع کرتے تھے) دوسری حدیث کے الفاظ یہ ہیں کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یفتتح الصلوٰۃ بالتکبیر والقراءۃ بالحمد للہ رب العلمین (یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تکبیر اور قرأۃ الحمد للہ رب العالمین سے نماز شروع کرتے تھے)

یہ دونوں حدیثیں بظاہر ان لوگوں کی دلیل ہیں جو بسم اللہ الرحمن الرحیم جہراً نہیں پڑھتے ابوداؤد نے باب تو انہی کے مطابق باندھا ہے مگر ضمناً اصل مطلب کی طرف بھی اشارہ کر دیا وہ یوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا کہ مجھ پر ایک سورت اتاری گئی ہے سورت "انا اعطینا" بسم اللہ سے شروع کی۔ جس سے معلوم ہوا کہ بسم اللہ بھی اس میں داخل ہو گئی اس بناپر ہر سورۃ کے شروع کی بسم اللہ اس صورت میں داخل ہو گی۔ جس میں فاتحہ بھی آجاتی ہے۔ پس الحمد للہ رب العالمین سے قرأت شروع کرنے کا مطلب یہ ہو گا۔ کہ سورۃ الحمد للہ رب العلمین سے قرأت شروع کی اور سورۃ الحمد للہ رب العالمین میں بسم اللہ بھی داخل ہے پس اس کا پڑھنا بھی ثابت ہو گیا۔

چونکہ یہاں شبہ ہوتا ہے کہ انا اعطینا کے شروع میں بسم اللہ پڑھنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ بسم اللہ اس میں داخل ہو ممکن ہے بطور تبرک پڑھی ہو اس کا جواب اگرچہ دیا جا سکتا ہے کہ یہ ظاہر کے خلاف

میں امام سورہ ختم کرے، تو اس کے ساتھ مقتدی بھی جوابی الفاظ کہیں؟

جواب: سورۃ الرحمان میں "فبای الاء ربکما تکذبان" کا جواب جنوں نے دیا تھا۔ حضرت امام شافعیؒ نے استدلال کیا ہے کہ دوسری آیتوں میں بھی سننے والا جواب دے سکتا ہے۔ اس حدیث میں اگرچہ کچھ ضعف ہے لیکن امام شافعیؒ کے استدلال سے معلوم ہوتا ہے کہ قابل عمل ہے، خاص کر فضائل اعمال میں، رہی یہ بات کہ نماز غیر نماز میں کوئی فرق ہے یا نہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ بظاہر کوئی فرق معلوم نہیں ہوتا، یہ ایسا ہی سمجھنا چاہیئے جیسے امام کی آمین کے ساتھ آمین کہی جاتی ہے کیوں کہ سماع قرأت کو مخل نہیں، پس اس کا آمین پر قیاس صحیح ہے۔ حافظ محمد عبد اللہ امرتسری رحمۃ اللہ علیہ (تنظیم اہلحدیث جلد ۲ اش ۹)

سوال: امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ پڑھنے کے بارے میں کیا کیا دلیلیں ہیں حوالہ سمیت تحریر فرمایئے اور اگر کوئی امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھے تو اس کے منہ میں آگ کا انگارا بھرا جائے گا۔ یہ کہاں تک صحیح ہے اس کا مدلل جواب دیا جائے۔

الجواب:۔ امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ پڑھنا فرض ہے بغیر سورہ فاتحہ پڑھے نماز نہیں ہوتی اس سلسلہ میں دس حدیثیں مندرجہ ذیل ہیں ان کو غور سے پڑھو اور عمل کرو، پہلی حدیث حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں: اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا صَلٰوۃَ لِمَنْ لَّمْ یَقْرَاْ بِفَاتِحَۃِ الْکِتَابِ ۔" کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں ہوتی نماز اس شخص کی جس نے سورہ فاتحہ نہیں پڑھی" اس حدیث کو بخاری، مسلم، ترمذی، ابوداؤد، نسائی اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ہر شخص کو نماز میں سورہ فاتحہ پڑھنی ضروری ہے تنہا ہو یا امام یا مقتدی، بغیر سورہ فاتحہ پڑھے کسی کی کوئی نماز نہیں ہوتی خواہ فرض ہو یا نفل ہر ایک میں سورہ فاتحہ پڑھنا ضروری ہے کیوں کہ حکم عام ہے۔

دوسری حدیث عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ صَلّٰی صَلٰوۃً لَمْ یَقْرَاْ فِیْھَا بِاُمِّ الْقُرْاٰنِ فَھِیَ خِدَاجٌ ثَلَاثًا غَیْرُ تَمَامٍ فَقِیْلَ لِاَبِیْ ھُرَیْرَۃَ اِنَّا نَکُوْنُ وَرَاءَ الْاِمَامِ فَقَالَ اِقْرَاْ بِھَا فِیْ نَفْسِکَ الحدیث رَوَاہُ مُسْلِمٌ صفحہ ۱۶۹ یعنی ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کوئی نماز پڑھے کہ اس میں سورہ فاتحہ

نہ پڑھے تو وہ نماز ناقص ہے ناقص ہے ناقص ہے پوری نہیں ہے پس ابوہریرہؓ سے کہا گیا کہ ہم لوگ امام کے پیچھے ہوتے ہیں تو ابوہریرہؓ نے کہا پڑھ سورہ فاتحہ کو آہستہ۔ روایت کیا اس حدیث کو مسلم نے۔

تیسری حدیث۔ عن عبادة بن الصامت قال صلی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الصبح فثقلت علیہ القرأۃ فلما انصرف قال انی اراکم تقرؤن خلف امامکم قال قلنا یا رسول اللہ ای واللہ قال لا تفعلوا الا بام القرآن فانہ لا صلوۃ لمن لم یقرأبھا رواہ الترمذی وقال حسن وابوداؤد والنسائی وغیرہ۔" یعنی عبادہ بن صامت سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صبح کی نماز پڑھائی پس بھاری ہوئی آپ کو قرأت پھر جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا کہ میں خیال کرتا ہوں کہ تم لوگ اپنے امام کے پیچھے پڑھتے ہو، ہم لوگوں نے کہا ہاں یا رسول اللہ، قسم اللہ کی، آپ نے فرمایا نہ پڑھو مگر سورہ فاتحہ اس واسطے کہ نہیں ہوتی نماز اس شخص کی جس نے سورہ فاتحہ نہیں پڑھی۔ روایت کیا اس کو ترمذی نے اور کہا کہ حسن ہے۔ اور ابوداؤد و نسائی وغیرہ نے۔

چوتھی حدیث عن زید بن واقد عن حزام بن حکیم ومکحول عن نافع بن محمود بن الربیع کذا قال انہ سمع عبادة بن الصامت یقرأ بام القران وابونعیم یجھر بالقرأۃ فقلت رأیتک صفة فی صلاتک شیئاً قال وما ذاک قال سمعتک تقرأ بام القران وابونعیم یجھر بالقرأۃ قال نعم صلی بنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بعض الصلوات التی یجھر فیھا بالقرأۃ فلما انصرف قال منکم من احد یقرأ شیئاً من القرأۃ اذا جھرت بالقرأۃ قلنا نعم یا رسول اللہ فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وانا اقول مالی انازع القران فلا یقرأن احد منکم شیئاً من القرآن اذا جھرت بالقرأۃ الا بام القران رواہ الدارقطنی وقال ھذا اسناد حسن ورجالہ ثقات کلھم۔" یعنی نافع بن محمود سے روایت ہے کہ انہوں نے عبادہ بن صامت سے سنا کہ وہ سورہ فاتحہ پڑھتے ہیں حالاں کہ ابونعیم جہر سے قرأت کر رہے تھے پس کہا کہ میں نے آپ کو نماز میں ایک شے کرتے دیکھا ہے۔ عبادہؓ نے کہا کہ وہ شے کیا ہے کہا آپ کو میں نے سورہ فاتحہ پڑھتے ہوئے سنا۔ حالاں کہ ابونعیم جہر سے قرأت رہے تھے، عبادہؓ نے کہا ہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو بعض وہ نماز پڑھائی جس میں جہر سے قرأت کی جاتی ہے پس جب آپ نماز سے فارغ ہوئے فرمایا کوئی تم میں سے کچھ پڑھتا ہے جبکہ میں جہر سے قرأت کرتا ہوں، ہم لوگوں نے کہا ہاں یا رسول اللہ پس فرمایا کیا ہے مجھ کو کہ میں منازعت اور کشاکشی کیا جاتا ہوں قرآن میں،

پس ہرگز نہ پڑھے تم میں سے کوئی کچھ قرآن جبکہ میں جہر سے قرأت کروں مگر سورۃ فاتحہ، روایت کیا اس حدیث کو دارقطنی نے اور کہا کہ یہ اسناد حسن ہے اور اس کے کل راوی ثقہ ہیں۔

اس حدیث سے بھی صراحتاً معلوم ہوا کہ مقتدی کو امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ پڑھنی چاہیے۔

پانچویں حدیث عن محمد بن عائشة عن رجل من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لعلکم تقرؤن والامام یقرأ قالوا انا نفعل قال لا الا ان یقرأ احدکم بفاتحۃ الکتاب رواہ احمد والبیہقی والبخاری فی جزئہ وفی روایۃ البخاری الا ان یقرأ احدکم بفاتحۃ الکتاب فی نفسہ ونحوہ فی روایۃ البخاری قال ھذا الاسناد صحیح واصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم کلھم ثقۃ فترک ذکر اسمائھم فی الاسناد ولا یضر اذا المیعاد ماھو اصح عنہ وقال الحافظ فی التلخیص ص۸۶ اسنادہ حسن۔

یعنی محمد بن عائشہؒ نے ایک صحابیؓ سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شاید تم لوگ پڑھتے ہو جب کہ امام پڑھتا ہے لوگوں نے کہا بیشک پڑھتے ہیں آپ نے فرمایا نہیں مگر سورۃ فاتحہ آہستہ پڑھنا چاہیے، روایت کیا اس حدیث کو احمدؒ نے بخاریؒ نے جزء القراۃ میں اور کہا بیہقیؒ نے یہ اسناد صحیح ہے اور کہا حافظ ابن حجرؒ نے تلخیص الحبیر میں کہ اسناد اس حدیث کی حسن ہے۔ اس حدیث سے بھی صراحتاً معلوم ہوا، کہ مقتدیوں کو امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ پڑھنی چاہیے۔

چھٹی حدیث عن انس کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم صلی باصحابہ فلما قضی صلوتہ اقبل علیھم بوجھہ فقال اتقرؤن فی صلاتکم والامام یقرأ فسکتوا فقالھا ثلاث مرات فقال قائل اوقائلون انا لنفعل قال فلا تفعلوا ولیقرأ احدکم بفاتحۃ الکتاب فی نفسہ رواہ البخاری۔ اس حدیث کا خلاصہ ترجمہ یہ ہے کہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ کو نماز پڑھائی، پس جب نماز سے فارغ ہوئے صحابہ کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ کیا تم لوگ اپنی نماز میں پڑھتے ہو جبکہ امام پڑھتا ہے پس صحابہ چپ رہے آپ نے اس بات کو تین بار فرمایا ایک شخص یا کئی شخصوں نے کہا بیشک ہم لوگ پڑھتے ہیں فرمایا آپ نے ایسا نہ کرو اور سورۃ فاتحہ آہستہ پڑھ لو روایت کیا اس حدیث کو بخاری نے۔

ساتویں حدیث قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تقرؤن خلفی قالوا نعم انا

لنفعل هذا قال فلا تفعلوا الا بام القرآن رواہ البخاری فی جزء القرأۃ ۵ حاصل اس حدیث کا یہ ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم لوگ میرے پیچھے پڑھتے ہو؟ لوگوں نے کہا ہاں۔ ہم لوگ جلدی جلدی پڑھتے ہیں آپ نے فرمایا نہ پڑھو مگر سورہ فاتحہ، روایت کیا اس حدیث کو بخاری نے جزء القرأۃ میں۔

آٹھویں حدیث قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا صلوٰۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب خلف الامام" یعنی عبادہ بن صامت سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں ہوتی نماز اس شخص کی جس نے امام کے پیچھے سورہ فاتحہ نہ پڑھی۔ (بیہقی)

نویں حدیث من صلی خلف الامام فلیقرأ بفاتحۃ الکتاب" عبادہ بن صامت سے روایت ہے فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے کہ جو شخص نماز پڑھے امام کے پیچھے تو اس کو سورہ فاتحہ پڑھنا چاہیئے۔ روایت کیا اس حدیث کو طبرانی نے کبیر میں اور کہا بیہقی نے کل راوی اس حدیث کے سچے ہیں اس حدیث سے بھی قرأۃ فاتحہ خلف الامام کا وجوب بصراحت ثابت ہے۔

دسویں حدیث۔ من صلی صلوٰۃ لم یقرأ فیہا بام القرآن فھی خداج یعنی عائشہؓ فرماتی ہیں۔ کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ فرماتے تھے کہ جو شخص ایسی نماز پڑھے کہ اس میں سورہ فاتحہ نہ پڑھے تو وہ نماز ناقص ہے روایت کیا اس حدیث کو ابن ماجہ اور طحاوی نے۔" اس سے معلوم ہوا کہ چاہے مقتدی ہو یا غیر مقتدی نماز میں سورہ فاتحہ نہ پڑھے تو اس کی نماز فاسد ہوگی۔

امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھنے کی وجہ سے منہ میں انگارے رکھنے کی کوئی حدیث نہیں ہے بعض لوگوں کا قول ہے اور وہ بھی ضعیف ہے قرآن و حدیث کے مقابلہ میں کسی کا قول قابلِ حجت نہیں ہے آپ کی تسلی کے لئے ذیل میں اس قول کو نقل کر کے اس کا جواب دیا جاتا ہے۔

موطا امام محمدؒ ص ۹۸ میں ہے، قال محمد اخبرنا داؤد بن قیس الفراء المدنی اخبرنی بعض ولد سعد بن ابی وقاص انہ ذکر لہ ان سعداً قال وددت ان الذی یقرأ خلف الامام فی فیہ جمرۃ" یعنی سعد بن ابی وقاصؓ کی بعض اولاد نے داؤد بن قیس سے ذکر کیا کہ سعد بن ابی وقاصؓ نے کہا کہ میں اس بات کو دوست رکھتا ہوں کہ جو شخص امام کے پیچھے قرأت کرے اس کے منہ میں انگارا ہو۔

الجواب: سعد بن ابی وقاص کا یہ اثر صحیح نہیں ہے تعلیق الممجد حاشیہ موطا امام محمد ص ۹۹ میں ہے، قولہ بعض ولد بضم الواو وسکون اللام ای اولادہ ولم یعرف اسمہ قال ابن عبد البر فی الاستذکار

ھذا حدیث منقطع لا یصح انتہی یعنی بعض اولاد سعد بن ابی وقاص کا نام معلوم نہیں ہوا ہے کہا حافظ ابن عبدالبر نے استذکار میں یہ حدیث منقطع ہے صحیح نہیں ہے اور حافظ ممدوح تمہید میں لکھتے ہیں واما ما روی عن سعد بن ابی وقاص انہ قال وددت ان الذی یقرأ خلف الامام فی فیہ جمرۃ فمنقطع لا یصح ولا نقلہ ثقۃ انتہی ۔ یعنی لیکن وہ اثر جو سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا کہ میں دوست رکھتا ہوں کہ جو شخص امام کے پیچھے قرأت کرے اس کے منہ میں انگارہ ہو سو وہ منقطع ہے صحیح نہیں ہے اور کسی ثقہ نے اس کو نقل نہیں کیا ہے ۔ امام بخاری جزء القراۃ ص۷ میں لکھتے ہیں:

وروی داؤد بن قیس عن ابن نجاد رجل من ولد سعد عن سعد وددت ان الذی یقرأ خلف الامام فی فیہ جمرۃ وھذا مرسل وابن نجاد لم یعرف ولا سمی ولا یجوز لاحد ان یقول فی فی القاری خلف الامام جمرۃ لان الجمرۃ من عذاب اللہ وقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا تعذبوا بعذاب اللہ ولا ینبغی لاحد ان یتوھم ذالک علی سعد مع ارسالہ وضعفہ انتہی ۔

یعنی داؤد بن قیس نے ابن نجاد سے جو سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی اولاد سے ایک شخص ہیں روایت کیا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے کہا میں اس بات کو دوست رکھتا ہوں کہ جو شخص امام کے پیچھے قرأت کرے اس کے منہ میں انگارا ہو اور یہ مرسل ہے اور ابن نجاد پہچانا نہیں جاتا ہے اور نہ اس کا نام لیا گیا ہے اور کسی کو یہ جائز نہیں کہ امام کے پیچھے قرأت کرنے والے کے منہ میں انگارا ہو کیونکہ انگارا اللہ کے عذاب سے ہے اور فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کے عذاب سے عذاب نہ کرو اور کسی کو لائق نہیں کہ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ پر اس بات کا وہم کرے کہ انہوں نے ایسا کہا ہوگا اور ساتھ اس کے یہ اثر مرسل اور ضعیف ہے ۔ واللہ اعلم بالصواب ۔ مولانا عبدالسلام صاحب بستوی (مدرسہ ریاض العلوم دہلی) اخبار اہلحدیث دہلی جلد ۳ ش ۲۲

سوال: بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کا جس طرح قبل سورۃ فاتحہ کے نماز میں پڑھنا سنت ہے اسی طرح نماز میں اس کا درمیان فاتحہ اور سورۃ کے پڑھنا حسن ہے یا نہ؟

جواب: حسن ہے ۔ رد المختار کے صفحہ ۵۱۱ میں ہے صرح فی الذخیرۃ والمجتبیٰ بانہ ان سمی بین الفاتحۃ والسورۃ المقروءۃ سرا او جھرۃ کان حسنا عند ابی حنیفۃ رحمہ اللہ ورجحہ المحقق ابن ھمام وتلمیذہ الحلبی لشبھۃ

الاختلاف فی کونہا اٰیۃ من کل سورۃ (بحر ۱ھ) (تصریح کی ہے ذخیرہ اور مجتبیٰ میں اس بات کی کہ اگر بسم اللہ پڑھے درمیان سورۃ فاتحہ اور سورۃ کے جو پڑھی گئی آہستہ یا جہر ہوگا بہتر نزدیک امام اعظمؒ کے اور ترجیح دیا ہے اس کو محقق ابن ہمام اور شاگرد ان کے حلبی نے واسطے شبہ اختلاف کے بیچ ہونے بسم اللہ کے آیت ہر سورۃ کے نقل کیا ہے اسکو بحر الرائق سے) اور عمدۃ الرعایہ میں ہے اما عدم الکراھۃ لمتفق علیہ ولھذا صرح فی الذخیرۃ والمجتبیٰ بانہ لو سمی بین الفاتحۃ والسورۃ کان حسنًا عند ابی حنیفۃ رحمہ اللہ سواء کانت السورۃ مقروءۃ جھرًا او سرًّا الخ (اور نہ مکروہ ہونا بسم اللہ کے پڑھنے کا، پس اتفاق کیا گیا ہے۔ اس پر اور اسی لئے ذخیرہ اور مجتبیٰ میں تصریح کی ہے بایں طور کہ بسم اللہ پڑھے درمیان سورۂ فاتحہ اور سورۃ کے ہوگا، بہتر نزدیک امام ابوحنیفہؒ کے خواہ وہ سورت پڑھی گئی ہو بآواز یا آہستہ)

(فتاویٰ مفید الاحناف ص۸)

سوال: سورۃ فاتحہ کا امام کے پیچھے پڑھنا کیسا ہے؟

جواب: قرأۃ فاتحہ خلف الامام کو کتب فقہیہ میں احتیاطاً مستحسن لکھا ہے چنانچہ مجتبیٰ شرح قدوری میں ہے، فی شرح الکافی للبزدوی ان القرأۃ خلف الامام علی سبیل الاحتیاط حسن عند محمد ومکروہ عندھما وعن ابی حنیفۃ رحمہ اللہ انہ لا باس بان یقرأ الفاتحۃ فی الظھر والعصر وبما شاء من القراٰن اھ (بزدوی کی شرح کافی میں یہ ہے کہ پڑھنا سورۂ فاتحہ کا پیچھے امام کے احتیاطاً حسن ہے نزدیک امام محمد کے اور مکروہ ہے۔ امام ابوحنیفہ اور ابو یوسف کے نزدیک اور روایت ہے ابوحنیفہؒ سے یہ کہ نہیں مضائقہ ہے۔ اس میں کہ پڑھے سورۂ فاتحہ ظہر اور عصر میں اور جو کچھ چاہے قرآن سے الخ) اور بنایہ شرح ہدایہ میں ہے، ویستحسن ای قرأۃ المقتدی الفاتحۃ احتیاطًا ورفعا للخلاف فیما روی بعض المشائخ عن محمد رحمہ اللہ وفی الذخیرۃ لو قرأ المقتدی خلف الامام فی صلوۃ لا یجھر فیھا اختلف المشائخ فیہ فقال ابو حفص وبعض مشائخنا لا یکرہ فی قول محمد واطلق المصنف کلامہ ومرادہ فی حالۃ المخافتۃ دون الجھر وفی شرح الجامع للامام رکن الدین علی السعدی عن بعض مشائخنا ان الامام لا یتحمل القرأۃ عن المقتدی فی صلوۃ المخافتۃ (اور مستحسن ہے یعنی پڑھنا مقتدی کو سورۃ فاتحہ احتیاطًا اور واسطے دور کرنے خلاف کے اس میں کہ روایت کیا ہے بعض مشائخ نے محمدؒ سے۔ اور ذخیرہ میں ہے کہ اگر پڑھے مقتدی پیچھے امام کے اُس نماز میں جس میں جہر نہیں کیا جاتا ہے۔ اختلاف کیا مشائخ نے بیچ اس کے پس کہا ابو حفص اور مشائخ نے ہمارے نہیں مکروہ ہے بیچ قول محمد کے اور مطلق ذکر کیا مصنف نے کلام کو ان کے اور مراد اُن کی حالت قرأت سری میں ہے نہ جہری میں۔ اور امام رکن الدین علی سعدی کی شرح جامع میں ہے کہ ہمارے بعض مشائخ سے مروی ہے کہ نماز سری میں امام مقتدی کی قرأت کو اس کی طرف سے ادا نہیں کر سکتا۔) اور ہدایہ میں ہے ویستحسن سبیل الاحتیاط فیما یروی عن محمد رحمہ اللہ اھ اور احتیاط کی نظر سے پڑھنا مستحسن ہے بموجب اُس قول کے جو امام محمدؒ سے مروی ہے۔ اور عینی نے شرح صحیح بخاری میں لکھا ہے وبعض مشائخنا یستحسنون ذلک علی سبیل الاحتیاط

فی جمیع الصلوٰۃ وبعضھم فی السریۃ فقط وعلیہ فقہاء الحجاز والشام اھ (یعنی بعض مشائخ ہمارے مستحسن سمجھتے ہیں پیچھے امام کے سورۃ فاتحہ پڑھنے کو از راہ احتیاط کے سب نمازوں میں سے اور بعض مشائخ نماز آہستہ والی میں اور اسی پر ہیں فقہاء حجاز و شام کے الخ) اور ملا علی قاریؒ نے شرح مشکوٰۃ میں لکھا ہے الامام محمد من ائمتنا یوافق الشافعی فی القرأۃ خلف الامام فی السریۃ اھ (امام محمد ہمارے اماموں سے موافقت کرتے ہیں امام شافعی کی بیچ پڑھنے سورۃ فاتحہ کے پیچھے امام کے نماز سریہ میں) اور عبدالوہاب شعرانیؒ نے میزان الکبریٰ میں لکھا ہے لابی حنیفۃ ومحمد رحمہما اللہ قولان احدھما عدم وجوبہا علی الماموم ولا یسن له وھذا قولہما القدیم وادخلہ محمد فی تصانیفہ القدیمۃ واشتہرت النسخ الی الاطراف وثانیہما استحسانہا علی سبیل الاحتیاط وعدم کراہتہا عند المخافتۃ للحدیث المرفوع لا تفعلوا الا بام القرآن وفی روایۃ لا تقرءوا بشیء اذا جہرت الا بام القرآن وقال عطاء کانوا یرون علی الماموم القرأۃ فیما یجہر فیہ الامام وفیما یسر فرجعا من قولہما الاول الی الثانی احتیاطا اھ (امام ابوحنیفہؒ و محمدؒ کے دو قول ہیں پہلا نہ واجب ہونا قرأت کا اوپر مقتدی کے اور نہ مسنون ہونا واسطے اس کے اور یہ قول قدیم ہے اور دونوں کا اور داخل کیا اس کو محمدؒ نے اپنی تصانیف قدیمہ میں اور مشتہر ہوئے نسخے اطراف میں، دوسرا مستحسن ہونا قرأۃ فاتحہ کا از راہ احتیاط کے اور نہ مکروہ ہونا وقت آہستہ پڑھنے کے بسبب حدیث مرفوع کے کہ نہ کرو قرأت مگر ساتھ سورۃ فاتحہ کے اور ایک روایت میں ہے نہ پڑھو کچھ جس وقت باآواز پڑھوں میں قرأت مگر سورۃ فاتحہ اور کہا عطاء نے تھے یعنی صحابی قائل اس بات کے کہ مقتدی قرأۃ کرے اس نماز میں کہ باآواز بلند پڑھتا ہے امام اور اس میں کہ آہستہ پڑھتا ہے۔ پس رجوع کیا دونوں نے یعنی ابوحنیفہؒ اور محمدؒ نے اپنے قول اول سے طرف قول ثانی کے احتیاطاً الخ) اور ملا جیونؒ نے تفسیر احمدی میں تحریر کیا ہے فان[1] رایت الطائفۃ الصوفیۃ والمشائخین الحنفیۃ تراھم یستحسنون قرأۃ الفاتحۃ للموتم کما استحسن محمد ایضاً احتیاطاً اور حضرت شاہ شیخ فریدالدین بہاری قدس سرہٗ کے ملفوظات مسمی بخوان پر نعمت میں ہے، از اینجا بازبیچارہ عرضداشت کہ قرأت فاتحہ خلف الامام مقتدی را وعید است آنجا چہ کند فرمو فاتحہ بکنند و مشائخ ہم میخوانند الخ ابجد العلوم میں تحت ترجمہ حضرت میرزا مظہر جانجاناں رحمہ اللہ تعالٰے کے لکھا ہے و[2] یقوی قرأۃ الفاتحۃ خلف الامام عمدۃ الرعایہ میں مولانا محمد عبدالحیؒ لکھنوی مغفور تحریر فرماتے ہیں ومنہم من تفوہ[3] بفساد صلوٰۃ المقتدی

---

[1] پس اگر دیکھے تو گروہ صوفیہ اور مشائخین حنفیہ کو دیکھے گا تو ان کو کہ اچھا جانتے ہیں پڑھنا سورۃ فاتحہ کا واسطے مقتدی کے جیسا کہ مستحسن جانا سورۃ فاتحہ پڑھنے کو امام محمدؒ نے بھی از روئے احتیاط کے۔ [2] قوت دیتے تھے پڑھنے سورۃ فاتحہ کو پیچھے امام کے۔

[3] اور بعض فقہاء میں وہ شخص ہے کہ بکواس کی ہے اس نے ساتھ فاسد ہونے نماز مقتدی کے بسبب قرأۃ فاتحہ کے اور یہ قول شاذ مردود ہے۔

بها وهو قول شاذ مردود وروی عن محمدؒ انه استحسن قرأة الفاتحة للموتم فی السرية وروی مثله عن حنيفةؒ صرح به فی الهداية والمجتبیٰ شرح مختصر القدوری وغيرهما وهذا هو مختار كثير من مشائخنا وعلی هذا فلا يستنكر استحسانها فی الجهرية ايضاً اثناء سكتات الامام بشرط بان لا يخل استماع الخ فتاوی مفيد الاحناف۔

سوال: امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھنا احادیث صحیحہ مرفوعہ غیر منسوخہ سے ثابت ہے یا نہیں اور اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب: امام کے پیچھے سورہ فاتحہ کا پڑھنا خواہ صلوٰۃ سریہ میں ہو یا جہریہ میں احادیث صحیحہ مرفوعہ سے ثابت ہے عن عبادة بن الصامتؓ ان رسول الله صلی الله عليه وسلم قال لاصلوة لمن لم يقرأ بفاتحة الكتاب رواه البخاری ومسلم عن ابی هريرةؓ قال قال رسول الله صلی الله عليه وسلم من صلی صلوة ولم يقرأ فيها بام القرآن فهی خداج غير تمام ثلاثا فقيل لابی هريرةؓ انا نكون وراء الامام فقال اقرأ بها فی نفسك الحديث رواه مسلم عن عبادة بن الصامت قال صلی رسول الله صلی الله عليه وسلم الصبح فثقلت عليه القرأة فلما انصرف قال انی اراكم تقرؤن خلف امامكم قال قلنا يا رسول الله ای والله قال لا تفعلوا الا بام القرآن فانه لا صلوة لمن لم يقرأ بها رواه الترمذی وقال حديث عبادة حديث حسن (عبادہ بن صامت کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! جو الحمد نہ پڑھے اس کی نماز نہیں ہے، ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جو بغیر فاتحہ کے نماز پڑھے وہ نماز ناقص ہے پوری نہیں ہے تین مرتبہ فرمایا، ابوہریرہ سے سوال کیا گیا کہ ہم امام کے پیچھے ہوں تو کیا کریں؟ فرمایا اپنے دل میں آہستہ پڑھو، عبادہ بن صامت سے روایت ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صبح کی نماز پڑھائی، تو آپ پر قرأت بوجھل ہو گئی جب فارغ ہوئے تو فرمایا! میں دیکھتا ہوں کہ تم امام کے پیچھے قرأت کرتے ہو، ہم نے کہا ہاں اے اللہ کے رسول، آپ نے فرمایا! ام القرآن کے سوا کچھ نہ پڑھا کرو، کیوں کہ اس کے بغیر نماز نہیں ہوتی) اور روایت کی گئی ہے حدیث اس باب کی حضرت عائشہ وانس وابوقتادہ وعبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم سے، اور اسی

اور روایت کیا گیا ہے امام محمد سے یہ کہ مستحسن جانا ہے انہوں نے پڑھنا سورہ فاتحہ کا واسطے مقتدی کے نماز آہستہ میں اور روایت کیا گیا ہے مثل اس کے امام ابوحنیفہؒ سے، تصریح اس کی ہدایہ ومجتبیٰ شرح مختصر قدوری میں اور یہ مختار ہے نزدیک اکثر مشائخ ہمارے کے اور بنا بر اس کے پس نہیں انکار کیا جا سکتا مستحسن ہونا فاتحہ کا پڑھنا نماز جہریہ میں بھی درمیان سکتات امام کے بشرطیکہ مخل نہ ہو سننے میں ۱۲

پر عمل ہے بہت سے صحابہ اور تابعین اور محدثین کا، جیسا کہ جامع ترمذی میں مسطور ہے باقی رہا حکم اس کا پس بعض قائل فرضیت کے ہیں اور بعض قائل استحباب کے ہیں، جیسا کہ امام ابوعیسیٰ ترمذی اپنی جامع میں فرماتے ہیں: قد اختلف اهل العلم فی القرأة خلف الامام فرای اکثر اهل العلم من اصحاب النبی صلی الله علیه وسلم والتابعین ومن بعدهم القرأة خلف الامام وبه یقول مالك وابن المبارك والشافعی واحمد واسحاق وروی عن عبد الله بن المبارك انه قال انا اقرأ خلف الامام والناس یقرؤن الا قوم من الکوفیین واری من یقرأ صلوته جائزة وشدد قوم من اهل العلم فی ترك قرأة فاتحة الکتاب وان کان خلف الامام فقالوا لا تجزئ صلوة لا بقرأة فاتحة الکتاب وحده کان او خلف الامام وذهبوا الی ما روی عبادة بن صامت عن النبی صلی الله علیه وسلم وقرأ عبادة بن صامت بعد النبی صلی الله علیه وسلم خلف الامام انتهی

(امام کے پیچھے الحمد پڑھنے میں علماء کا اختلاف ہے صحابہ کرام، تابعین اور تبع تابعین کی اکثریت الحمد پڑھنے کے قائل ہیں، امام مالک، احمد بن حنبل، ابن مبارک، امام شافعی، اسحاق بن راہویہ کا یہی مذہب ہے، عبداللہ بن مبارک نے کہا، میں امام کے پیچھے الحمد پڑھتا ہوں اور دوسرے تمام لوگ بھی ما سوائے کوفیوں کی ایک جماعت کے پیچھے الحمد پڑھتے ہیں، میں اس آدمی کی نماز کو جائز سمجھتا ہوں جو امام کے پیچھے الحمد نہیں پڑھتا، لیکن اہل علم کی دوسری جماعت تو اس معاملہ میں بڑی سخت ہے۔ وہ ایسی نماز کو صحیح نہیں سمجھتے جس میں فاتحہ نہ پڑھی گئی ہو، ان لوگوں نے عبادہ بن صامت کی حدیث اور ان کے طرز عمل سے استدلال کیا ہے۔) اور دلائل دونوں طرف کے اپنی جگہ پر مذکور ہیں اور وہ روایات جو دربارہ عدم جواز قرأت کے مروی ہیں وہ مقابلہ ان روایات صحیحہ کا نہیں کر سکتی ہیں۔

حررہ ابو الطیب محمد شمس الحق عفی عنہ — سید محمد نذیر حسین — فتاوٰی نذیریہ جلد اوّل صـ ۳۹۲

سوال: فاتحہ خلف الامام فرض ہے یا واجب یا سنت یا مستحب ہے؟

الجواب: فاتحہ خلف الامام پڑھنا فرض ہے۔ بغیر فاتحہ پڑھے ہوئے نماز نہیں ہوتی۔ تمام کتب احادیث میں مرقوم ہے۔ واللہ اعلم حررہ السید محمد عبد الحفیظ غفرلہ

سید محمد نذیر حسین

سید محمد ابو الحسن

سید محمد عبد السلام غفرلہ

فتاوٰی نذیریہ جلد اوّل صـ ۳۹۸

سوال: اگر عورت گھر میں نماز فرض پڑھے تو نماز جہریہ میں قرأت بالجہر کر سکتی ہے یا نہیں؟
جواب: بے شک کر سکتی ہے مخالفت کی کوئی دلیل نہیں۔ مولانا محمد یونس دہلوی (اہلحدیث گزٹ جلد ۸ ش ۱۳)

سوال: دن کی نمازوں میں قرأت بالسر کرنے کا حکم ہے اور رات کی نمازوں میں بالجہر، اس کی کیا حکمت ہے
و نیز نماز جمعہ و عیدین میں اس کے برعکس کیوں ہے، بیان فرماویں۔ سائل فضل الرحمان از چمپارن
جواب: ذکر اللہ کی دو قسمیں ہیں، جہری، سری۔ رات کو قرأت بالجہر رکھی گئی ہے اور دن کو بالسر تاکہ
مصلی دونوں قسم کے ذکر کا جامع ہو۔ ماہر اسرار شریعت حضرت شاہ ولی اللہ صاحب اپنی قابل قدر کتاب
حجۃ اللہ البالغہ میں لکھتے ہیں، چونکہ دن کے وقت شور و شغف زیادہ رہتا ہے ایسی حالت میں قرأت بالجہر
مفید نہیں پڑتی۔ اس لیے دن کے وقت آہستہ قرأت کا حکم دیا گیا، رات کا وقت سکون کا ہوتا ہے، لوگ
جہر سے مستفید ہوتے ہیں اس لیے رات کو بالجہر قرأت کا حکم رکھا گیا، جمعہ و عیدین میں چوں کہ مجمع کثیر ہوتا ہے
اس لیے مجمع کا لحاظ رکھتے ہوئے جہر مناسب ہے۔ مولانا محمد یونس صاحب دہلوی (اہلحدیث گزٹ جلد ۸، ش ۱۶)

سوال: جو شخص امام کے پیچھے کسی رکعت میں سورۃ فاتحہ نہ پڑھ سکا اس کی وہ رکعت ہوئی یا نہ؟
الجواب: بغیر سورۃ فاتحہ کے رکعت پوری نہیں ہوئی ہے، ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ پڑھنا فرض ہے پس
صورت مسئولہ میں اس شخص کی وہ رکعت نہیں ہوئی، اس کو دہرانا چاہیے؛

عن[1] ابی ہریرۃ رض ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال من ادرک الامام فی الرکوع
فلیرکع معہ ولیعد الرکعۃ رواہ البخاری فی جزء القرأۃ نیل الاوطار میں ہے قد[2] حکی ھذا المذھب البخاری
فی جزء القرأۃ عن کل من ذھب الی وجوب القرأۃ خلف الامام وحکاہ فی الفتح عن جماعۃ من الشافعیۃ
وقواہ الشیخ تقی الدین السبکی الخ واللہ تعالیٰ اعلم حررہ محمد عبد الحق ملتانی
سید محمد نذیر حسین — فتاوی نذیریہ جلد اول صہ ۳۹۸

---

[1] رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جس نے امام کو رکوع میں پایا وہ اس کے ساتھ رکعت ادا کرے اور اس رکعت کو لوٹائے ۱۲
[2] امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے جزء القرأۃ میں ہر اس آدمی سے یہی بیان کیا ہے جو امام کے پیچھے فاتحہ پڑھنے کا قائل ہے۔ شوافع کی
ایک جماعت کا یہی مذہب ہے۔ اور سبکی نے اسی کو قوی کہا ہے ۱۲۔

سوال : حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم وآنجناب کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ودیگر ائمہ وبزرگانِ دین جن کے اسم ہائے مبارک ذیل میں درج ہیں۔ ان کی نسبت جواب کو سوال کے مطابق ارقام فرمائیں اور ثواب دارین حاصل کریں۔

۱۔ بحالت نماز جماعت خلف امام سورۃ فاتحہ پڑھتے تھے یا نہیں؟

۲۔ آیا آپ بحالت نماز جماعت ختم قرأت فاتحہ آمین بالجہر کہتے تھے یا نہیں؟

۳۔ آیا بحالتِ نماز رفع یدین کے عامل تھے یا نہیں، آیا بحالت نماز ہاتھ زیر ناف باندھتے تھے یا سینہ پر؟

۴۔ ماہِ رمضان المبارک میں تراویح معہ وتر کتنی رکعت پڑھتے؛ بحوالہ کتب معتبرہ شرعیہ سے تحریر فرمایا جاوے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ، حضرت امام زین العابدین رضی اللہ عنہ، حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ، حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ حضرت امام مالک رضی اللہ عنہ، حضرت امام شافعی رضی اللہ عنہ، حضرت احمد حنبل رحمۃ اللہ علیہ، حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ، حضرت امام غزالی رضی اللہ عنہ۔

از مولوی نور الٰہی صاحب نور گھر جاکھی خطیب شیخوپورہ ۱۴ دسمبر سنہ ۱۹۳۴ء

جواب : قرآن مجید بتا رہا ہے۔ کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کوئی حکم اپنی مرضی سے نہیں دیا کرتے تھے۔ بلکہ وہی فرماتے تھے جس کا حکم اللہ سبحانہٗ تعالےٰ کی طرف سے صادر ہوتا تھا۔ (۲) رسولِ خدا احمد مجتبےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے بحکم خدا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کو ارشاد فرمایا۔ لا تقرؤا بشیئ من القرآن اذا جھرت الا بام القرآن (ابوداؤد) جب میں جہری نمازوں میں قرأت پکار کر پڑھوں تو تم اس وقت سوائے سورۂ فاتحہ کے اور کوئی سورت قرآن کی میرے پیچھے نہ پڑھا کرو۔

۳۔ فانہ لا صلوٰۃ لمن لم یقرء بفاتحۃ الکتاب کیونکہ جو شخص سورۃ فاتحہ امام کے پیچھے نہ پڑھے اسکی نماز ہی نہیں ہوتی۔ (مشکوٰۃ باب القرأۃ فی الصلوٰۃ)

۴۔ آثار صحابہؓ سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اپنے پیارے رسول کے احکام عالیہ کی تعمیل بڑے تپاک سے کرتے تھے۔ آپ کا فرمان سن کر حاضرین میں سے ایک بھی ایسا نہ تھا جو فاتحہ خلف الامام کا قائل نہ ہو۔

۵۔ چنانچہ امام ترمذی حدیث عبادہ کے ماتحت فرماتے ہیں۔ والعمل علی ھذا الحدیث فی القراءۃ خلف الامام عند اکثر اھل العلم من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم والتابعین وھو قول مالک ابن انس

وابن المبارك والشافعي واحمد واسحٰق یرون القراءة خلف الامام۔

اکثر صحابہ کرام اور تابعین کا عمل فاتحہ خلف الامام پر تھا اور امام مالک اور شافعی اور احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سب فاتحہ خلف الامام کے قائل تھے۔ (ترمذی)

۶۔ حارث اور یزید بن شریک فرماتے ہیں۔ امرنا عمر ابن الخطاب رضی اللہ عنہ قرأة خلف الامام کہ ہم کو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حکم دیا کہ امام کے پیچھے پڑھا کریں۔ (جزء القراۃ للبیہقی ص۹۶، مستدرک حاکم ص۲۳۹، کنز العمال)

۷۔ وعن علي انه كان يامران يقرأ خلف الامام اور حضرت علی المرتضیٰ شیر خدا رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی فاتحہ خلف الامام کا حکم کیا کرتے تھے۔ (جزء القراۃ ص۴۲)

۸۔ وعن الحسن انه يقول اقرؤا خلف الامام في كل صلوٰة بفاتحة الكتاب في نفسك، اور امام حسنؒ فرماتے ہیں کہ امام کے پیچھے ہر ایک نماز (خواہ سری ہو یا جہری) سورۃ فاتحہ پڑھا کرو۔ (جزء القراۃ)

۹۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ بھی فاتحہ خلف الامام کے قائل ہیں اور فرماتے ہیں جو شخص امام کے پیچھے الحمد نہ پڑھے اسکی نماز نہیں ہوتی۔ (دیکھو احیاء العلوم مصنفہ امام غزالیؒ)

۱۰۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ بھی سری نمازوں میں فاتحہ کے جواز کے قائل تھے اور جہری نماز میں بھی اگر سکتات میں پڑھ لے تو کوئی حرج نہیں۔ (عمدۃ الرعایہ ص۱۴۳)

۱۱۔ ملا جیون حنفی مصنف نور الانوار اپنی تفسیر احمدی میں فرماتے ہیں: فان الطائفة الصوفية والمشائخين الحنفية تراهم يستحسنون قرأة الفاتحة للمؤتم كما استحسنه محمد احتياطا فيما روى عنه: صوفیہ کرام اور مشائخ حنفیہ بھی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی طرح فاتحہ خلف الامام کو مستحسن اور اچھا سمجھتے تھے احتیاطاً جس طرح ہدایہ وغیرہ میں بھی ہے۔

۱۲۔ امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ فاتحہ خلف الامام واجب ہے۔ اس کے بغیر نماز نہیں ہوتی، یہی مذہب ہے۔ امام مالک اور امام شافعی اور جمہور علماء صحابہ اور تابعین اور تبع تابعین رضوان اللہ علیہم اجمعین کا (نووی شرح مسلم)

۱۳۔ پیر عبد القادر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ سورۃ فاتحہ ارکان نماز میں سے ہے۔ (غنیہ ص۱۰)

اور اگر کوئی رکن جان بوجھ کر چھوڑ دے یا بھول جاوے تو اس کی نماز باطل ہو جاتی ہے۔ (لہذا فاتحہ ضرور پڑھنی چاہیئے) (غنیۃ الطالبین ص۱۲)

۱۴۔ عبد اللہ بن مبارک شاگرد امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، انا اقرء خلف الامام والناس يقرؤن

اِلاّ قوم من الکوفیین کہ میں امام کے پیچھے پڑھتا ہوں اور تمام لوگ پڑھتے ہیں۔ مگر کوفیوں کی قوم نہیں پڑھتی (ترمذی)

۱۶ خلاصہ تمام مضمون کا یہ ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے بامر اللہ تعالےٰ صحابہ کرام کو فرمایا میرے پیچھے سورہ فاتحہ ضرور پڑھا کرو۔ ورنہ تمہاری نماز باطل ہو جائے گی۔ یہ حکم سُن کر تمام جاں نثار فاتحہ خلف الامام کے قائل و فاعل تھے، خصوصاً حضرت عمر فاروقؓ و علی المرتضیٰ وغیرہ تو حکماً پڑھوایا کرتے تھے اسی طرح تابعین بھی فاتحہ خلف الامام کے قائل تھے اور ائمہ کرام میں سے امام مالکؒ اور امام شافعیؒ اور امام احمدؒ اور امام غزالیؒ اور امام حسینؒ اور دیگر ائمہ بھی فاتحہ خلف الامام کے قائل تھے۔

۱۷ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ آمین بالجہر بعد قرأت فاتحہ کہا کرتے تھے۔ وائل بن حجرؓ کہتے ہیں:۔ صلیت خلف النبی صلی اللہ علیہ وسلم فلما قال ولا الضالین قال اٰمین ومد بھا صوتہ۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے جب کبھی نماز پڑھی آپ نے ولا الضالین کے بعد آمین دراز آواز سے کہی" (ترمذی صد ۳۴ ابوداؤد صد ۱۳۶ ابن ماجہ، تلخیص الجبیر صد ۸۹ منتقی صد ۵۹، دارمی صد ۱۲۱، دارقطنی صد ۱۲۷ مشکوٰۃ صد ۸۰)

۲ ایک روایت ہے: اذا قرأ ولا الضالین قال آمین رفع بھا صوتہ، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۃ فاتحہ ختم کی تو آپ نے بلند آواز سے آمین کہی۔ (ابوداؤد صد ۱۳۶ وعون المعبود صد ۳۵۱)

۳ ایک روایت میں ہے: انہ صلی خلف النبی صلی اللہ علیہ وسلم فجھر بآمین کہ وائلؓ نے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھی تو آپ نے آمین بالجہر کہی۔ (ابوداؤد صد ۱۳۶)

۴ علامہ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث کو ابن حبان نے بھی روایت کیا ہے۔ (سندہ صحیح) اور سند اس کی صحیح ہے۔ وصححہ الدارقطنی اور صحیح کہا اس کو دارقطنی نے۔ (تلخیص الجبیر صد ۸۹)

۵ امام ترمذی فرماتے ہیں حدیث وائل ابن حجر حدیث حسن" کہ حدیث وائل ابن حجرؓ جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا آمین پکار کر کہنے کا ذکر ہے۔ حسن ہے۔ (ترمذی صد ۳۴)

۶ اس حدیث کے آگے امام ترمذی فرماتے ہیں: وبہ یقول غیر واحد من اھل العلم من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم والتابعین ومن بعدھم یرون ان یرفع الرجل صوتہ بالتامین ولا یخفیھا وبہ یقول الشافعی واحمد واسحق۔

اور بہت سے اہل علم صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور تابعین و تبع تابعین فرماتے ہیں کہ آمین پکار کر کہی جاوے۔ اور آہستہ نہ کہی جائے۔ اور اس طرح امام شافعیؒ اور امام احمد اور اسحق فرماتے ہیں کہ آمین بالجہر

کہنی چاہیئے۔ (ترمذی[1] صہ ۳۴)

۷۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان اذا قرء ولا الضالین رفع صوت بآمین۔ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم جب ولا الضالین پڑھتے تو آمین بلند آواز سے پکار کر کہتے۔ (اعلام الموقعین جلد ۲ صہ ۲۲، کنز الاعمال صہ ۳ جلد ۱۸۶)

۸۔ اور تحفۃ الاحوذی میں مولانا عبد الرحمٰن فرماتے ہیں: ولم یثبت من احد من الصحابۃ الاسرار بالتامین بالسند الصحیح۔ کہ رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابی سے بھی صحیح سند سے آمین آہستہ کہنا ثابت نہیں۔ (تحفۃ الاحوذی صہ ۲۰۹)

۹۔ حضرت عطاؒ فرماتے ہیں ادرکت مائتین من الصحابۃ اذا قال الامام ولا الضالین رفعوا اصواتھم بآمین۔ کہ میں نے مدینہ منورہ کی مسجد میں دو سو صحابہ کو دیکھا کہ جب امام سورۃ فاتحہ کرتا ختم، تو سب کے سب بلند آواز سے آمین کہتے اور مسجد میں گونج پیدا ہوتی۔ (بیہقی جلد ۲ صہ ۵۹ اعلام جلد ۲ صہ ۵ قسطلانی[2] صہ ۸۵/۲)

۱۰۔ پیر عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، والجہر بالقرأۃ والآمین کہ جہری نمازوں میں جب قرأۃ بلند آواز سے پڑھی جائے اس میں آمین بھی پکار کر کہی جائے۔ (غنیۃ الطالبین صہ ۱۰)

۱۱۔ امام غزالیؒ آمین بالجہر کو سنت قرار دیتے ہیں۔ (احیاء العلوم)

۱۲۔ خلاصہ مضمون یہ ہے کہ رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وسلم ہمیشہ نمازوں میں سورۃ فاتحہ ختم کرنے کے بعد آمین پکار کر کہا کرتے تھے۔ اور آپ کے صحابہ کرام کا یہی دستور تھا۔ ائمہ اسلام متبع سنت اسی طرف گئے ہیں۔ امام حسن و حسین وزین العابدین رضی اللہ عنہم اپنے نانا حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف عمل نہیں کرتے تھے۔ حضرت معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ اور نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کا حال مجھے معلوم نہیں۔ کسی صاحب کو معلوم ہو تو لکھ دیں۔

آمین بالجہر کے متعلق زیادہ تفصیل منظور ہو تو میرا رسالہ "اثبات آمین بالجہر" جس میں تین سو حوالے دیئے گئے ہیں۔ مطالعہ فرمائیں۔

---

[1] یہ ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سَورۃ بن موسیٰ بن الضحاک السلمی البوغی کی تالیف ہے۔ یہ امام بخاریؒ کے سب سے مشہور تلامذہ میں شمار ہوتے ہیں۔ [2] یہ شیخ شہاب الدین احمد بن محمد بن ابی بکر بن عبد الملک بن احمد بن محمد بن الحسین قسطلانی مصری شافعی کی تصنیف ہے۔ متوفی محرم ۹۲۳ھ (سعیدی)

نقل فتوےٰ مولانا شاہ عبد العزیز صاحب قدس سرہٗ

دربارہ قرأۃ فاتحہ خلف الامام

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم الحمد للہ رب العلمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسولہ محمد والہٖ واصحابہٖ اجمعین

امابعد نالائق و ناکارہ خلائق محمد غلام اکبر خان عفا عنہ الرحمٰن سنی محمدی بھائیوں کی خدمت بابرکت میں عرض کرتا ہے۔ کہ یہ فتوٰی حضرت مولانا شاہ عبد العزیز صاحب محدث دہلوی قدس سرہٗ کا ہے کہ جسے عُلماء کلکتہ نے ۱۲۵۶ھ میں جناب مرزا کریم بیگ صاحب مرحوم کے اس مجموعہ سے جس میں انہوں نے تمام خاندان حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلی رحمۃ اللہ علیہ کے فتووں کو جمع کیا ہے، چھاپ کر عام میں شائع کیا تھا۔ اس عاجز نے اس فتوے کو واسطے فائدہ عام مومنین کے بخواہش چند احباب دین باعانت محبی سراج دین و مشفقی میاں انعام اللہ صاحب کے ۱۱۹۸ھ میں طبع کرا دیا۔ خدا تعالےٰ عام مومنین کو اس سے فائدہ بخشے اور رسالہ مذکورہ مطبوعہ کلکتہ عاجز کے پاس موجود ہے، جن حضرات کو اس میں کچھ شک واقع ہو، وہ اس رسالہ کو ذرا تکلیف فرما کر بچشم خود دیکھ جاویں۔

سوال : اور قرأۃ سورۃ فاتحہ) مقتدی را باقتدائے امام درنماز بملاحظہ حدیث لاصلوٰۃ الا بفاتحۃ الکتاب و آیۃ کریمہ وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا چہ شد خواہد شد و از قول ابی حنیفہ چناں معلوم شد کہ خواندن فاتحہ باقتدائے امام مقتدی را ممنوع است و نزد شافعیؒ بغیر خواندن فاتحہ عدم جواز الصلوٰۃ قرار یافتہ چہ باید کرد، و عمل بر فتوے کدام بزرگ دریں امر مستحسن است۔ بینوا توجروا فقط

جواب : از مولانا شاہ عبد العزیز صاحب: خواندن سورہ فاتحہ باقتدائے امام مقتدی را نزد ابوحنیفہؒ ممنوع است و نزد شافعیؒ بدوں خواندن سورہ فاتحہ عدم جواز الصلوٰۃ و نزد فقیر ہم قول شافعیؒ ارجح است و اولیٰ چراکہ بملاحظہ حدیث لاصلوٰۃ الا بفاتحۃ الکتاب بطلان نماز ثابت می شود۔ و قول ابوحنیفہؒ جا بجا داروا ست کہ جائیکہ حدیث وارد شود و قول من خالفش افتد، قول ما را ترک باید نمود و بر حدیث عمل باید کرد۔ و حال آیہ کریمہ "واذا قری القرآن الخ" ایں است کہ ہرگاہ امام سورہ دیگر ضم کند۔ مقتدی خاموش گردیدہ سماعت کند۔ نہ کہ برائے سورہ فاتحہ کہ ام الکتاب است لیستثنٰی است۔ از مفہوم بعض احادیث صحیحہ علما محققین و محدثین و مفسرین دریں باب بسیار گفتگو می کردہ اند۔ منقح بریں معنی گردید کہ سورہٗ فاتحہ در پس امام باید خواند۔ بایں طور کہ ہرگاہ امام لفظ الحمد بخواند

مقتدی بشنود و بگوید الحمد للہ تا آخر سورہ ہمیں طور با خفا ضم کردہ باشد۔ و ہر گام امام بآمین برسد ہمہ مقتدیان بگوئید بالمد والجہر آمین وایں باب ہم در صحیح بخاری حدیثے وارد شدہ است الحال شان نزول موافق بیان و تحقیقات الشیخ الاکمل شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی دریافت باید کرد کہ پیغمبر خدا صلعم در مسجد مدینہ نماز ادا مے فرمودند و صحابہ نیز باقتدائے آنحضرت صلعم نمازے خواندند و سر سورہ را کہ پیغمبر خدا صلعم بہ جہر ضم مے فرمودند و مقتدیان آں را خفی مے خواندند ہر گاہ الحمد تمام نمودہ شروع سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلَى الَّذِیْ الخ فرمودند صحابہ نیز بمتابعت شروع سورۂ مذکورہ نمودند۔ پس درہمیں اثنا ایں نازل گردید وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ الخ پیغمبر خدا صلعم فرمودند قرأۃ الامام قرأۃ لہ ازیں جا صاف شد کہ آیت مذکورہ برائے ممانعت سورۂ دیگر وارد گردید نہ کہ برائے سورۃ فاتحہ از ہمہ صحابہ بہ تبعیت رسول اللہ صلعم سورۃ فاتحہ ہمیشہ ادا مے نمودند گاہے رسول اللہ صلعم ممانعت نہ فرمودند۔ لہذا لازم است کہ ضم فاتحہ مقتدی بہ تبعیت امام نیز کردہ باشد۔ و اخل تابعان مفسرین و محدثین خواہند شد وازیں معنی از ترک فاتحہ خلاف حدیث صحیح عملش واقع خواہد شد و چہ عجب کہ صحت ایں حدیث با امام ابو حنیفہؒ رسیدہ باشد۔ ہر گاہ کہ الحال از صدہا و ہزارہا مرحوم علما محققین مثل امام بخاریؒ و صاحب مسلمؒ وغیرہم صحت ایں حدیث ثابت شد از ترکش ملام و مطعون خواہد شد۔ فقط

مختصر ترجمہ یہ ہے کہ شاہ عبد العزیز صاحب فرماتے ہیں۔ مقتدی کا امام کے پیچھے فاتحہ پڑھنا اولیٰ اور بہتر ہے۔

فتوےٰ خاندان دہلوی بابت فاتحہ خلف الامام

حضرت مولانا شاہ عبد العزیز صاحب کے فتوے کا اردو ترجمہ درج ذیل ہے۔ آپ کا اصل فتوے فارسی میں ہے۔ جو اوپر لکھا گیا۔ فقط راز

سوال: سورہ فاتحہ پڑھنی مقتدی کو امام کے پیچھے بہ لحاظ حدیث "لا صلوٰۃ الا بفاتحۃ الکتاب" اور بلحاظ آیۃ شریف وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنصِتُوا۔ کیا حکم ہوگا اور امام ابو حنیفہؒ کے قول سے معلوم ہوتا ہے کہ الحمد پڑھنا امام کے پیچھے منع ہے۔ اور امام شافعیؒ کے نزدیک بدوں پڑھے نماز جائز نہیں۔ کیا کرنا چاہیئے۔ اور کس کے فتوے پر عمل بہتر ہے؟

جواب: پڑھنا سورۃ فاتحہ کا مقتدی کو امام کے پیچھے امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک منع ہے اور امام محمدؒ کے

نزدیک امام کے آہستہ پڑھنے میں (نماز سریہ میں) جائز بلکہ اولیٰ ہے۔ اور نزدیک امام شافعیؒ کے بغیر سورہ فاتحہ پڑھے نماز جائز نہیں اور نزدیک فقیر کے بھی قول امام شافعیؒ کا ترجیح رکھتا ہے اور بہتر ہے کیوں کہ بلحاظ حدیث صحیح "لاصلوٰۃ الابفاتحۃ الکتاب" کے نماز باطل ہونا ثابت ہوتا ہے۔ اور قول امام ابو حنیفہؒ کا جا بجا وارد ہے کہ جس جگہ حدیث صحیح وارد ہو اور میری بات اس کے خلاف پڑے تو میرے قول کو ترک کر کے حدیث پر عمل کرنا چاہیئے اور مطلب آیت کریمہ کا یہ ہے کہ جس وقت امام دوسری سورۃ ملاوے تو مقتدی چپ رہے اور سنے تاکہ سورۃ فاتحہ کے لئے کہ ام الکتاب ہے۔ اور مستثنیٰ ہے بعض احادیث صحیحہ کے مفہوم سے اور علمار محققین و محدثین و مفسرین نے اس باب میں بہت گفتگو کی ہے۔ بالآخر تجویز یہ ہوئی کہ سورۃ فاتحہ پیچھے امام کے مقتدی پڑھے اس طور کہ جس وقت امام لفظ الحمد پڑھے مقتدی سنے اور کہے الحمد للہ آخر سورۃ تک اسی طور سے باہستگی ملاوے اور جب امام آمین پر پہنچے تو سب مقتدی پکار کر آمین کہے اور اس باب میں صحیح بخاری میں بھی ایک حدیث وارد ہے۔ اب شان نزول موافق بیان اور تحقیقات شیخ کامل شاہ ولی اللہ صاحبؒ محدث دہلوی کے معلوم کرنا چاہیئے۔ کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ کی مسجد میں نماز پڑھتے تھے اور صحابہ بھی آپ کے پیچھے نماز پڑھتے تھے اور جس سورۃ کو آپ جہر سے پڑھتے مقتدی بھی آہستہ اس کو پڑھتے جب سورۃ فاتحہ پڑھ کر "سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى الَّذِي الخ" شروع کیا تو صحابہ بھی بنظر اتباع پڑھنے لگے اسی اثنا میں یہ آیت نازل ہوئی تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! قرأۃ امام قرأۃ مقتدی کی ہے اس سے صاف معلوم ہوتا ہے۔ کہ یہ آیت دوسری سورۃ کے منع میں نازل ہوئی نہ کہ سورۃ فاتحہ کے لئے۔ اور پھر سب صحابہ پیچھے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے سورۃ فاتحہ ہمیشہ ادا کرتے رہے کبھی آپ نے منع نہ فرمایا پس لازم ہے کہ سورہ فاتحہ کو مقتدی امام کے پیچھے پڑھا کریں تابعداروں میں مفسرین اور محدثین کے داخل رہیں۔ اور سورہ فاتحہ کے چھوڑنے میں خلاف حدیث صحیح کے ہوگا۔ اور کیا تعجب ہے۔ کہ صحت اس حدیث کی امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو نہ پہنچی ہو اور جب کہ صدہا اور ہزارہا علما محققین مثل امام بخاری وصاحب مسلم وغیرہ رحمہم اللہ پر صحت اس کی ثابت ہو گئی تو اس کے چھوڑنے میں مطعون ہوگا۔ انتہیٰ۔

قارئین کرام کو معلوم ہو گا کہ شاہ عبد العزیزؒ وشاہ ولی اللہ صاحب کہاں تک حق بجانب ہیں کیا ان کا یہ قول قابل عمل نہیں؟ سلیم الطبع حضرات فوراً اس پر عمل پیرا ہو کر ثواب دارین کے مستحق ہونگے لیکن جو لوگ تقلید کے پیچھے اپنی قوت مدرکہ سلب کر چکے ہوں اور ہٹ دھرمی کا مادہ جن کے رگ و ریشہ میں پیوست ہے۔ وہ کسی حالت سے اس پر عمل کرنے کے لئے تیار نہ ہوں گے۔ اور ایسے لوگ میری تحریر سے

مستثنیٰ ہیں یہ تو ان لوگوں کیلئے لکھا گیا جنہیں حق کی تلاش منظور ہے۔

حضرت مولانا عبدالحی صاحب لکھنوی عمدۃ الرعایہ میں فرماتے ہیں وروی عن محمد انہ استحسن قرأۃ الفاتحۃ خلف الامام فی السریۃ وروی مثلہ عن ابی حنیفۃ صرح بہ فی الھدایۃ والمجتبیٰ شرح مختصر القدوری وغیرھما . وھذا ھو مختار کثیر من مشائخنا" یعنی امام محمدؒ سے مروی ہے کہ انہوں نے امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ پڑھنے کو سری میں مستحسن بتایا ہے۔ اور اسی طرح امام ابوحنیفہؒ سے روایت کیا گیا ہے۔ اور اسی کو ہمارے بہت سے مشائخ نے اختیار کیا ہے۔

عبداللہ بن مبارک (شاگرد امام اعظم) فرماتے ہیں انا اقرء خلف الامام والناس یقرؤن الا قوم من الکوفیین میں اور لوگ امام کے پیچھے پڑھتے ہیں مگر کوفے والوں میں سے ایک قوم (یہ اشارہ ہے امام اعظم صاحب کی طرف) علامہ شعرانی لکھتے ہیں، لابی حنیفۃ ومحمد قولان احدھما عدم وجوبھا علی الماموم ولا تسن وھذا قولھما القدیم وادخلہ محمد فی تصانیفہ القدیمۃ انتشرت النسخ الی الاطراف وثانیھما استحسانھا علی سبیل الاحتیاط وعدم کراھتھا عند المخافۃ للحدیث المرفوع لا تفعلوا الا بام القرآن وفی روایۃ لا تقرؤا بشیئ اذا جھرت الا بام القران وقال عطاء کانوا یرون علی الماموم القرأۃ فی ما یجھر فیہ الامام فی ما لیس فرجعا من قولھما الاول الی الثانی احتیاطا انتھیٰ کذا فی غیث الغمام حاشیۃ امام الکلام۔ خلاصہ ترجمہ اس عبارت کا یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام محمدرح کے دو قول ہیں ایک یہ کہ مقتدی کو الحمد پڑھنا نہ واجب ہے اور نہ سنت اور ان دونوں آئمہ کا یہ قول پرانا ہے۔ اور امام محمدؒ نے اپنی قدیم تصنیفات میں اس قول کو درج کیا ہے۔ اور ان کے نسخ اطراف وجوانب میں پھیل گئے اور دوسرا قول یہ ہے کہ مقتدی کو نماز میں الحمد پڑھنا مستحسن ہے احتیاطاً اس واسطے کہ حدیث مرفوع میں باآواز بلند قرأت کروں تو تم لوگ کچھ نہ پڑھو مگر سورۃ فاتحہ اور عطاءؒ نے کہا (عطاء کے متعلق امام اعظم رضی اللہ تعالےٰ عنہ فرماتے ہیں" ما رایت فیمن لقیت افضل من عطاء یعنی عطاء سے افضل میں نے کسی کو نہیں دیکھا۔ (تخریج زیلعی ص۲۴۲ ج۱) کہ لوگ (صحابہؓ وتابعینؒ) کہتے تھے کہ نماز سری وجہری دونوں میں مقتدی کو پڑھنا چاہیئے۔ پس امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ نے احتیاطاً اپنے قول سے دوسرے قول کی طرف رجوع کیا۔"

علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ شارح بخاری میں لکھتے ہیں؛ بعض اصحابنا یستحسنون ذلک علی سبیل الاحتیاط فی جمیع الصلوٰۃ وبعضھم فی السریۃ فقط وعلیھا فقہاء الحجاز والشام کذا فی غیث الغمام ص۱۰۶۔

یعنی ہمارے بعض فقہاء حنفیہ نے ہر نماز میں خواہ سری ہو یا جہری امام کے پیچھے الحمد پڑھنے کو احتیاطاً مستحسن بتاتے ہیں اور بعض فقہاء فقط سری میں مکہ اور مدینہ اور ملک شام کے فقہاء کا اسی پر عمل ہے اور شیخ الاسلام مولانا عبدالرحیم صاحب فرماتے ہیں۔ لوکان فی فمی یوم القیامۃ جمرۃ احب الی من ان یقال لا صلوٰۃ لک اگر قیامت کے روز میرے منہ میں آگ ہو تو یہ بہتر ہے اس بات سے کہا جائے کہ تیری تو نماز ہی نہیں ہوئی۔ مولانا موصوف کے اس کلام سے اشارہ ہے اس گھڑی اور ضعیف حدیث کی طرف کہ جو شخص امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ پڑھے گا تو اس کے منہ میں قیامت کے دن آگ بھرا جائے گا۔

ملا جیون صاحب نورالانوار تفسیر احمدی میں لکھتے ہیں: فان رایت الطائفۃ الصوفیۃ و المشائخین الحنفیۃ تراھم یستحسنون قرأۃ الفاتحۃ للمؤتم کما استحسنہ محمدؒ ایضا احتیاطًا فیما روی عنہ انتہی اگر جماعت صوفیہ اور مشائخین کو دیکھو گے تو تمہیں معلوم ہوگا کہ یہ لوگ امام کے پیچھے الحمد پڑھنے کو مستحسن بتاتے ہیں جیساکہ امام محمدؒ استحسان کے قائل تھے۔ اور مولانا شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلویؒ نے امام کے پیچھے الحمد پڑھنے کو افضل بتایا ہے۔ دیکھو...... حجۃ اللہ البالغہ اور اپنے والد ماجد شاہ عبدالرحیم صاحب کے متعلق فرماتے ہیں۔ "مخفی نماند کہ حضرت ایشاں دراکثر امور موافق مذہب حنفی عمل مے کردند الا بعض چیزہا کہ بحسب حدیث یا باوجدان بمذہب دیگر ترجیح مے یافتند ازاں جملہ آنست کہ دراقتدا سورۂ فاتحہ می خواندند و در جنازہ نیز" اور مولانا محمد اسمٰعیل صاحب برادر زادہ شاہ عبدالعزیزؒ تنویر العینین میں فرماتے ہیں۔

یظھر بعد التامل فی الدلائل ان القرأۃ اولی من ترکھا فقد قولنا فیہ علی قول محمدؒ۔ تامل کے بعد دلائل میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ سورہ فاتحہ امام کے پیچھے پڑھنا بہتر ہے نہ پڑھنے سے پس اس مسئلہ میں ہمارا قول امام محمدؒ کے قول کے موافق ہے۔

لباب الالباب حنفی شرح ہدایہ میں لکھتے ہیں انہ لم یعتبر محمدؒ خلاف من قال تفسد صلوٰۃ المقتدی بقرأۃ خلف الامام لانہ بعید عن قواعد الشرع انتہی " زبدۃ الالباب" یعنی امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے نہیں اعتبار کیا اس شخص کا خلاف کرنے کا جو کہتا ہے کہ امام کے پیچھے پڑھنے سے مقتدی کی نماز فاسد ہو جاتی ہے۔ کیونکہ یہ بات قواعد شرع سے بعید ہے۔

تفسیر کبیر میں امام فخرالدین رازی نقل فرماتے ہیں، وافقنا ابوحنیفۃؒ فی ان القرأۃ خلف الامام لا تبطل الصلوٰۃ انتہی ہماری موافقت ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے کی اس بات میں کہ

الحمد امام کے پیچھے پڑھنے سے نماز باطل نہیں ہوتی۔

فتوٰی مذکور کی سند

فتوٰے مذکور کی سند کے متعلق مولوی محمد سعید صاحب بنارسی مرحوم تعلیم المبتدی میں لکھتے ہیں کہ یہ فتوٰے میں نے مولوی محمد یعقوب صاحب مرحوم دیو بندی مجموعہ قلمی میں جو انہوں نے اپنے والد ماجد مولانا مملوک علی صاحب مرحوم سے اور انہوں نے مولانا عبدالحی صاحب مرحوم نواسہ شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے حاصل کیا تھا بچشم خود دیکھا تھا اور نیز علماء کلکتہ نے ۱۲۵۶ھ میں بزمانہ شاہ محمد اسحاق صاحب دہلوی مجموعہ مرزا کریم اللہ صاحب بیگ و مرزا رحمت اللہ بیگ صاحب مرحوم سے جو انہوں نے مولانا عبدالحی صاحب مرحوم سے حاصل کیا تھا نقل لے کر طبع کرایا تھا۔ اور نیز مولانا جلال الدین احمد صاحب مرحوم اپنے رسالہ زبدۃ الالباب میں جو بزمانہ مولانا شاہ محمد اسحاق صاحب مرحوم دہلوی ۱۲۵۶ھ میں طبع ہوا تھا۔ فتوٰے مذکور کی سند نقل فرماتے ہیں۔ انتہی نسیم الانصاری مؤآئمی الہ آبادی (سائر علوم حاضرہ) مؤائمہ اعظم گڑھ فتاوٰی ثنائیہ جلد اول ص ۴۸۷ ۴۹۸

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ عمرو کہتا ہے۔ کہ آیت اَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَحْكَمِ الْحَاكِمِيْنَ اور سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلَى اور فَبِاَيِّ حَدِيْثٍ بَعْدَهٗ يُؤْمِنُوْنَ وغیرہ آیات کا جواب جس طرح قاری کو دینا چاہیئے، اسی طرح سامع کو بھی دینا چاہیئے اور زید کہتا ہے کہ ان آیات کا جواب صرف قاری کو دینا چاہیئے، پس ان دونوں میں سے کس کا قول حق و صواب ہے۔ بینوا توجروا۔

الجواب: صورت مسئول عنہا میں عمرو کا قول اقرب الی الصواب ہے۔ یعنی آیات مذکورہ کا جواب جس طرح سے قاری کو دینا چاہیئے، اسی طرح سے سامع کو بھی چاہیئے، اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بوقت قرأت ان آیتوں کا جواب دینا ثابت ہے۔ اور آپ کا کل قول و فعل امت کے لئے ہر وقت دستور العمل ہے۔ تاوقتیکہ اس کی تخصیص کسی خاص وقت یا شخص خاص یا حالت خاص کے ساتھ ثابت نہ ہو۔ مثلاً رفع الیدین اور وضع الیدین علی الصدر اور رفع سبابہ فی التشہد اور جلسہ استراحت اور تورک اور قبل افتتاح قرأت کے اَللّٰهُ اَكْبَرُ كَبِيْرًا وَّالْحَمْدُ لِلّٰهِ كَثِيْرًا وَسُبْحَانَ اللّٰهِ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا

یا انی وجهت وجهی للذی فطر السموٰت والارض الخ یا اللهم باعد بینی وبین خطایای کما باعدت بین المشرق والمغرب الخ پڑھنا یا رکوع میں سبوح قدوس رب الملائکۃ والروح اور سجدہ میں لک سجد وجهی وعظامی وصخی پڑھنا وغیر ذلک یہ ایسے افعال ہیں جن کی مسنونیت میں کسی طرح کا شک نہیں ہو سکتا ہے اور امت محمدیہ میں سے ہر شخص کے لئے یہ افعال مسنون ہیں۔ خواہ وہ شخص امام ہو یا مقتدی خواہ منفرد ہو، حالاں کہ یہ کہیں ثابت نہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے مقتدیوں کو ان امور کی تعلیم فرمائی ہے۔ یا عام طرح پر فرمایا ہے کہ جو شخص جب نماز پڑھے تو ایسا کرے، پھر بھی یہ احکام ہر شخص کے لئے اسی وجہ سے عام رہے، کہ قول و فعل پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم تمام افراد امت کے لئے دستور العمل ہوتا ہے جب تک حدیث مرفوع ہی سے تخصیص ثابت نہ ہو قال اللہ تعالیٰ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ[1] الآیۃ پس بنا برتقریر ہذا ان آیات کا جواب دینا ہر شخص کو چاہیئے، عام ازیں کہ قاری ہو یا سامع نماز میں ہو یا غیر نماز میں، امام ہو یا مقتدی یا منفرد۔ اتباعا لفعل النبی صلی اللہ علیہ وسلم کما رواہ ابوداؤد عن ابن عباس ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان اذا قرأ سبح اسم ربك الاعلی قال سبحان ربی الاعلی[2] وروی ایضا عن موسی بن عائشۃ قال کان رجل یصلی فوق بیتہ وکان اذا قرأ الیس ذلك بقادر علی ان یحیی الموتی قال سبحانك فبلی فسألوہ عن ذلك فقال سمعتہ من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وروی البیہقی عن علی انہ قرأ فی الصبح بسبح اسم ربك الاعلی فقال سبحان ربی الاعلی الحدیث وروی ابوداؤد عن عوف بن مالك الاشجعی قال قمت مع رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم لیلۃ فقام فقرأ سورۃ البقرۃ لایمر بایۃ رحمۃ الا وقف فسأل ولا یمر بایۃ عذاب الا وقف فتعوذ قال ثم رکع بقدر قیامہ یقول

---

[1] تمہارے لئے اللہ کے رسول میں ایک بہترین نمونہ ہے۔

[2] آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم جب سبح اسم ربک الاعلےٰ پڑھتے تھے تو سبحان ربی الاعلیٰ کہتے تھے۔ ایک آدمی اپنے مکان کی چھت پر نماز پڑھ رہا تھا۔ جب اس نے الیس ذلک بقادر علے ان یحیی الموتےٰ پڑھا۔ تو کہا سبحانک فبلی، لوگوں نے اس بارے میں اس سے پوچھا، تو اس نے کہا، کہ میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے اس کو سنا ہے۔ بیہقی میں روایت ہے کہ آپ نے صبح کی نماز میں سبح اسم ربک الاعلےٰ پڑھا، تو فرمایا سبحان ربی الاعلےٰ، عوف بن مالک کہتے ہیں۔ کہ ایک

فی رکوعہ سبحان ذی الجبروت والملکوت والکبریاء والعظمۃ ثم سجد بقدر قیامہ ثم قال فی سجودہ مثل ذلک ثم قام فقرأ بآل عمران ثم قرأ سورۃ الحدیث واخرجہ مسلم والترمذی والنسائی وابن ماجہ بنحوہ مختصرا ومطولا وروی الترمذی عن جابر قال خرج رسول اللہ صلی علیہ وسلم علی اصحابہ فقرأ علیہم سورۃ الرحمٰن من اولہا الی اٰخرہا فسکتوا فقال لقد قرأتہا علی الجن لیلۃ الجن فکانوا احسن مردودا منکم کنت کلما اتیت علی قولہ فبای الاء ربکما تکذبان قالوا لا بشیٔ من نعمک ربنا نکذب فلک الحمد انتہی۔

اس حدیث ترمذی سے یہ امر بھی معلوم ہوا کہ اس قسم کی آیتوں کا جواب قاری یا مصلی کے اعتبار سے نہیں ہے۔ بلکہ خود اس کلام پاک کے معنی اور موقع کے لحاظ سے ہے۔ جب ہی تو آپ نے صحابہ کرام کے سکوت پر اعتراض فرمایا اور جنات کے جواب دینے کو مدحیہ طور پر ذکر فرمایا، حالاں کہ آپ نے اس واقعہ سے قبل صحابہ کرام کو اس جواب کی تعلیم نہیں فرمائی تھی۔ پس معلوم ہوا کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی جن جن آیتوں کا جواب دیا ہے۔ وہ اس خصوصیت سے نہیں کہ آپ امام تھے یا قاری تھے۔ بلکہ ان آیتوں کا معنی اور موقعہ ہی ایسا تھا کہ جب وہ آیت پڑھی جاوے تو پڑھنے والا اور سننے والا ہر شخص ان کا مناسب جواب جو احادیث سے ثابت ہو دیوے۔

قال المناوی فی شرح الجامع الصغیر کان اذا قرأ قولہ تعالی الیس ذلک بقادر علی ان یحیی الموتی قال بلی واذا قرأ الیس اللہ باحکم الحاکمین قال بلی لان قولہ بمنزلۃ سوال فیحتاج الی الجواب ومن حق الخطاب ان لا یترک المخاطب جوابہ فیکون السامع کہیئۃ الغافل اوکمن لا یسمع

رات آپ نے نماز میں سورۃ بقر شروع کی، جب آپ کوئی رحمت کی آیت پڑھتے تو ٹھہر جاتے اور خدا سے رحمت کا سوال کرتے اور جب عذاب کی آیت پڑھتے تو اس سے پناہ مانگتے۔ پھر آپ نے قیام کے برابر رکوع کیا اور اس میں سبحان ذی الجبروت والملکوت والکبریاء والعظمۃ پڑھتے رہے۔ پھر سجدہ بھی قیام کے برابر کیا۔ اور اس میں بھی رکوع والی دعا پڑھتے رہے۔ پھر آپ کھڑے ہوئے تو سورت آل عمران اور سورت پڑھی۔ جابر کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ پر سورۃ الرحمٰن پڑھی وہ خاموشی سے سنتے رہے۔ آپ نے فرمایا! میں نے جنوں کی رات میں یہی سورۃ جنوں پر پڑھی تھی وہ تم سے جواب دینے میں اچھے رہے۔ جب بھی میں پڑھتا، فبای آلاء ربکما تکذبان تو وہ جواب دیتے! اے ہمارے رب ہم تیری کسی نعمت کا انکار نہیں کرتے، تیرے ہی لئے سب تعریفیں ہیں۔ اے جب اللہ تعالےٰ کا یہ قول الیس ذلک

ندب والمن مر بآیة رحمة ان یسأل الله الرحمة او عذاب ان یتعوذ من النار او یذکر الجنة بان یرغب الی الله فیہا او النار ان یستعیذ بہ منہا انتہی ثم قال اذا قرأ سبح اسم ربک الاعلی سبحان ربی الاعلی کما سمعت فیما قبلہ واخذ من ذلک ان للقاری او السامع کلما مر بآیة تنزیة ان ینزہ الله او تحمید ان یحمدہ او تکبیر ان یکبرہ وقس علیہ انتہی اور شرح صحیح مسلم للنووی میں ہے: اذا مر بآیة فیہا تسبیح سبح واذا مر بسوال سأل واذا مر بتعوذ تعوذ فیہ استحباب ہذہ الامور لکل قاری فی الصلوٰة اوغیرہا ومن ہنا استحبابہ للامام والماموم والمنفرد ۔ انتہی وہکذا فی کتاب الاذکار للنووی۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب ۔ حررہ ابو عبد الله محمد ادریس عفی عنہ سید محمد نذیر حسین (فتاویٰ نذیریہ ص ۲۲۰)

علمائے احناف اور فاتحہ خلف الامام

۱

شیخ نظام الدین اولیاء بدایونی دہلوی ؒ انہ کان حنفیا ولکنہ کان یجوز القرأة بالفاتحة خلف الامام فی الصلوٰة وکان یقرأہا فی نفسہ فعرض علیہ بعض اصحابہ ما روی ان ودوت ان الذی یقرأ خلف الامام فی فیہ جمرة فقال وقد صح عنہ صلی الله علیہ وسلم لا صلوٰة لمن لم یقرأ بفاتحة الکتاب فالحدیث الاول مشعر بالوعید والثانی ببطلان الصلوٰة عن لم یقرأ بالفاتحة وانی احب ان اتحمل الوعید ولا استطیع ان تبطل صلوتی علی انہ قد صح فی الاصول ان الاخذ بالاحوط والخروج من الخلاف اولٰی وکان رحمہ الله یجوز صلوٰة الجنازة علی ویستدل علیہ بالحدیث المشہور۔ نزہة الخواطر ص ۱۳۶/۲

بقادر علیٰ ان یحیی الموتٰی پڑھے۔ تو کہے بلیٰ، اور جب الیس الله باحکم الحاکمین پڑھے تو بلیٰ کہے، کیونکہ ان میں سوال کیا گیا ہے جس کا جواب دینا چاہیئے اور خطاب کا حق ہے۔ کہ مخاطب کلام کا جواب دیگا۔ اگر نہ دے گا تو سامع بے خبروں کی طرح ہوگا۔ یا جیسے کوئی جانور، جو آواز تو سنتا ہے، لیکن مطلب نہیں سمجھتا، یا کسی اندھے، گونگے، بہرے کی طرح، جسے کچھ سمجھ نہ آئے۔ یہ حالت تو بہت بڑی حالت ہے، پھر مستحب ہے کہ رحمت کی آیت سے گذرے، تو رحمت کا سوال کرے۔ عذاب کی آیت سے گزرے تو پناہ مانگے، جنت کا تذکرہ ہو تو اس کا سوال کرے۔ دوزخ کا ذکر ہو تو پناہ مانگے۔ اگر تنزیہ کی آیت ہو، تو اللہ کی پاکیزگی بیان کرے۔ تعریف کی آیت ہو، تو اللہ کی تعریف کرے۔ علیٰ ہذا القیاس لے جب تسبیح کی آیت سے گذرے تو تسبیح بیان کرے۔ جب سوال کا ذکر ہو، تو سوال کرے اور جب تعوذ سے گذرے تو پناہ مانگے نماز میں قاری کے لئے یہ سب امور مستحب ہیں۔ اور ہم اسے امام اور مقتدی، اور منفرد کے لئے مستحب جانتے ہیں

۲۔ عالم فقیہ محدث شیخ جلال الدین بن احمد بخاری اُوچ شریف متوفی ۸۰۵ھ

جو اصول اور فروع میں حنفی المذہب تھے ان کے مختارات فی المذہب ہے: وکان یجوز القرأۃ خلف الامام فی الصلوٰۃ کما فی جامع العلوم۔ نزھۃ الخواطر ص۲۹ ج۲

۳۔ شیخ محمد ارشد جونپوری متوفی ۱۱۱۳ھ

کان یقرأ الفاتحۃ فی صلوٰۃ السریۃ۔ نزھۃ الخواطر ص۲۴۳ ج۲

۴۔ شیخ محمد رشید عثمانی جونپوری مصنف رشیدیہ (فن مناظرہ) متوفی ۱۰۸۳ھ

ومن مختاراتہ انہ کان یقرأ الفاتحۃ خلف الامام فی صلوٰۃ السریۃ نزھۃ ص۳۶۹ ج۵

۵۔ شیخ احمد فیاض امیتھوی

احد الفقہاء المشہورین فی عصرہ وکان یقرأ الفاتحۃ خلف الامام فی الصلوٰت نزھۃ ص۳۲ ج۶

۶۔ مرزا مظہر جانجاناں دہلوی

ویقوی قرأۃ الفاتحۃ الکتاب فیما لا یجہر الامام فیہ بالقرأۃ وکان علی مذھب الحنفی نزھۃ الخواطر

۷۔ سید محمد اسمٰعیل شہید دہلوی

وفی مسئلۃ القرأۃ خلف الامام دلائل الجانبین قویۃ والاظہر ان القرأۃ اولی۔ نزھۃ الخواطر ص۵۸ ج۷

۸۔ مولانا خرم علی بلہوری

ولہ رسالۃ فی قرأۃ الفاتحۃ خلف الامام فی الصلوٰۃ۔ نزھۃ الخواطر ص۱۵۶ ج۷

باب التامین

سوال: ایک شخص امام کے ساتھ اس وقت شامل ہوا، جب امام غیر المغضوب پڑھ چکا تھا، اب یہ مقتدی امام کے ساتھ آمین کہے یا پہلے اپنا الحمد ختم کرے؟

جواب: دونوں باتوں پر عمل کرے امام کے ساتھ بھی آمین کہے اور اپنی فاتحہ ختم کرکے بھی آمین کہے۔ پہلی آمین جو امام کے ساتھ کہتا ہے اس کی دلیل یہ ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ امام آمین کہے تو تم آمین کہو اور دوسری آمین کی دلیل یہ ہے کہ: ایک شخص نے بہت عاجزی سے دُعا کی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس نے جنت کو یا قبولیت دُعا کو (اپنے لئے) واجب کر لیا... اگر ختم کیا۔ ایک شخص نے عرض کی کہ کس چیز کے ساتھ ختم کیا؟ فرمایا: آمین کے ساتھ (مشکوٰۃ باب القرأۃ فی الصلوٰۃ فصل ۲ حد ۲)

چوں کہ فاتحہ بھی دُعا ہے اس لئے اس کو بھی آمین کے ساتھ ختم کرنا چاہیئے تاکہ قبولیت کے مقام کو پہنچ جائے یا اس کے لئے جنت واجب ہو جائے۔ خلاصہ یہ کہ پہلی آمین امام کی فاتحہ پر ہے جس کی دلیل پہلی حدیث ہے۔ دوسری آمین اپنی فاتحہ پر ہے جس کی دلیل دوسری حدیث ہے۔ اس طرح دونوں حدیثوں پر عمل ہو گیا، بلکہ تینوں حدیثوں پر، تیسری حدیث میں ہے کہ "فاتحہ کے بغیر نماز نہیں"

از حضرت العلام محدث روپڑی رحمۃ اللہ علیہ — تنظیم اہلحدیث جلد ۱۷ ش ۴۶

مسئلہ: اخرج البخاری عن عطاء تعلیقا آمّن ابن الزبیر ومن خلفہ حتی ان للمسجد للجۃ[1] وروی ابن حبان فی کتاب الثقات فی ترجمۃ خالد بن ابی نوف عنہ عن عطاء ابن ابی رباح قال ادرکت مائتین من اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی ھذا المسجد یعنی المسجد الحرام اذا قال الامام ولا الضالین

---

[1] امام بخاری علیہ الرحمۃ نے عطاء سے تعلیقاً روایت کی ہے کہ ابن زبیر اور اس کے مقتدیوں نے اس قدر بلند آواز سے آمین کہی کہ مسجد گونج اٹھی اور ابن حبان نے کتاب الثقات میں خالد بن ابی نوف کے حالات کے بیان سے اسی خالد سے روایت کی ہے کہ خالد نے عطاء بن

رفعوا اصواتہم بآمین واخرج النسائی وابن خزیمۃ عن نعیم المجمر قال صلیت وراء ابی ہریرۃ فقرأ بام القرآن حتی بلغ ولا الضالین فقال آمین وقال الناس آمین ویقول اذا سلم والذی نفسی بیدہٖ انی لاشبہکم بصلوٰۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وکان ابوہریرۃ ینکر علی من یترک الجہر بالتامین کما فی روایۃ ابن ماجۃ عن ابی ہریرۃ قال ترک الناس التامین وکان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا قال غیر المغضوب علیہم ولا الضالین قال آمین حتی یسمعہا اہل الصف الاول فیرتج بہا المسجد وکیف یظن بالخلفاء الاربعۃ ان یجہر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ومن خلفہ حتی یکون للمسجد ارتجاج ویخالفہم الاربعۃ وہل ہذا الامکابرۃ اوجہالۃ ولہذا صرح المولوی عبد الحی اللکھنوی فی التعلیق الممجد والانصاف ...... ان الجہر قوی من حیث الدلیل ۱۲ حررہ عبد الجبار ابن مولانا الامام المحدث العارف باللہ القائم بامر اللہ المولوی عبد اللہ رح

فتاوی غزنویہ صہ ۲۹

سوال: آمین بالجہر کسی کتاب فقہ حنفی سے ثابت ہے یا نہ؟

جواب: ثابت ہے امام ابن الہمام نے فتح القدیر میں لکھا ہے ولو کان الی فی ہذا شئی لوفقت بان روایۃ الخفض یراد بہا عدم القرع العنیف وروایۃ الجہر بمعنی قولہا فی زیر الصوت وذیلہا اھ (اگر میری طرف سے اس میں کوئی شے ہوتی یعنی اگر اس کا فیصلہ میرے سپرد کیا جائے تو میں یوں مطابقت دیتا کہ آہستہ کہنے کی روایت سے مراد یہ ہے کہ کڑک سخت نہ ہو اور روایت جہر کی بمعنی کہنے آمین کے بیچ نرم آواز ذیل اس کے) اور امیر ابن الحاج نے حلیہ شریف منیۃ المصلی میں تحریر کیا

ابی رباح سے روایت ہے کہ عطاء نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دو سو صحابہؓ کو مسجد حرام میں امام کے ولا الضالین کہنے کے وقت بلند آواز سے آمین کہتے ہوئے پایا۔ نسائی اور ابن خزیمہ نے نعیم مجمر سے روایت کی ہے کہ میں نے ابوہریرہؓ کے پیچھے نماز ادا کی تو انہوں نے سورۃ فاتحہ پڑھی جب ولا الضالین پر پہنچے تو ابوہریرہؓ اور سب لوگوں نے آمین کہی اور ابوہریرہؓ سلام پھیر کر فرماتے تھے کہ قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے تحقیق میں تم سب سے بڑھ کر رسول اللہؐ کے ساتھ نماز میں مشابہ ہوں۔ اور ابوہریرہؓ آمین اونچی نہ کہنے والے پر انکار کرتے تھے جیسے ابن ماجہ میں ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا لوگوں نے آمین کہنی چھوڑ دی حالاں کہ رسول اللہ جب غیر المغضوب علیہم ولا الضالین پڑھتے تو اس قدر بلند آواز سے آمین کہتے کہ پہلی صف والے سن لیتے اور مسجد ہل جاتی۔ جب کہ رسول اللہؐ اور آپ کے مقتدیوں نے اس قدر بلند آواز سے آمین کہی کہ مسجد کانپ اٹھی تو خلفاء اربعہ پر یہ بدگمانی ہو سکتی ہے کہ انہوں نے ان سے مخالفت کی ہو اگر کوئی ایسا کہے تو صرف سینہ زوری اور جہالت ہے، اسی لئے تو مولانا عبد الحی لکھنوی نے تعلیق ممجد میں تصریح کی ہے کہ دلیل کی رو سے اونچی آمین کہنا قوی ہے ۱۲

ہے درجح مشائخنا للمذھب بما لایعری عن شئ لمتا فلاجرم ان قال شیخنا ابن الھمام ولو کان الی شئ لوفقت بان روایۃ الخفض یراد بھا عدم القرع العنیف وروایۃ الجھر بمعنی قولھا فی زیر الصوت و ذیلھا اھ اور مولانا عبد العلی بحر العلوم لکھنوی نے ارکانِ اربعہ میں ولم یرد فیہ الا ما روی الحاکم عن علقمۃ بن وائل عن ابیہ انہ صلی مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاذا بلغ ولا الضالین قال آمین واخفی بھا صوتہ وھو ضعیف الخ لکھ کر یہ تحریر کیا ہے ولکن الامر فیہ سھل فان السنۃ التامین اما الجھر والاخفاء فندب اھ اور طحاوی حاشیہ درمختار میں ہے فعلی ھذا سیئہ الاتیان بھا تحصل ولو مع الجھر (ابو سعود اھ) اور مولانا عبد الحیٔ نے تعلیق المجد میں لکھا ہے والانصاف ان الجھر قوی من حیث الدلیل اور سعایہ میں مولانا ممدوح فرماتے ہیں فوجدنا بعد التامل والامعان القول بالجھر بآمین ھو الاصح لکونہ مطابقا لما روی عن سید بنی عدنان وروایۃ والخفض عنہ صلعم ضعیفۃ لاتوازی روایات الجھر ولو صحت وجب ان تحمل علی عدم القرع العنیف کما اشار الیہ ابن الھمام ای ضرورۃ داعیۃ الی حمل روایات الجھر علی بعض الاحیان او الجھر للتعلیم مع عدم ورود شئ ذلک فی روایۃ والقول بانہ کان فی ابتداء الاضعیف لان الحاکم قد صحح من روایت وائل بن حجر وھو انما اسلم فی اواخر الامر کما ذکرہ ابن حجر فی فتح الباری واما اثر ابراھیم النخعی ونحوہ فلا تعازی الروایات المرفوعۃ اور مولانا شاہ عبد الحق محدث دہلوی نے لمعات شرح مشکوٰۃ میں لکھا ہے والظاھر الحمل علی کلا العملین تارۃ فتارۃ۔ (فتاویٰ مفید الاحناف صـ۷)

۱؎ ترجیح دی ہے ہمارے مشائخ نے اس کو واسطے مذہب کے ساتھ اس چیز کے کہ نہیں خالی ہے کسی شے کے واسطے تامل کرنے والے کے اس کے پس ضرور ہے جو کہا ہمارے مشائخ ابن ہمام نے اگر ہوتی ہماری طرف کوئی شے البتہ مطابقت دیتا میں اس طرح پر کہ کہ روایت آہستہ کہنے میں ارادہ کیا جاتا ہے کہ کرخت سخت نہ ہو اور روایت با آواز کہنے کی بمعنی کہنے اس کے ہے بیچ نرم آواز اور ذیل اس کے ۱۲ ۲؎ نہیں آیا ہے آمین آہستہ کہنے میں مگر وہ کہ روایت کی حاکم نے علقمہ بیٹے وائل سے وہ روایت کرتے ہیں اپنے باپ سے یہ کہ نماز پڑھی انہوں نے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پس جبکہ پہنچے ولا الضالین پر کہا آپ نے آمین اور پست کیا آمین کہنے میں آواز اپنی کو اور یہ روایت ضعیف ہے۔ ۳؎ لیکن بات اس میں آسان ہے اس لئے کہ سنت آمین کہنا ہے لیکن باآواز کہنا یا آہستہ پس مستحب ہے ۱۲ ۴؎ پس سنت اس بنا پر آمین کہنے کی حاصل ہوتی ہے اگرچہ ساتھ آواز کے ہو۔ ۵؎ انصاف یہ ہے کہ آمین باآواز کہنا قوی ہے باعتبار دلیل کے۔ ۶؎ تو بعد تامل اور غور کرنے کے ہم نے پکار کر آمین کہنے کو ہی صحیح پایا کیوں کہ وہ سید بنی عدنان یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے۔ ہے اس کے مطابق ہے اور پست آواز کی روایت ضعیف ہے۔ پکار کر کہنے کی روایتوں کا لگا نہیں کھا سکتی۔ اور اگر بالفرض صحیح بھی ہو تو خوب کہ کہ

سوال : آمین بالجہر امام و ماموم و منفرد کے لئے صلوٰۃ جہرہ میں کہنا احادیث صحیحہ مرفوعہ غیر منسوخہ سے ثابت ہے یا نہیں اور اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب : آمین بالجہر کہنا حضرت نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہوا ہے جیسا کہ حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے :۔
عن ابی ھریرۃ رض قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا[1] فرغ من قراءۃ القرآن رفع صوتہ وقال اٰمین رواہ الدارقطنی وحسنہ والحاکم وصححہ. کذا فی بلوغ المرام- عن[2] وائل بن حجر قال سمعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم قرأ غیر المغضوب علیھم ولا الضالین وقال اٰمین ومد بھا صوتہ رواہ الترمذی پس ان حدیثوں سے آمین بالجہر کہنا امام کا ثابت ہوا، لیکن منفرد، پس حکم منفرد اور امام کا ہر چیز میں واحد ہے جیسا کہ احادیث صحیحہ مرفوعہ سے ثابت ہوا، پس جب کہ ثابت ہوا واسطے امام کے ثابت ہوا واسطے منفرد کے، باقی رہا حکم مقتدی کا پس لکھتا ہوں میں کہ مقتدی کا بھی آمین پکار کے کہنا حدیث مرفوع سے مستنبط ہے اس واسطے کہ روایت ہے ابن[3] عباس سے قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما حسدتکم الیھود علی شئی ما حسدتکم علی اٰمین فاکثروا من قول اٰمین رواہ ابن ماجہ یعنی فرمایا حضرت نے کہ نہیں حسد کیا یہود نے تم لوگوں کے ساتھ کسی فعل کے کرنے سے جس قدر کہ حسد کرتے ہیں تم لوگوں کے آمین کہنے سے، پس بہت کثرت کرو آمین کہنے کی، اور ظاہر ہے کہ جب تک آمین بالجہر کہی نہ جاوے اور کانوں تک یہود کے آواز نہ پہنچے تب تک صورت حسد کی نہیں ہو سکتی۔ اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے باب جہر الماموم بالتامین میں روایت

(بقیہ) نہ کہنے پر محمول کرنا واجب ہوگا جیسا کہ ابن ہمام نے بھی اسی طرف اشارہ کیا ہے۔ اور کوئی ضرورت نہیں ہے کہ روایات جہر کو بعض اوقات تعلیم پر محمول کیا جائے باوجودیکہ یہ کسی روایت میں نہیں آیا اور یہ کہنا کہ جہر ابتداء امر میں تھا ضعیف ہے اس لئے کہ حاکم نے اس کو وائل بن حجر کی روایت سے صحیح کہا ہوا اور وائل صحابی آخر زمانہ آنحضرت میں ایمان لائے ہیں جیسا کہ حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں ذکر کیا ہے اور ابراہیم نخعی اور مثل ان کے سے جو حنفیہ کہنا منقول ہے۔ تو ایسے اثر رسول اللہ کی احادیث کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ وہ اپنے ظاہر عمل کرتا ہے۔ اور مردو دونوں عمل آہستہ آواز کے کبھی یہ کبھی وہ ۱۲

[1] حضرت ابوہریرہ رضی کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب قرأت فاتحہ سے فارغ ہوتے، تو بلند آواز سے آمین کہتے۔

[2] وائل بن حجر کہتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غیر المغضوب علیہم ولا الضالین پڑھا تو میں نے خود سنا، کہ آپ نے بلند آواز سے آمین کہی۔

[3] حضرت عبداللہ بن عباس آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے محترم چچا کے بیٹے ہیں۔ ہجرت سے تین سال قبل پیدا ہوئے۔ امت محمدیہ کے بڑے عالم اور بہترین اشخاص میں سے ہیں۔ بمقام طائف سنہ ۶۸ھ میں بزمانہ ابن الزبیر وفات پائی۔ (سعیدی)

کی ہے عن[1] ابی ہریرۃ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال اذا قال الامام غیر المغضوب علیہم ولا الضالین فقولوا امین فانہ من وافق قولہ قول الملائکۃ غفر لہ ما تقدم من ذنبہ رواہ البخاری۔ پس لفظ قولوا سے جہر قول بالتامین مراد ہے اور مؤید اس کے ہے عمل حضرت ابوہریرہ کا، کہ روایت کیا اس کو شیخ بدر الدین عینی نے کتاب عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری میں بیہقی سے وکان[2] ابوہریرۃ مؤذنا لمروان فاشترط ان لا یسبقہ بالضالین حتی یعلم انہ قد دخل فی الصف فکان اذا قال مروان ولا الضالین قال ابوہریرۃ امین یمد بہا صوتہ وقال اذا وافق تامین اہل الارض تامین اہل السماء غفر لھم رواہ البیہقی کذا فی العینی اور امام ترمذی بعد روایت حدیث وائل بن حجر رضی کے فرماتے ہیں قال[3] ابو عیسٰی حدیث وائل بن حجر حدیث حسن وبہ یقول غیر واحد من اہل العلم من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم والتابعین ومن بعدھم یرون ان یرفع الرجل صوتہ بالتامین ولا یخفیہا وبہ یقول الشافعی و احمد واسحٰق انتہی۔ حررہ ابو الطیب محمد شمس الحق عفی عنہ۔ سید محمد نذیر حسین فتاوی نذیریہ جلد ۱ ص ۴۳۳

سوال: ایک شخص آمین جہر سے کہتا ہے اور امام نماز مغرب میں سورہ فاتحہ غیر المغضوب تک جہر سے کہہ کر قرأۃ کو اخفاکر کے دوسری سورۃ شروع کر دے اس غرض سے کہ مقتدی آمین جہر سے نہ کہنے پاوے اس امام کو کیا کہنا چاہیئے اور نماز اس کے پیچھے پڑھنا درست ہے یا نہیں کیوں کہ سنّت کو حقیر سمجھتا ہے؟

الجواب: آمین بالجہر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک سنّت ہے پس اس سنّت کو حقیر اور برا سمجھنا اور اس سے چڑھنا اور ضد رکھنا مسلمان کا کام نہیں ہے۔ بلکہ یہود کا کام ہے۔ اور پھر اس چڑھ اور ضد کی بنا پر اس غرض سے کہ مقتدی جہراً آمین نہ کہنے پاوے، نماز مغرب میں سورہ فاتحہ کو غیر المغضوب علیہم تک تو جہر سے پڑھنا، اور

---

[1] حضرت ابوہریرہ رض کہتے ہیں۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب امام غیر المغضوب علیہم ولا الضالین کہے تو تم آمین کہو جس کی آمین فرشتوں کی آمین سے متفق ہو جائے گی اس کے پہلے گناہ بخش دیئے جائیں گے۔

[2] حضرت ابوہریرہ رض مروان کے مؤذن تھے آپ نے اس شرط سے کہہ لی تھی کہ مروان اس وقت تک ولا الضالین نہ پڑھے گا۔ جب تک کہ ابوہریرہ رض صف میں شامل نہ ہوں گے۔ جب مروان ولا الضالین کہتا تو حضرت ابوہریرہ رض بلند آواز سے آمین کہتے اور فرماتے جب زمین والوں کی آمین آسمان والوں کی آمین مل جاتی ہے تو ان کو بخش دیا جاتا ہے۔ [3] امام ترمذی کہتے ہیں وائل بن حجر رض کی

والضالین کو اخفا کر کے دوسری سورۃ شروع کر دینا بڑا گناہ ہے۔ ایسے امام کو نماز کے اندر اس نیت سے ایسی حرکت کرنے سے توبہ کرنا لازم ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو حقیر سمجھنے اور اس سے چڑھ رکھنے میں ایمان کی خیر نہیں ہے۔ فرمایا آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے من رغب عن سنتی فلیس منی یعنی جو شخص میری سنت سے روگردانی کرے اور نفرت رکھے وہ مجھ سے نہیں، ایسے امام کے پیچھے نماز درست ہو جاوے گی، مگر ایسے امام کو قصداً امام نہیں بنانا چاہیئے۔ حررہ محمد علی فیروزپوری　　سید محمد نذیر حسین　　فتاوی نذیریہ جلد اول صفحہ ۴۳۶

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ آمین بالجہر خاص مقتدیوں کے واسطے بالفاظ صریح غیر متحمل المعنیین آیا، کسی حدیث صحیح مرفوع متصل الاسناد سے ثابت ہے یا نہیں اور امام پر قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے اس لئے کہ امام بہت سی چیزوں کو بالجہر کہتا ہے، مثلاً تکبیر و قرأت و سلام وغیرہ، آیا کسی حدیث یہ ثابت ہے یا نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے کسی مقتدی نے آمین بالجہر کہی ہے یا نہیں؟

سوال ۲: آمین بالجہر علی الخصوص نماز جہری میں کیوں خاص کی گئی ہے آیا کسی حدیث صحیح مرفوع سے تخصیص صلوٰۃ جہری و نفی صلوٰۃ سری کی بصراحت تمام وارد ہے یا نہیں، اگر وارد ہے تو براہ مہربانی دونوں سوالوں کا جواب حدیث مرفوع متصل الاسناد سے مع روایات و اسامی کتب کے تحریر فرمایا جاوے، بدرجہ تنزل میں اسکی بھی اجازت دیتا ہوں کہ حدیث حسن یا ضعیف قابل عمل ہی سے لکھا جاوے، واضح رہے کہ آثار صحابہ سے استدلال نہیں چاہتا ہوں؟

الجواب: ہاں آمین بالجہر خاص مقتدیوں کے واسطے بالفاظ صریح غیر متحمل المعنیین ایسی حدیث صحیح مرفوع متصل الاسناد سے ثابت ہے وہ حدیث یہ ہے، عن ابی ہریرۃ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال اذا قال الامام غیر المغضوب علیہم ولا الضالین فقولوا آمین فانہ من وافق قولہ قول الملائکۃ غفر لہ ما تقدم من ذنبہ اخرجہ البخاری ومسلم واللفظ للبخاری (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب امام غیر المغضوب علیہم ولا الضالین کہے تو تم آمین کہو، جس کا قول فرشتوں کے موافق ہو جائے گا، اس کے پچھلے گناہ بخشے جائیں گے۔

(بقیہ) حدیث حسن ہے بہت سے اہل علم صحابہ، تابعین اور بعد کے لوگوں کا یہی ارشاد ہے۔ کہ آدمی بلند آواز سے آمین کہے، آہستہ نہ کہے امام شافعی، احمد بن حنبل اور اسحاق وغیرہ کا یہی مذہب ہے۔

اس حدیث میں لفظ فقولوا کا مصدر قول ہے جو متضمن معنیین یا معانی چند کا ہرگز نہیں ہے اور جب مشترک نہیں ٹھہرا، تو متحمل معنیین کا نہیں ہو سکتا، غایت مافی الباب لفظ قول چونکہ مطلق ہے اس وجہ سے اس کے افراد نکلیں گے اور کم از کم اس کے دو فرد نکلیں گے، قول بالجہر و قول بالسر، پس اس حدیث متفق علیہ سے جو مرفوع متصل الاسناد اور نہایت صحیح ہے آمین بالجہر مقتدیوں کے واسطے بالفاظ صریح غیر متحمل المعنیین ثابت ہوا، اور اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے مقتدی آمین بالجہر کہتے تھے کیوں کہ لفظ قولوا کے اصل مخاطب صحابہ رضی اللہ عنہم ہیں جو آپ کے پیچھے نماز پڑھتے تھے اور آپ کے حکم کی تعمیل کے لئے جان سے حاضر رہتے تھے اگر تم یہ کہو، کہ جب قول مطلق ہے اور اس کے دو فرد ہیں، قول بالجہر و قول بالسر، تو اس حدیث سے جیسے مقتدیوں کے لئے آمین بالجہر کہنا صراحۃً ثابت ہوتا ہے، اسی طرح ان کے لئے آمین بالسر کہنا بھی صراحۃً ثابت ہوتا ہے۔ کیوں کہ اس حدیث میں لفظ قولوا مطلق واقع ہے۔ اور بالجہر بالسر کی قید نہیں ہے تو جواب اس کا یہ ہے کہ جب لفظ مطلق علی الاطلاق بلا کسی قید کے استعمال کیا جاتا ہے تو اس مطلق سے اس کا فرد کامل مراد ہوتا ہے۔ علامہ صدر الشریعت توضیح میں تحریر فرماتے ہیں لان[1] المطلق لا یتناول رقبۃ د ہو فایت جلس المنفعۃ و ھذا ما قال علماؤنا ان المطلق ینصرف الی الکامل انتہٰی اور علامہ محب اللہ البہاری مسلم الثبوت میں لکھتے ہیں فان[2] انتقال الذھن من المطلق الی الکامل ظاہر انتہٰی اور ملاجیون[3] نور الانوار میں لکھتے ہیں ولنا فی ھذا المقام ضابطتان احدھما ان المطلق یجری علی اطلاقہ والثانیۃ ان المطلق ینصرف الی الفرد الکامل فالاول فی حق الاوصاف کالایمان والکفر والثانی فی حق الذات کالزمانۃ والعمی انتہٰی مختصراً۔ ان تمام عبارات سے صاف ظاہر ہوا کہ جب مطلق کا استعمال بلا کسی قید کے ہوتا ہے تو اس کا صرف وہی فرد مراد ہوتا ہے جو کامل ہوتا ہے اور بالکل ظاہر ہے کہ مطلق قول کے دونوں فرد قول بالجہر و قول بالسر میں سے قول بالجہر ہی فرد کامل ہے اور مطلق قول سے اسی قول بالجہر ہی کی طرف ذہن منتقل ہوتا ہے، بناء علیہ حدیث مذکور میں لفظ فقولوا آمین سے آمین بالجہر کا مراد ہونا متعین ہے، اور

---

[1] اس لئے کہ مطلق ایسے غلام کو شامل نہیں ہوگا جس میں نفع کی جنس مفقود ہو، ہمارے علماء نے کہا ہے کہ مطلق مرد کامل کی طرف پھرتا ہے۔

[2] ذہن کا مطلق سے فرد کامل کی طرف پھرنا ظاہر بات ہے۔

[3] ہمارے اس مقام میں دو قاعدے ہیں ایک یہ کہ مطلق اپنے اطلاق پر جاری ہوتا ہے اور دوسرا یہ کہ مطلق فرد کامل کی طرف پھرتا ہے۔ پس پہلا تو صفات کے حق میں ہے۔ جیسے ایمان اور کفر اور دوسرا ذات کے حق میں ہے جیسے نابینا ہونا وغیرہ۔

مطابق قاعدہ مذکورہ کے آمین بالسر مراد لینا جائز نہیں ہے۔

اور دوسرا جواب یہ ہے کہ عند الحنفیہ یہ قاعدہ مسلّم ہو چکا ہے کہ فعل صحابی مطلق یا عام کا مخصص ہوتا ہے مسلّم الثبوت میں ہے فعل الصحابی العادل العالم[1] مخصص عند الحنفیة والحنابلة خلافاً للشافعیة والمالکیة انتهى مختصراً۔ اور اہل علم پر مخفی نہیں ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہ کا فعل آمین بالجہر ہی تھا، امام کے پیچھے صحابہؓ آمین بالجہر ہی کہا کرتے تھے، صحیح بخاری میں ہے امّن[2] ابن الزبیر ومن وراءه حتی ان للمسجد للجة وکان ابو ہریرة ینادی الامام لاتفتنی بامین فتح الباری میں ہے وصله[3] عبد الرزاق عن ابن جریج عن عطاء قال قلت له اکان ابن الزبیر یؤمن علی اثر ام القرآن قال نعم ویؤمن من وراءه حتی ان للمسجد للجة ثم قال انما امین دعاء قال وکان ابو ہریرة یدخل المسجد وقد قام الامام فینادیه فیقول لاتسبقنی بامین وروی البیہقی من وجه اخر عن عطاء قال ادرکت مائتین من اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم فی هذا المسجد اذا قال الامام ولا الضالین سمعت لهم رجة بامین۔ پس جب ثابت ہوا کہ صحابہ رضی اللہ عنہم امام کے پیچھے آمین بالجہر کہتے تھے تو صحابہ کا یہ فعل مطابق قاعدہ مذکورہ حنفیہ کے حدیث مذکور میں لفظ فقولوا امین کا مخصص ہوگا، یعنی اس سے صرف آمین بالجہر مراد ہوگی۔ اور انہی آثار صحیحہ سے یہ بھی ثابت ہوا کہ صحابہ رضی اللہ عنہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے آمین بالجہر کہیں اور ابن زبیرؓ وغیرہ امام کے پیچھے آمین بالجہر کہیں اور ہاں واضح رہے کہ کسی صحابہ سے آمین بالسر کہنا بسند صحیح ثابت نہیں ہے اور بعض آثار جو آمین بالسر کے بارے میں منقول ہیں وہ ضعیف ہیں۔ واللہ اعلم۔

جواب سوال دوم: احادیث سے صرف نماز جہری میں آمین بالجہر کہنا ثابت ہے اور نماز سری

---

[1] عادل، عالم صحابی کا فعل حنفیوں اور حنبلیوں کے نزدیک حدیث مطلق کا مخصص ہے برخلاف شافعیہ اور مالکیہ کے ۱۲

[2] ابن زبیر اور ان کے مقتدیوں نے آمین کہی تو مسجد گونج اٹھی، حضرت ابوہریرہ امام کو آواز دیا کرتے تھے کہ مجھے آمین کہہ لینے دینا ۱۲۔

[3] ابن جریج کہتے ہیں کہ میں نے عطاء سے سوال کیا، کیا عبداللہ بن زبیرؓ آمین کہا کرتے تھے، کہا ہاں آپ کے مقتدی بھی آمین کہتے تھے تو مسجد گونج اٹھتی تھی۔ پھر فرمایا کہ آمین دعا ہے اور فرمایا کہ ابوہریرہ مسجد میں آتے اور جماعت کھڑی ہو چکی ہوتی تو امام کو آواز دیتے میری آمین نہ ضائع کرنا۔ عطاء کہتے ہیں۔ کہ میں نے دو سو صحابہ رضہ کو اس مسجد میں اس حال میں دیکھا کہ جب امام ولا الضالین کہتا، تو ان کے آواز سے مسجد کانپ جاتی ۱۲

میں آمین بالجہر کہنا ثابت نہیں ہے اسی لئے آمین بالجہر نماز جہری کے ساتھ خاص کی گئی ہے۔ واللہ تعالےٰ اعلم

حررہ السید محمد عبدالحفیظ غفرلہٗ ولوالدیہ ۔ سید محمد نذیر حسین

ھو الموفق ، بے شک حدیث متفق علیہ مذکور سے صاف اور صریح طور پر مقتدیوں کے واسطے آمین بالجہر ثابت ہے امام بخاری نے مقتدی کے واسطے آمین بالجہر کے لئے باب بایں لفظ منعقد کیا ہے باب جھر الماموم بالتامین، اور اس باب میں اسی ابوہریرہؓ کی حدیث مذکور کو ذکر کیا ہے۔ حافظ ابن حجر فتح الباری میں لکھتے ہیں قال[1] الزین بن المنیر مناسبۃ الحدیث للترجمۃ من جھۃ ان فی الحدیث الامر بقول امین والقول اذا وقع بہ الخطاب مطلقا حمل علی الجھر ومتی ارید بہ الاسرار او حدیث النفس قید بذلک وقال ابن رشید تؤخذ المناسبۃ منہ من جھات منھا انہ قال اذا قال الامام فقولوا فقابل القول بالقول و[ھو] الامام انما قال ذلک جھرا فکان الظا[ھر] الاتفاق فی الصفۃ ومنھا انہ قال فقولوا ولم یقیدہ بجھر ولا غیرہ وھو مطلق فی سیاق الاثبات وقد عمل بہ فی الجھر بدلیل ما تقدم یعنی فی مسئلۃ الامام والمطلق اذا عمل بہ فی صورۃ لم یکن حجۃ فی غیرھا بالاتفا[ق] ومنھا انہ تقدم ان الماموم مامور بالاقتداء بالامام وقد تقدم ان الامام یجھر فلزم جھرہ بجھرہ وھذا الاخیر سبق الیہ ابن بطال وتعقب بانہ یستلزم ان یجھر الماموم بالقراءۃ لان الامام جھر بھا لکن یمکن ان ینفصل عنہ بان الجھر بالقراءۃ خلف الامام قد نھی عنہ فبقی التامین داخلا تحت عموم الامر باتباع الامام ویتوی ذلک بما تقدم عن عطاء ان من خلف ابن الزبیر کانوا یؤمنون جھرا وروی البیہقی من وجہ ان عطاء قال ادرکت مائتین من اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی ھذا المسجد

---

[1] زین بن منیر کہتے ہیں کہ حدیث سے ترجمہ باب کی مناسبت کئی طرح سے ہے، حدیث میں آمین کہنے کا حکم ہے اور قول کے ساتھ جب خطاب مطلق واقع ہو تو اسے جہر پر محمول کیا جاتا ہے اور اگر اس سے سر مراد ہو، تو اسے مقید طور پر بیان کیا جاتا ہے، دوسرا یہ کہ آپ نے قال کے مقابلہ میں قولوا فرمایا ہے اور جب قول، قول کے مقابل ہو تو اس سے وہی کیفیت مراد ہوتی ہے۔ جو پہلے کی ہو، تو جب امام ولا الضالین بلند آواز سے کہے گا۔ تو آمین بھی بلند آواز سے ہوگی، تیسری یہ کہ قولوا کا لفظ مطلق واقع ہوا ہے اور اس پر جہر کی صورت میں عمل ہوا ہے تو مطلق پر جب ایک صورت میں عمل ہو جاوے تو وہ بالاتفاق دوسری صورت میں حجت نہیں رہتا، چوتھی یہ کہ مقتدی کو امام کی اقتدار کا حکم ہے اور چونکہ امام جہر سے قرأت کرتا ہے لہٰذا مقتدی بھی جہر سے آمین کہے گا۔ اس پر اعتراض یہ ہو سکتا ہے کہ امام قرأت جہر سے کرتا ہے اور مقتدی جہر سے نہیں کرتا، تو اس کا جواب یہ ہے کہ قرأت بلند آواز سے نص صریح سے بند ہوگئی، لیکن آمین چونکہ قرأت نہیں تھی۔ وہ اپنے حال

اذا قال الامام ولا الضالین سمعت لھم رجۃ بآمین والجھر بالماموم ذھب الیہ الشافعی فی القدیم وعلیہ الفتوی وقال الرافعی قال الاکثر فی المسئلۃ قولان اصحھما انہ یجھر انتھی۔ واللہ اعلم۔

کتبہ محمد عبد الرحمن المبارکفوری عفا اللہ عنہ فتاویٰ نذیریہ جلد اول ص۴۳۳

سوال :مسبوق نے امام کی اقتدا اس وقت کی کہ امام نصف الحمد پڑھ چکا ہے۔ اور مقتدی نے الحمد شروع کی، یہ نصف الحمد تک پہنچا تھا کہ امام نے ولا الضالین کو پڑھا تو مقتدی الحمد چھوڑ کر آمین کہے گا یا نہیں۔ اگر کہے گا، تو پھر اپنی الحمد پوری کر کے آمین کہے یا نہیں، اگر کہے گا تو دوبارہ کہنا لازم آئے گا، ایک درمیان فاتحہ دوسرے بعد ختم فاتحہ اور اگر نصف الحمد میں آمین کہے گا تو یہ تحریف لازم آئے گی۔ اور تحریف کلام اللہ میں حرام ہے۔ اب کوئی ایسی حدیث ہو جس سے یہ معلوم ہو کہ یہ مسبوق الحمد پڑھتا رہے آمین نہ کہے یا الحمد چھوڑ کر آمین کہے۔

(سائل مولوی سید اللہ دیا صاحب نصیر آبادی)

جواب :اس کا نام تحریف نہیں بلکہ اتباع امام ہے۔ امام کی متابعت کی وجہ سے اگر نصف الحمد میں آمین کہے اور اور پھر الحمد ختم کر کے بھی کہے تو شرعاً کوئی قباحت نہیں۔ حدیث میں ہے اِنَّمَا جُعِلَ الْاِمَامُ لِیُؤْتَمَّ بِہٖ : یعنی امام تو اسی لیے بنایا گیا ہے اس کی اقتدا کی جائے۔ دوسری حدیث میں ہے کہ مَا یَصْنَعُ الْاِمَامُ فَاصْنَعُوْا یعنی جو امام کرے تم بھی وہی کرو۔

تیسری حدیث میں ہے اِذَا قَالَ الْاِمَامُ غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْھِمْ وَلَا الضَّالِّیْنَ فَقُوْلُوْا اٰمِیْنَ ۰ یعنی جب امام ولا الضالین کہے (عام اس کے کہ تمہاری الحمد آدھی ہوئی ہو یا پوری، تم آمین کہو۔ ما ھو جوابکم فھو جوابنا۔

(مفتی) ابو محمد عبد الستار غفرلہ ولوالدیہ الغفار

(فتاویٰ ستاریہ جلد اول ص۱۵۳)

پر باقی رہی اور اس سے پہلے گذر چکا ہے کہ ابن زبیر اور ان کے مقتدی بلند آواز سے آمین کہتے تھے عطا کہتے ہیں کہ میں نے دو سو صحابہ کو اس مسجد میں بلند آواز سے آمین کہتے دیکھا ہے۔ مسجد کانپ جاتی تھی۔ امام شافعی کے نزدیک مقتدی بلند آواز سے آمین کہے، رافعی کہتے ہیں اکثر اس مسئلہ میں دو قول بیان کرتے ہیں ان سے زیادہ صحیح یہ ہے۔ کہ بلند آواز سے آمین کہے۔

باب الرکوع والسجود

سوال : اگر کسی رکعت میں سہواً بجائے دو سجدوں کے ایک سجدہ ہو جائے تو کیا سجدہ سہو لازم آئیگا یا رکعت کا اعادہ لازم ہے ؟

الجواب بعون الوهاب : دو سجدوں میں سے ایک سجدہ رہ جائے ، تو جس رکعت میں رہا ہے وہاں سے نماز شروع کرے ۔ جس کی صورت یہ ہے کہ ایک سجدہ پہلے ہو چکا ہے ایک اور کر کے اس کے بعد کی رکعتیں پڑھ لے ، پھر اخیر میں التحیات کے بعد سلام سے پہلے یا بعد سجدہ سہو کرے ۔ کیونکہ دونوں سجدے رکن ہیں ایک چھوٹنے سے نماز نہیں ہوتی ۔ نماز کے مفصل مسائل ہماری کتاب "تعلیم الصلوٰۃ" میں پڑھیں ۔

حضرت مولانا عبداللہ صاحب محدث روپڑی "تنظیم اہلحدیث جلد ۱۸ ش ۱۹"

سوال : مسجد کے امام جب سجدے اور رکوع میں جاتے ہیں تو اس طرح گڑگڑاتے ہیں کہ مقتدی بھی ان کے رونے کی آواز سن لیتا ہے ۔ اور رکوع و سجود میں دعا زور زور سے پڑھتے ہیں کیا ایسے امام کے پیچھے نماز نہیں ہوگی ؟

جواب : خوف الٰہی سے رونے میں کوئی حرج نہیں ہے اور ایسے امام کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے ۔

حضرت مولانا عبدالسلام صاحب بستوی (اخبار اہلحدیث دہلی جلد ۵ ش ۵)

سوال : یہاں پر ایک پیش امام صاحب حالت نماز میں رکوع اور رکوع کے بعد اور سجدہ میں ان کے مقام کی تسبیح کے بعد رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ ۔ پڑھا کرتے ہیں کیا پڑھنا صحیح ہے ؟ نیز التحیات کے بعد سلام پھیرنے سے پہلے خفی بھی بہت سی دعائیں پڑھتا ہے اس کا حکم کیا ہے ؟

جواب: حدیث سے اس طرح کا ثبوت نہیں ہے اگر وہ حدیث کی دعائیں ہیں تو کوئی حرج نہیں۔

واللہ اعلم بالصواب — مولانا عبدالسلام صاحب بستوی — اخبار اہلحدیث دہلی جلد ۷ ش ۱۰

سوال: دربارہ جواز رفع سبابہ ہر رکعت کے مابین السجدتین تحقیق کرتا ہوں چنانچہ اس حدیث سے جواز ثابت ہوتا ہے

حدثنا[1] عبداللہ حدثنی ابی ثنا عبدالرزاق انا سفیان عن عاصم بن کلیب عن ابیہ عن وائل بن حجر قال رأیت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کبر فرفع یدیہ حین کبر یعنی استفتح الصلوٰۃ ورفع یدیہ حین کبر ورفع یدیہ حین رکع ورفع یدیہ حین قال سمع اللہ لمن حمدہ وسجد فوضع یدیہ حذو اذنیہ ثم جلس فافترش رجلہ الیسریٰ ثم وضع یدہ الیسریٰ علی رکبتہ ووضع ذراعہ الیمنی علی فخذہ الیمنی ثم اشار بالسبابۃ ووضع الابہام علی الوسطی وقبض سائر اصابعہ ثم سجد الخ۔ ھکذا فی مسند امام احمد بن حنبل جلد ۴ ص ۳۱۷ اس حدیث سے صاف مفہوم ہوتا ہے کہ رفع سبابہ ہر رکعت میں مابین السجدتین جائز ہے یہ حدیث صحیح الاسناد وقابل عمل ہے یا نہیں بالتشریح والتصریح تحریر فرماویں اگر یہ حدیث صحیح متصل الاسناد ہے تو فہو المرام اگر ضعیف ہے تو وجوہات ضعف تحریر فرماویں؟

جواب: اشارہ سبابہ بین السجدتین کی حدیث جو مسند امام احمد بن حنبل جلد ۴ صفحہ ۳۱۷ میں مروی ہے اس میں عاصم بن کلیب ایک راوی ہے جو اپنے باپ سے روایت کرتا ہے۔ میزان الاعتدال میں ہے: کان[2] من العباد الاولیاء لکنہ مرجی وثقہ یحیی بن معین وغیرہ وقال ابن المدنی لا یحتج بما انفرد بہ اور تقریب میں لکھا ہے۔ صدوق[3] من الثانیۃ اور خلاصہ میں لکھا ہے وقال[4] الامام ابوداؤد عاصم بن کلیب عن ابیہ عن جدہ

---

[1] حدیث سنائی ہم کو عبداللہ نے کہا حدیث سنائی مجھ کو باپ میرے نے کہا حدیث سنائی ہم کو عبدالرزاق نے کہا خبر دی ہم کو سفیان نے عاصم بن کلیب سے اس نے باپ اپنے سے اس نے وائل بن حجر سے کہ دیکھا میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز کے شروع میں تکبیر اولیٰ پڑھتے وقت اور رکوع کرتے وقت اور سمع اللہ لمن حمدہ کہتے وقت رفع یدین کرتے دیکھا اور دیکھا کہ آپ نے سجدہ کیا اور دونوں ہاتھ کانوں کے برابر رکھے پھر بایاں پاؤں بچھا کر بیٹھ گئے اور بائیں ہاتھ کو بائیں گھٹنے پر رکھا اور دائیں کو داہنی ران پر پھر انگوٹھے کے پاس کی انگلی سے اشارہ کیا اور انگوٹھے کو بیچ کی انگلی پر رکھا اور باقی سب انگلیوں کو بند کر لیا پھر (دوسرا) سجدہ کیا۔ مسند امام احمد بن حنبل کی چوتھی جلد ص ۳۱۷ میں بھی اسی طرح ہے۔ [2] عاصم بن کلیب ولیوں میں سے تھا لیکن مذہب مرجیہ کا رکھتا تھا یحییٰ بن معین وغیرہ نے اس کی پختگی بیان

باب الرکوع والسجود

سوال: اگر کسی رکعت میں سہواً بجائے دو سجدوں کے ایک سجدہ ہو جائے تو کیا سجدہ سہو لازم آئیگا یا رکعت کا اعادہ لازم ہے؟

الجواب بعون الوھاب: دو سجدوں میں سے ایک سجدہ رہ جائے، تو جس رکعت میں رہا ہے وہاں سے نماز شروع کرے۔ جس کی صورت یہ ہے کہ ایک سجدہ پہلے ہو چکا ہے ایک اور کرکے اس کے بعد کی رکعتیں پڑھ لے، پھر اخیر میں التحیات کے بعد سلام سے پہلے یا بعد سجدہ سہو کرے۔ کیونکہ دونوں سجدے رکن ہیں ایک چھوٹنے سے نماز نہیں ہوتی۔ نماز کے مفصل مسائل ہماری کتاب "تعلیم الصلوٰۃ" میں پڑھیں۔

حضرت مولانا عبداللہ صاحب محدث روپڑی تنظیم اہلحدیث جلد ۱۸ ش ۱۹

سوال: مسجد کے امام جب سجدے اور رکوع میں جاتے ہیں تو اس طرح گڑگڑاتے ہیں کہ مقتدی بھی ان کے رونے کی آواز سن لیتا ہے۔ اور رکوع وسجود میں دعا زور زور سے پڑھتے ہیں کیا ایسے امام کے پیچھے نماز نہیں ہوگی؟

جواب: خوف الٰہی سے رونے میں کوئی حرج نہیں ہے اور ایسے امام کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے۔

حضرت مولانا عبدالسلام صاحب بستوی (اخبار اہلحدیث دہلی جلد ۵ ش ۵)

سوال: یہاں پر ایک پیش امام صاحب حالت نماز میں رکوع اور رکوع کے بعد اور سجدہ میں ان کے مقام کی تسبیح کے بعد رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ إِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً إِنَّكَ أَنْتَ الْوَهَّابُ۔ پڑھا کرتے ہیں کیا پڑھنا صحیح ہے؟ نیز التحیات کے بعد سلام پھیرنے سے پہلے حنفی بھی بہت سی دعائیں پڑھتا ہے اس کا حکم کیا ہے؟

اذا قال الامام ولا الضالین سمعت لهم رجة بامین والجهر بالماموم ذهب الیه الشافعی فی القدیم وعلیه الفتویٰ وقال الرافعی قال الاکثر فی المسئلة قولان اصحهما انه یجهر انتهیٰ۔ واللہ اعلم۔

کتبہ محمد عبد الرحمٰن المبارکفوری عفا اللہ عنہ۔ فتاویٰ نذیریہ جلد اول ص۴۴۳

سوال: مسبوق نے امام کی اقتدا اس وقت کی کہ امام نصف الحمد پڑھ چکا ہے۔ اور مقتدی نے الحمد شروع کی، یہ نصف الحمد تک پہنچا تھا کہ امام نے ولا الضالین کو پڑھا تو مقتدی الحمد چھوڑ کر آمین کہے گا یا نہیں۔ اگر کہے گا، تو پھر اپنی الحمد پوری کر کے آمین کہے یا نہیں، اگر کہے گا تو دوبارہ کہنا لازم آئے گا، ایک درمیان فاتحہ دوسرے بعد ختم فاتحہ اور اگر نصف الحمد میں آمین کہے گا تو یہ تحریف لازم آئے گی۔ اور تحریف کلام اللہ میں حرام ہے۔ اب کوئی ایسی حدیث ہو جس سے یہ معلوم ہو کہ یہ مسبوق الحمد پڑھتا رہے آمین نہ کہے یا الحمد چھوڑ کر آمین کہے۔

(سائل مولوی سید اللہ دیا صاحب نصیر آبادی)

جواب: اس کا نام تحریف نہیں بلکہ اتباع امام ہے۔ امام کی متابعت کی وجہ سے اگر نصف الحمد میں آمین کہے اور اور پھر الحمد ختم کر کے بھی کہے تو شرعاً کوئی قباحت نہیں۔ حدیث میں ہے اِنَّمَا جُعِلَ الْاِمَامُ لِیُؤْتَمَّ بِہٖ؛ یعنی امام تو اسی لیے بنایا گیا ہے اس کی اقتدا کی جائے۔ دوسری حدیث میں ہے کہ مَا یَصْنَعُ الْاِمَامُ فَاصْنَعُوْا یعنی جو امام کرے تم بھی وہی کرو۔

تیسری حدیث میں ہے اِذَا قَالَ الْاِمَامُ غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ وَلَا الضَّالِّیْنَ فَقُوْلُوْا اٰمِیْنَ۔ یعنی جب امام ولا الضالین کہے (عام اس کے کہ تمہاری الحمد آدھی ہوئی ہو یا پوری، تم آمین کہو۔ ما هو جوابکم فهو جوابنا۔

(مفتی) ابو محمد عبد الستار غفرلہٗ ولوالدیہ الغفار

(فتاوےٰ ستاریہ جلد اول ص۱۵۳)

یہ باقی رہی اور اس سے پہلے گذر چکا ہے کہ ابن زبیر اور ان کے مقتدی بلند آواز سے آمین کہتے تھے عطاء کہتے ہیں کہ میں نے دوسو صحابہ کو اس مسجد میں بلند آواز سے آمین کہتے دیکھا ہے۔ مسجد کانپ جاتی تھی۔ امام شافعیؒ کے نزدیک مقتدی بلند آواز سے آمین کہے، رافعی کہتے ہیں اکثر اس مسئلہ میں دو قول بیان کرتے ہیں ان سے زیادہ صحیح یہ ہے۔ کہ بلند آواز سے آمین کہے۔

باب الرکوع والسجود

سوال : اگر کسی رکعت میں سہواً بجائے دو سجدوں کے ایک سجدہ ہو جائے تو کیا سجدہ سہو لازم آئیگا یا رکعت کا اعادہ لازم ہے؟

الجواب بعون الوهاب : دو سجدوں میں سے ایک سجدہ رہ جائے، تو جس رکعت میں رہا ہے وہاں سے نماز شروع کرے۔ جس کی صورت یہ ہے کہ ایک سجدہ پہلے ہو چکا ہے ایک اور کرکے اس کے بعد کی رکعتیں پڑھ لے، پھر اخیر میں التحیات کے بعد سلام سے پہلے یا بعد سجدہ سہو کرے۔ کیونکہ دونوں سجدے رکن ہیں ایک چھوٹنے سے نماز نہیں ہوتی۔ نماز کے مفصل مسائل ہماری کتاب "تعلیم الصلوٰۃ" میں پڑھیں۔

حضرت مولانا عبداللہ صاحب محدث روپڑی "تنظیم اہلحدیث جلد ۱۸ ش ۱۹"

سوال : مسجد کے امام جب سجدے اور رکوع میں جاتے ہیں تو اس طرح گڑگڑاتے ہیں کہ مقتدی بھی ان کے رونے کی آواز سن لیتا ہے۔ اور رکوع و سجود میں دعا زور زور سے پڑھتے ہیں کیا ایسے امام کے پیچھے نماز نہیں ہوگی؟

جواب : خوف الٰہی سے رونے میں کوئی حرج نہیں ہے اور ایسے امام کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے۔

حضرت مولانا عبدالسلام صاحب بستوی (اخبار اہلحدیث دہلی جلد ۵ ش ۵)

سوال : یہاں پر ایک پیش امام صاحب حالت نماز میں رکوع اور رکوع کے بعد اور سجدہ میں ان کے مقام کی تسبیح کے بعد رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ۔ پڑھا کرتے ہیں کیا پڑھنا صحیح ہے؟ نیز التحیات کے بعد سلام پھیرنے سے پہلے حنفی بھی بہت سی دعائیں پڑھتا ہے اس کا حکم کیا ہے؟

جواب : حدیث سے اس طرح کا ثبوت نہیں ہے اگر وہ حدیث کی دعائیں ہیں تو کوئی حرج نہیں۔

واللہ اعلم بالصواب مولانا عبدالسلام صاحب بستوی اخبار اہلحدیث دہلی جلد ۷ ش ۱۰

سوال : دربارہ جواز رفع سبابہ ہر رکعت کے مابین السجدتین تحقیق کرتا ہوں چنانچہ اس حدیث سے جواز ثابت ہوتا ہے[1] حدثنا عبداللہ حدثنی ابی ثنا عبد الرزاق انا سفیان عن عاصم بن کلیب عن ابیہ عن وائل بن حجر قال رأیت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کبر فرفع یدیہ حین کبر یعنی استفتح الصلوٰۃ ورفع یدیہ حین کبر ورفع یدیہ حین رکع ورفع یدیہ حین قال سمع اللہ لمن حمدہ وسجد فوضع یدیہ حذو اذنیہ ثم جلس فافترش رجلہ الیسری ثم وضع یدہ الیسریٰ علی رکبتہ ووضع ذراعہ الیمنی علی فخذہ الیمنی ثم اشار بالسبابۃ ووضع الابہام علی الوسطی وقبض سائر اصابعہ ثم سجد الخ۔ ھکذا فی مسند امام احمد بن حنبل جلد ۴ ص ۳۱۷ اس حدیث سے صاف مفہوم ہوتا ہے کہ رفع سبابہ ہر رکعت میں مابین السجدتین جائز ہے یہ حدیث صحیح الاسناد قابل عمل ہے یا نہیں بالتشریح والتصریح تحریر فرماویں اگر یہ حدیث صحیح متصل الاسناد ہے تو فہو المرام اگر ضعیف ہے تو وجوہات ضعف تحریر فرماویں؟

جواب : اشارہ سبابہ بین السجدتین کی حدیث جو مسند امام احمد بن حنبل جلد ۴ صفحہ ۳۱۷ میں مروی ہے اس میں عاصم بن کلیب ایک راوی ہے جو اپنے باپ سے روایت کرتا ہے۔ میزان الاعتدال میں ہے: کان من العباد[2] الاولیاء لکنہ مرجی وثقہ یحیی بن معین وغیرہ وقال ابن المدنی لا یحتج بما انفرد بہ اور تقریب میں لکھا ہے۔ صدوق من الثانیۃ اور خلاصہ میں لکھا ہے وقال الامام ابو داؤد عاصم بن کلیب عن ابیہ عن جدہ[3]

---

[1] حدیث سنائی ہم کو عبداللہ نے کہا حدیث سنائی مجھ کو باپ میرے نے کہا حدیث سنائی ہم کو عبدالرزاق نے کہا خبر دی ہم کو سفیان نے عاصم بن کلیب سے اس نے باپ اپنے سے اس نے وائل بن حجر سے کہ دیکھا میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز کے شروع میں تکبیر اولیٰ پڑھتے وقت اور رکوع کرتے وقت اور سمع اللہ لمن حمدہ کہتے وقت رفع یدین کرتے دیکھا اور دیکھا کہ آپ نے سجدہ کیا اور دونوں ہاتھ کانوں کے برابر رکھے پھر بایاں پاؤں بچھا کر بیٹھ گئے اور بائیں ہاتھ کو بائیں گھٹنے پر رکھا اور دائیں کو داہنی ران پر پھر انگوٹھے کے پاس کی انگلی سے اشارہ کیا اور انگوٹھے کو بیچ کی انگلی پر رکھا اور باقی سب انگلیوں کو بند کر لیا پھر (دوسرا) سجدہ کیا۔ مسند امام احمد بن حنبل کی چوتھی جلد ۳۱۸ میں بھی اسی طرح ہے۔ [2] عاصم بن کلیب ولیوں میں سے تھا لیکن مذہب مرجیہ کا رکھتا تھا۔ یحییٰ بن معین وغیرہ نے اس کی ثقاہت بیان

پس بشئی الغرض عاصم بن کلیب مختلف فیہ ہے بعض اہل علم اس کو ثقہ کہتے ہیں اور بعض ضعیف اور بقاعدہ مسلمہ اصول حدیث الجرح مقدم علی التعدیل جس روایت کے ساتھ عاصم بن کلیب منفرد ہو جائے وہ لائق احتجاج کے نہیں ہے، اور تعدیل کلیب کی ساتھ لفظ صدوق کے ہے اور یہ لفظ مرتبہ خامسہ سے ہے اور اہل مرتبہ خامسہ کے لائق احتجاج کے نہیں ہیں امعان النظر شرح نخبۃ الفکر میں ہے ثم الحکم فی اھل ھذہ المراتب الاحتجاج بالاربعۃ الاول منہا واما التی بعدھا فانہ لا یحتج باحد من اھلہا لکون الفاظہا لا تشعر بشریطۃ الضبط بل یکتب حدیثہ ویختبر اور قرون خیر صحابہ کرام وتابعین وائمہ اسلام سے بھی اس موقعہ پر اشارہ سبابہ ثابت نہیں ہے پس متروک العمل ہونا بھی اس حدیث کے ضعف کی دلیل ہے۔

حررہ عبدالجبار بن عبداللہ الغزنوی عفی اللہ عنہما — فتاویٰ غزنویہ ص ۲۵ تا ص ۲۶

سوال : عورتوں کو نماز میں انضمام کرنا چاہیے یا نہ؟ بینوا توجروا

الجواب وھو الموفق للصواب : ابوداؤد اپنے مراسیل میں اور بیہقی سنن کبریٰ میں زید بن ابی حبیب سے مرسلاً روایت کرتے ہیں۔ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مر علی امرأتین تصلیان فقال اذا سجدتما فضما بعض اللحم الی الارض وان المرأۃ لیست فی ذلک کالرجل واخرج البیہقی مرفوعاً اذا سجدت المرأۃ الصقت بطنہا فخذھا کاستر ما یکون لہا۔ اور اسی پر تعامل اہل سنت مذاہب اربعہ وغیرہ سے چلا آیا ہے۔

(بقیہ ص) کی ہے اور ابن مدینی نے کہا کہ جس حدیث کو وہ اکیلا ہی بیان کرے اس سے دلیل نہ پکڑی جاوے۔ ۳ے سچا اور دوسرے درجہ کا آدمی ہے۔ ۱۲ ۴ے امام ابوداؤد نے کہا کہ عاصم بن کلیب جو حدیث اپنے باپ کے واسطہ سے اپنے دادا سے روایت کرے، وہ لائق اعتبار نہیں ہے ۱۲ ۵ے اگر کسی راوی پر کسی قسم کا طعن یا عیب لگ چکا ہو اور بعض نے اس کی پختگی اور عدالت بھی بیان کی ہو تو اس پر عیب لگنے کا اعتبار ہوگا یعنی وہ ضعیف گنا جاوے گا۔ ۱۲ ۶ے امعان النظر میں بہت سے اہل مراتب کا بیان کرکے فرماتے ہیں، کہ حکم ان مرتبہ والوں کا یہ ہے۔ کہ ان میں سے پہلے چار کے ساتھ دلیل پکڑنی صحیح ہے اور ان چار کے بعد والوں میں کسی ایک کے ساتھ بھی دلیل نہیں پکڑی جاسکتی اس لئے کہ ان کے الفاظ شروط ضبط کی حد پر مشترک ہیں بلکہ ان کی حدیث لکھ کر اس میں تحقیق کی جاتی ہے۔ ۱۲ ۷ے تحقیق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عورتوں کے پاس سے گزرے جو نماز پڑھ رہی تھیں تو آپ نے فرمایا جب تم سجدہ کرو تو سمٹ کر سجدہ کرو کیونکہ عورت اس فعل میں آدمی کی طرح پر نہیں ہے اور بیہقی نے مرفوعاً بیان کیا ہے کہ جب عورت سجدہ کرے تو اپنے پیٹ کو اپنی رانوں سے ملائے اس میں زیادہ پردہ ہے ۱۲ علوی

حافظ ابن القیم زاد المعاد میں لکھتے ہیں وھذا اشرح فی حق الاناث من الستر والخفر ما لا یشرع مثلہ للذکور فی اللباس وارخاء الذیل شبرا او اکثر وجمع نفسہا فی الرکوع والسجود دون التجافی. شرح وقایہ وہدایہ وغیرہ کتب حنفیہ میں لکھا ہے والمرأۃ تنخفض فی السجود وتلحق بطنہا بفخذیہا ابن ابی زید مکی نے اپنے رسالہ میں جو مذہب امام مالکؒ میں متون معتبرہ سے ہے لکھتے ہیں وھی (ای المرأۃ) فی ھیئۃ الصلوۃ مثلہ (ای مثل الرجل) غیر انہا تنضم ولا تفرج فخذیہا ولا عضدیہا وتکون منضمۃ منزویۃ فی جلسہا وسجودھا وامرھا کلہ: امام نووی منہاج میں (جو فقہ شافعیہ میں معتبر متن ہے) لکھتے ہیں وتضم المرأۃ والخنثی شہاب الدین احمد رملی شافعی نہایۃ المحتاج میں منہاج کی اس عبارت مذکور پر لکھتے ہیں فیضم کل منہما بعضہ الی بعض ولو فی خلوۃ فیما یظہر لما فی تفریقہما من التشبہ من الرجال شرح اقناع (جو حنابلہ کی معتمد کتاب ہے) میں لکھتے ہیں والمرأۃ کالرجل فی ذلک لانہا تجمع نفسہا فی الرکوع والسجود وجمیع احوال الصلوۃ وتجلس متربعۃ او تسدل رجلیہا عن یمینہا وھو افضل لانہ غالب فعل عائشۃ واشبہ بجلسۃ الرجل انتہی اور دونوں پاؤں کو دائیں طرف نکال کر بیٹھنا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قعدہ اخیرہ میں ثابت ہے جب مردوں کے واسطے اس کی ممانعت نہیں تو عورتوں کے واسطے بسبب تستر کے بالاولیٰ ممانعت نہیں ابوداؤد صفت صلوۃ نبویہ میں ابوحمید سے مروی ہے فاذا کان فی الرابعۃ افضی بورکہ الیسری الی الارض واخرج من ناحیۃ واحدۃ غرض کے عورتوں کا انضمام وانخفاض نماز میں احادیث وتعامل جمہور اہل علم از مذاہب اربعہ وغیرہم سے ثابت ہے اس کا منکر کتب حدیث وتعامل اہل علم سے بے خبر ہے۔ واللہ اعلم حررہ عبدالجبار بن عبداللہ الغزنوی عفی اللہ عنہما (فتاویٰ غزنویہ صفحہ ۲۷، ۲۸)

۱؎ عورتوں کے لئے (نماز میں) لباس کے ساتھ اور پلو ایک بالشت یا زیادہ چھوڑنے کے ساتھ پردہ کرنا اور اپنے بدن کو رکوع اور سجدہ میں اکٹھا کرنا اور جھکانا، اس قدر مشروع ہے۔ جو مردوں کے لئے آتا نہیں ۱۲۔ ۲؎ اور عورت سجدوں میں جھک جائے اور اپنے پیٹ کو رانوں سے ملائے۔ ۳؎ اور عورت صورت میں نماز مرد کی طرح ہے صرف اتنا فرق ہے کہ عورت سمٹ کر رہی اور اپنے بازو اور رانوں کو کشادہ نہ کرے۔ بلکہ اپنے سجدے اور بیٹھنے اور نماز کے سب کاموں میں مل کر رہے۔ ۴؎ عورت اور مخنث (نماز) میں سمٹ کر رہیں ۱۲ ۵؎ پس ہر ایک عورت اور مخنث (نماز میں) اپنے (بعض جسم) کو بعض سے ملاوے اگرچہ خلوت میں ہو ظاہر یہی ہے اس لئے کہ بعض جسم کو علیحدہ کرنے میں مردوں سے مشابہت ہوتی ہے ۱۲ ۶؎ عورت نماز میں مرد کی طرح ہے مگر عورت اپنے جسم کو رکوع اور سجدوں اور نماز کے تمام احوال میں اکٹھا کر کے رکھے اور (بیٹھنے کے وقت) چوکڑی مار کر بیٹھے یا اپنے دونوں پاؤں کو اپنی داہنی طرف نکال کر (لٹکا یا کرے)

مسئلہ: سجدہ جاتے وقت ہاتھ پہلے رکھے یا گھٹنے۔ اس کے متعلق شیخ البانی نے فرمایا حدیث "یضع رکبتیہ قبل یدیہ" موضوع ہے۔ خاص کر جب اس کے مقابلہ میں صحیح حدیث موجود ہے جس کے الفاظ یہ ہیں "فلا یبرك کما یبرك البعیر" یعنی سجدہ میں جاتے ہوئے اونٹ کی طرح نہ بیٹھو۔" اونٹ گھٹنے پہلے رکھتا ہے اس کے برعکس یہ ہے کہ "ہاتھ پہلے رکھیں جائیں۔"

خلاصہ یہ ہے کہ سجدہ جاتے وقت ہاتھ پہلے رکھے یا گھٹنے؟ شیخ البانی کا خیال ہے کہ "ہاتھ پہلے رکھے گھٹنے پہلے رکھنے کی حدیث موضوع ہے۔" حضرت العلام فرماتے ہیں: "اس روایت پر موضوع کا حکم لگانا ٹھیک نہیں۔" البتہ ہاتھ رکھنے کی حدیث راجح ہے۔ کیوں کہ اس کا شاہد موجود ہے۔ اس کے علاوہ ان دونوں حدیثوں میں موافقت بھی ہو سکتی ہے۔" اس سے آگے حضرت العلام نے موافقت کی صورتیں بیان فرمائی ہیں جو مندرجہ ذیل ہیں:- الحکم بوضع الحدیث لیس بجید ففی باب صفۃ الصلوٰۃ من بلوغ المرام عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا سجد احدکم فلا یبرك کما یبرك البعیر ولیضع یدیہ قبل رکبتیہ اخرجہ الثلاثۃ وھو اقوی من حدیث وائل بن حجر رأیت النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا سجد وضع رکبتیہ قبل یدیہ اخرجہ الاربعۃ فان الاول شاھد من حدیث ابن عمر صححہ ابن خزیمۃ وذکرہ البخاری معلقا موقوفا۔ انتہی

ویمکن الجمع بینھما ان الثانی محمول علی الکبر فان وائل بن حجر جاء اخیرا من الیمن ویمکن ان یکون فعلہ للجواز کما فی حدیث الوتر اجعلوا اخر صلوٰتکم ..... فی اللیل الوتر مع حدیث ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یصلی رکعتین بعد الوتر جالسا۔

تنظیم اہلحدیث ص۱۶ ۳۸

سوال: درمیان دونوں سجدوں کے اللھم اغفرلی وارحمنی وعافنی واھدنی وارزقنی پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب: جائز ہے۔ یہ مسئلہ حنفی مذہب کی معتبر کتاب ردالمختار ص۵۲۷ پر موجود ہے۔

فتاوےٰ مفید الاحناف ص۹

(بقیہ ص) بیٹھے اور یہ (پچھلی صورت) بہتر ہے اس لئے کہ مائی عائشہ رضی اللہ عنہا کا اکثر یہی طریقہ تھا اور (یہ صورت) مرد کے بیٹھنے کے ساتھ بھی بہت مشابہ ہے۔ انتہی ۱۲ ؎ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چوتھی رکعت میں بیٹھتے تو اپنے بائیں طرف مبارک زمین سے لگا دیتے اور دوسری طرف سے اپنے پاؤں مبارک نکال دیتے ۱۲ علوی

باب رفع الیدین

سوال : وتر کی تیسری رکعت میں مروجہ رفع الیدین جائز ہے یا ناجائز اور صحیح طریقہ کیا ہے؟

جواب : وتروں کی دعا قنوت میں جو تکبیر کہتے ہوئے ہاتھ اٹھاتے ہیں بعض صحابہ سے اس کا ذکر آیا ہے۔ اور بعض لوگ جو ہاتھ اٹھا کر دعا قنوت پڑھتے ہیں اس کا ذکر بھی بعض صحابہ سے آیا ہے۔ امام بخاریؒ نے رفع الیدین میں ذکر کیا ہے۔ ازحضرت العلام مولانا حافظ محمد صاحب گوندلوی الاعتصام جلد نمبر ۲ ش ۱۸

سوال : چہ میفرمایند عالمان دین و مفتیان شرع متین دریں مسئلہ کہ رفع الیدین عند الرکوع و عند رفع الرأس منہ و عند القیام للرکعۃ الثالثۃ از سنن مؤکدہ است کہ تارکش معاتب و معاقب خواہد شد یا از سنن زوائد کہ فاعل آں مثاب باشد و تارکش ملام و معاتب نخواہد شد وان ترک مدۃ عمرہ کما حققہ الشہید رحمہ اللہ فی رسالتہ تنویر العینین۔

الجواب : حافظ ابن قیمؒ در زاد المعاد نوشتہ من الاختلاف المباح الذی لا یعنف فیہ من فعلہ ولا من ترکہ وھذا کرفع الیدین فی الصلوۃ وترکہ وکا الخلاف فی انواع التشہدات وانواع الاذان والاقامۃ وانواع النسک من الافراد والقران والتمتع شیخ الاسلام ابن تیمیہ اپنے رسالہ سنت الجمعہ میں لکھتے ہیں فان السلف فعلوا ھذا وھذا وکان کلا الفعلین مشہور بینہم کانوا یصلون علی الجنازۃ بقرأۃ وبغیر قرأۃ کما کانوا یصلون تارۃ بالجہر بالبسملۃ وتارۃ بغیر جہر وتارۃ باستفتاح وتارۃ بغیر استفتاح وتارۃ برفع الیدین فی المواطن

---

[1] کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ وقت رکوع کرنے اور رکوع سے اٹھنے اور تیسری رکعت کے لئے کھڑے ہونے کے رفع یدین کرنا سنتوں مؤکدہ سے ہے کہ جن کا تارک لائق عتاب اور عذاب کے ہو جاتا ہے یا سنتوں زائدہ سے ہے کہ جن کا کرنیوالا ثواب کے لائق ہوتا ہے اور تارک اُن کا لائق ملامت اور عتاب کے نہیں ہوتا اگرچہ عمر بھر نہ کرے جیسا کہ شہید رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسالہ تنویر العینین میں بیان کیا ہے۔

[2] حافظ ابن قیمؒ نے زاد المعاد میں لکھا ہے کہ قنوت کا مسئلہ مختلف فیہ ہے۔ اور یہ اختلاف اختلاف مباح سے ہے اس کے کرنے والے

الثلاثة وتارة يقرؤن خلف الامام بالسر وتارة لا يقرؤن وتارة يكبرون على الجنازة سبعا وتارة خمسا وتارة اربعا كان فيهم من يفعل هذا وفيهم من يفعل هذا كل هذا ثابت عن الصحابة كما ثبت عنهم ان فيهم من كان يرجع فى الاذان وفيهم من لم يرجع فيه وفيهم من يوتر الاقامة وفيهم من كان يشفعها وكلاهما ثابت عن النبى صلى الله عليه وسلم شيخ الاسلام ابن تيمية. (فتاوی غزنویہ ص۴۹)

سوال : زید حنفی ہے وہ کہتا ہے کہ رفع الیدین کرنا ناجائز ہے بلکہ امام صاحب بھی رفع الیدین نہیں کیا کرتے تھے تو پھر ہم کیوں کر کریں اور کہتا ہے کہ عرب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں جب مسلمان عرب نماز پڑھتے تو منافقان عرب اپنی آستین میں بت بنا کر بحالت قیام رکھ دیتے تھے جو باعث تکلیف ہوتی تھی اور یہی وجہ ہے کہ لوگ رفعیدین کرتے تھے جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سرزمین میں تھے اب کرنے کی کیا ضرورت اور امام صاحب کو رفعیدین نہ کرنے کے نفی میں لاتے ہیں کیا یہ صحیح ہے یا نہیں اور رفع الیدین کرنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب : زید کا یہ کہنا کہ حنفی مذہب میں سنت نہیں ہے صحیح، مگر یہ کہنا کہ عرب آستینوں میں بت رکھا کرتے تھے محض بے ثبوت بات ہے جو کسی معتبر کتاب میں نہیں ہے۔ (فتاوی ثنائیہ ص۳ جلد ۲)

لے اور اسی طرح رفع الیدین کے سنت ہونے سے انکار کرنا بھی دلائل صحیحہ کی رو سے غلط ہے۔

(بقیہ) اور نہ کرنے والے پر کوئی ملامت نہیں ہے جیسے نماز میں رفع یدین کرنا اور نہ کرنا اور مانند اختلاف تشہداور اذان اور اقامت کے اور مانند اختلاف حج کے جو افراد اور قران اور تمتع ہے۔ سلف صالحین نے دونوں طرح کیا ہے۔ اور دونوں فعل ان میں مشہور اور معروف تھے۔ بعض سلف صالحین نماز جنازہ میں قرأت پڑھتے تھے اور بعض نہیں پڑھتے تھے جیسے کہ بسم اللہ کو نماز میں کبھی اونچے پڑھتے اور کبھی آہستہ دعاء افتتاح پڑھتے کبھی نہ پڑھتے اور کبھی رفع یدین رکوع کو جاتے اور اٹھتے اور تیسری رکعت کے لئے کھڑے ہوتے تینوں وقت کرتے کبھی نہ کرتے کبھی دونوں طرف سلام پھیرتے کبھی ایک طرف کبھی امام کے پیچھے قرأت پڑھتے کبھی نہ پڑھتے اور نماز جنازہ میں کبھی سات تکبیریں کہتے کبھی پانچ کبھی چار۔ سلف صالحین میں ہر طرح کے کرنے والے موجود تھے یہ سب اقسام اصحاب رضی اللہ تعالے عنہم سے ثابت ہیں چنانچہ بعض صحابہ کرام اذان میں ترجیع کرتے تھے بعض نہیں کرتے تھے بعض اقامت اکہری کہتے بعض دوہری اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دونوں طرح ثابت ہے ۱۲ علوی

سوال : کیا حکم ہے ایسے شخص کے حق میں جو چند ایک نمازیوں کی موجودگی میں طنزاً یا استہزاً یا حقارتاً رفع الیدین کے بارے میں کہے کہ یہ لوگ روتے پیٹتے ہیں اور ساتھ ہی حقارت کے طور پر ہاتھ سے اشارہ بھی کرے جواب مدلل ہو؟ (حافظ عبد اللہ)

جواب : شخص مذکور جہالت کرتا ہے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل سے اسے انکار ہے تو کیا حضرت پیر جیلانی رح کی کتاب غنیۃ الطالبین بھی اس نے نہیں دیکھی، اسے دیکھے اور آئندہ ایسی جہالت کے الفاظ نہ کہے ورنہ ایمان کا خطرہ ہے۔

تشریح از قلم حضرت مفتی مولانا ابو الوفاء ثناء اللہ صاحب قدس سرہٗ العزیز

اہل حدیث کا مذہب ہے کہ نماز میں رکوع کرتے ہوئے اور اس سے سر اٹھاتے ہوئے دونوں ہاتھ مثل تکبیر تحریمہ کے کانوں تک اٹھانے مستحب ہیں کیوں کہ صحیح بخاری و مسلم کی روایت ہے:۔ عن ابن عمر ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یرفع یدیہ حذو منکبیہ اذا افتتح الصلوٰۃ واذا کبر للرکوع واذا رفع رأسہ من الرکوع فعلھما کذالک (متفق علیہ) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز شروع کرتے تو دونوں ہاتھ اُٹھاتے اور جب رکوع کے لئے تکبیر کہتے تب بھی ہاتھ اٹھاتے اور جب رکوع سے سر اُٹھاتے تب بھی دونوں ہاتھ اُٹھاتے۔" چونکہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے رفع الیدین کرنے میں کسی فریق کو اختلاف نہیں حنفیہ بھی مانتے ہیں کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے رفعیدین عند الرکوع کیا، مگر منسوخ کہتے ہیں لہٰذا ہمیں زیادہ ثبوت دینے کی اس موقع پر حاجت نہیں بلکہ فریق ثانی کے ذمہ ہے کہ وہ نسخ کا ثبوت دیں، اس لئے بجائے مزید ثبوت دینے کے حنفیہ کرام کے دعوٰے نسخ کی پڑتال مناسب ہے۔

اس دعوے پر حنفیوں کی سر دفتر دو حدیثیں ہیں ان میں سے بھی ایک اوّل اور ایک دوم درجہ کی ہے اوّل سر دفتر حدیث روایت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی ہے جو ترمذی میں ہے جس کے الفاظ معہ ترجمہ یہ ہیں، قال عبد اللہ بن مسعود الا اصلی بکم صلوٰۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فصلی فلم یرفع یدیہ الا فی اوّل مرۃ (ترمذی) عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اپنے شاگردوں سے کہا میں تم کو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز بتلاؤں؟ یہ کہہ کر انہوں نے نماز پڑھی تو سوائے اوّل مرتبہ کے رفع الیدین نہ کیا" اس سے معلوم ہوا کہ رفع الیدین منسوخ ہے۔ جب ہی تو ایسے بڑے جلیل القدر صحابی نے رفع الیدین نہ کی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ابن مسعود کی حدیث سے نسخ ہونا ثابت نہیں ہوتا اس لئے کہ ممکن ہے

ابن مسعود کے نزدیک جیساکہ ہمارا مذہب ہے رفعیدین ایک مستحب امر ہے جس کے کرنے پر ثواب ملتا ہے اور نہ کرنے سے نماز کی صحت میں کوئی خلل نہیں آتا۔ علاوہ اس کے یہ کیونکر ممکن ہے کہ ایک امر جو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے بروایات صحیحہ ثابت ہو وہ صرف کسی صحابی کے نہ کرنے سے منسوخ قرار دیا جائے حالاں کہ وہ حدیث[۱] بقول عبد اللہ بن مبارک جیسے جلیل القدر محدث کے ثابت بھی نہیں اگرچہ بقول تحقیق امام ترمذی حسن ہے تو بھی صحیح کے درجہ تک نہیں پہنچ سکتی، خصوصاً جس حال میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد صحابہ کا اس پر عمل عام طور پر ثابت ہے۔ تو دعوے نسخ کیوں کر صحیح ہو سکتا ہے غور سے سنئے: عن ابی حمید الساعدی سمعته وهو فی عشرة من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقول انا اعلمکم بصلوٰۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الی ان قال ثم یقرأ ثم یکبر ویرفع یدیه حتی یحاذی بهما منکبیه ثم یرکع الی ثم سلم قالوا صدقت ھکذا کان یصلی (رواہ ابوداؤد والدارمی والترمذی وقال ھذا حدیث حسن صحیح)

ابو حمید ساعدی نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد دس صحابہ کی مجلس میں دعویٰ کیا کہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز تم سے بہتر جانتا ہوں ان کے کہنے پر اس نے بتلائی تو رکوع کرتے ہوئے اور سر اٹھاتے ہوئے دونوں وقت رفعیدین کی اور ان دسوں صحابہ کرام نے تصدیق کی کہ بے شک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اسی طرح نماز پڑھتے تھے۔

یہ روایت اور دس صحابہ رضی اللہ عنہم کی تصدیق ملانے سے صاف سمجھ میں آتا ہے کہ جن روایتوں میں آیا ہے۔ کہ کسی ایک آدھ صحابی نے رفعیدین نہیں کی ان کو نماز کے ضروری ضروری ارکان خصوصاً قومہ جلسہ اعتدال وغیرہ (جن میں لوگ عموماً سستی کیا کرتے ہیں، چنانچہ حدیث مسئی الصلوٰۃ سے یہ امر واضح ہوتا ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بعض لوگ ارکان صلوٰۃ میں سستی کرتے تھے ان) کی نسبت حاضرین کو تنبیہ کرنی مقصود ہوتی ہے نہ کہ امور مستحبہ کا بیان بھی۔

علاوہ اس کے اگر کسی امر میں جو سرور کائنات علیہ افضل التحیۃ والصلوٰۃ سے ثابت ہو، کسی ایک صحابی کے نہ کرنے سے نسخ ہو سکتا ہے تو یہی ابن مسعود رضی اللہ عنہ رکوع کے ——— وقت چوں کہ تطبیق کرتے تھے دونوں ہاتھوں کو زانوؤں پر نہ رکھتے تھے، چنانچہ صحیح مسلم میں ان کا یہ مذہب ثابت ہے بلکہ اپنے شاگردوں کو اس فعل کی تاکید مزید کیا کرتے تو لامحالہ اس وقت جب کہ انہوں نے رفعیدین نہ کی ہوگی، زانوؤں پر ہاتھ بھی نہ رکھے ہوں گے۔ کیوں کہ دوسری روایتوں سے ان کا مذہب یہی ثابت ہوتا ہے تو پس چاہیئے کہ رکوع

[۱] یعنی حدیث مذکور عبد اللہ بن مسعود

کے وقت زانوؤں پر ہاتھ رکھنے بھی منع ہوں حالاں کہ کسی کا مذہب نہیں اور تو کسی کا کیا ہوتا خود حنفیہ کا بھی نہیں بلکہ اگر اس قسم کی روایات خود آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی ثابت ہوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سوائے اول دفعہ کے رفعیدین نہیں کی تو بھی نسخ نہیں ہو سکتا۔ کیوں کہ سنت خاصکر مستحب امر کے لئے تو دوام فعل ضروری نہیں، دوام تو موجب وجوب ہے۔ سنت یا مستحب تو وہی ہوتا ہے کہ فعل مرۃً و ترک اخریٰ (کبھی کیا ہو اور کبھی چھوڑ دیا ہو) جس کو اہل معقول کی اصطلاح میں مطلقہ عامہ کہنا چاہیئے اور یہ تو ظاہر ہے کہ مطلقہ عامہ نقیض نہیں ہوتا۔ دوسری دلیل نسخ پر یہ ہے جسے آج کل بڑے زور سے بیان کیا جاتا ہے۔ صحیح مسلم کی حدیث ہے جس کے الفاظ مع مطلب یہ ہیں مالی اراکم رافعی ایدیکم کانها اذناب خیل شمس (مسلم) رسول پاک نے صحابہ رض کو نماز میں ہاتھ اٹھاتے دیکھا تو فرمایا کیا سبب ہے کہ تم اسطرح ہاتھ اٹھاتے ہو گویا وہ مست گھوڑوں کی دمیں ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ اس حدیث سے رفعیدین کا نسخ ثابت ہوتا ہے کیوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کے اندر ہاتھ اٹھانے سے منع فرمایا ہے تو ہر قسم کی رفعیدین جو نماز کے اندر ہو گی منع ہو گی۔

اس کا جواب یہ ہے کہ روایت مجمل ہے مفصل خود اس شبہ کا جواب دیتی ہے چنانچہ جابر بن سمرہ کہتے ہیں صلیت مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فکنا اذا سلمنا قلنا بایدینا السلام علیکم فنظر الینا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال ما شانکم تشیرون بایدیکم کانها اذناب خیل شمس اذا سلم احدکم فیلتفت الی صاحبه ولا یومی بیدہ (مسلم باب الامر بالسکون فی الصلوٰۃ) میں نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی تو ہماری عادت تھی کہ جب ہم اخیر نماز کے سلام پھیرتے تو اپنے ہاتھوں سے اشارہ کر کے السلام علیکم کہا کرتے تھے آں حضرت نے ہمیں دیکھا تو فرمایا تمہیں کیا ہوا کہ ایسے اشارے کرتے ہو گویا مست گھوڑوں کی دمیں ہیں۔ جب کوئی سلام دیا کرے تو وہ اپنے ساتھی کی طرف دیکھا کرے اور اشارہ نہ کیا کرے۔"

پس یہ مفصل روایت ہی کافی جواب دے رہی ہے کہ بات کچھ اور ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بے محل رفعیدین سے منع فرمایا ہے جو سلام کے وقت ہاتھ اٹھاتے تھے نہ کہ عند الرکوع والی رفعیدین سے علاوہ اس کے نسخ میں تقدم تاخر قطعی ہونا چاہیئے جو یہاں پر نہیں بھلا اگر یوں کہدے کہ یہ روایت (بشرطیکہ اسکو رفعیدین عند الرکوع سے تعلق ہو) خود ابن عمر کی روایت مذکورہ سے منسوخ ہے کیوں کہ ابن عمر اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم رفعیدین بعد انتقال آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی عمل کرتے رہے تو اس کا جواب شاید قائلین

نسخ پر ہم سے زیادہ مشکل ہو آخیر میں ہم اپنے بھائیوں کو فخر المتاخرین استاذ الہند حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی قدس سرہٗ کا اس مسئلہ میں فیصلہ سُنا کر بحث ختم کرتے ہیں۔ شاہ صاحب نے فرمایا ہے وَالَّذِیْ یُرْفَعُ اَحَبُّ اِلَیَّ مِمَّنْ لَایَرْفَعُ فَاِنَّ اَحَادِیْثَ الرَّفْعِ اَکْثَرُ وَاَثْبَتُ (حجۃ اللہ البالغہ از کار وھیأت) یعنی جو لوگ رکوع کو جاتے ہوئے اور سر اٹھاتے ہوئے رفعیدین کرتے ہیں وہ نہ کرنے والوں سے مجھے زیادہ پیارے ہیں۔ چوں کہ رفع الیدین کی حدیثیں تعداد میں زیادہ ہیں اور ثبوت بھی پختہ۔ مزید بحث رفعیدین کی دیکھنی ہو تو رسالہ تنویر العینین" مصنفہ مولانا اسماعیل دہلوی یا ہمارا رسالہ آمین رفعیدین مطالعہ کریں۔ (فتاوی ثنائیہ جلد اول ص۶۱ تا ص۳۴)

سوال: عیدین کی نماز میں ہر تکبیر پر رفع الیدین کرنا چاہیئے یا نہ کرنا چاہیئے اور محدثین کا عمل کیا رہا ہے؟

جواب: کرنا چاہیئے۔ حدیث لاترفع الایدی الافی سبع مواطن گو ضعیف ہے مگر عمل اس پر ہے۔ حنفی مذہب میں بھی رفع یدین سنت ہے۔

فتویٰ: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ عیدین کی نماز میں زوائد تکبیرات کے اندر اکثر اہلحدیث ارفعیدین کرتے ہیں، بالخصوص شہر دہلی میں جو علمائے ہر فریق اہلحدیث کا مرکز ہے۔ وہاں بھی یہ عمل دیکھا گیا ہے احادیث وآثار سے اس پر کیا دلیل ہے؟ بینوا توجروا

الجواب: اہل حدیث اس بارے میں دو روایتیں پیش کرتے ہیں۔ التلخیص الحبیر میں صلوٰۃ العیدین میں تکبیرات کے وقفہ کے متعلق ہے ...... الیٰ قولہ۔ عن عمر رضی اللہ عنہ انہ کان یرفع یدیہ فی تکبیرات۔ رواہ البیہقی الخ دونوں روایتوں میں ایک ایک راوی متکلم فیہ ہے، پہلی میں عبداللہ بن لہیعہ وہ صدوق ہے خلط بعد احتراق کتب کا راوی ہے۔ مسلم نے بھی اس سے مقروناً روایت کی ہے (تقریب التہذیب) دوسری میں بقیہ ابن ولید ہے۔ وہ بھی مسلم وسنن اربعہ کا راوی ہے۔ امام بخاری نے بھی تعلیقاً روایت کی ہے۔" صدوق کثیر التدلیس عن الضعفاء ہے۔ (التقریب التہذیب) یہاں اس کا شیخ محمد بن ولید زبیدی ثقہ اور صحیحین کا راوی ہے۔ اگرچہ ان دو میں کچھ کلام ہے۔ مگر دونوں روایتوں اور دو سندوں کے ملنے سے ہر ایک کو دوسری سے تقویت حاصل ہو گئی ہے۔ گویا ہر واحد "حسن لغیرہ" کے درجہ میں ہے لہٰذا قابل عمل ہے۔ بخصوصاً امام بیہقی وامام ابن منذر کا روایت کر کے اس سے استدلال کرنا اور پھر صدیوں سے محدثین کا اس پر تعامل قابل عمل ہے اور نماز یعنی مطلق نماز میں رفع یدین تو اللہ کی تعظیم اور سنۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم

ا کتب ستہ

ہے۔ قالہ الامام الشافعی (فتح الباری)

ونقل ابن عبد البر عن ابن عمرؓ انہ قال رفع الیدین زینۃ للصلوٰۃ وعن عقبۃ بن عامر قال لکل رفع عشر حسنات بکل اصبع حسنۃ (فتح الباری انصاری صہ ۲۱۴ جلد اول) بہرحال یہ فعل تعظیم الٰہی اور اس کی توحید فعلی باعث ثواب ہے اور یہ فعل حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے مروی ہے (وقد قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انی لا ادری ما بقائی فیکم فاقتدوا بالذین من بعدی ابی بکرؓ وعمرؓ (رواہ الترمذی مشکوٰۃ صہ ۵۶) واللہ اعلم بالصواب (ابوسعید محمد شرف الدین دہلوی) فتاوٰی ثنائیہ

سوال: رفع الیدین کے متعلق عورت کیا حکم رکھتی ہے؟

جواب: وہی حکم ہے جو مرد کو ہے یعنی سنت ہے نماز وغیرہ افعال شرعیہ میں جو افعال مردوں کے ہیں جب تک ان کی خصوصیت کا ثبوت نہ ہو عورتیں بھی ان میں شریک ہیں۔ فتاوٰی ثنائیہ جلد اول صہ ۳۸۶

اکابر علماء احناف اور رفع یدین

قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی مالابد میں رفعیدین کی بابت لکھتے ہیں کہ اکثر فقہاء و محدثین اثبات آں مے کنند۔ اور مولوی عبد المومن صاحب مرحوم دیوبندی مولانا عبد الحیٰ صاحب لکھنوی کے شاگرد تھے ان کی روایت تھی کہ مولانا رفعیدین کیا کرتے تھے۔

مولوی عبد الحق صاحب ملتانی، مولانا انور شاہ صاحب دیوبندی مرحوم کے شاگرد ہیں ان کی روایت ہے کہ میں نے شاہ صاحب کو رفعیدین کرتے دیکھا۔ اسی طرح شاہ صاحب کے اور شاگردوں سے بھی سننے میں آیا ہے کہ فرمایا کرتے تھے: رفعیدین عمر بھر میں کبھی کر لینا چاہیئے ایسا نہ ہو کہ اس سنت کے متعلق سوال ہو۔ مولانا انور شاہ مرحوم بھی (رفعیدین) کے منسوخ کے قائل نہیں ہیں بلکہ اپنے شاگردوں کو فرمایا کرتے تھے۔ کہ گاہے بگاہے اس پر عمل کر لینا چاہیئے تاکہ قیامت میں یہ سوال نہ ہو کہ اس سنت کو کیوں چھوڑ دیا۔ اس کے گواہ مولوی عبد الکبیر صاحب کشمیری حال امرتسری ہیں[1]۔

آمین بالجہر اور رفعیدین کرنے والوں کو بنظر حقارت دیکھنا درست نہیں کیوں کہ بہت سے صحابہ و تابعین اور ائمہ مجتہدین ان کو سنت سمجھتے ہیں۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی

الجواب صحیح (سید سلیمان ندوی) فتاوٰی ثنائیہ جلد اول صہ ۵۳۶

[1] عصام بن یوسف بلخی حنفی بھی رفعیدین کرتے تھے جیسا کہ طبقات قاری سے تراجم حنفیہ میں ہے۔ (سعیدی)

سوال: رفع الیدین رکوع میں جاتے ہوئے اور رکوع سے سر اٹھا کر اور دوسری رکعت سے کھڑے ہو کر کرنا احادیث صحیحہ مرفوعہ، غیر منسوخہ سے ثابت ہے یا نہیں اور اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب: رفع یدین تینوں حالتوں میں احادیث صحیحہ مرفوعہ سے ثابت ہے عن[1] نافع عن ابن عمر کان اذا دخل فی الصلوۃ کبر ورفع یدیه واذا رکع رفع یدیه واذا قال سمع الله لمن حمده رفع یدیه واذا قام من الرکعتین رفع یدیه ورفع ذلک ابن عمر الی النبی صلی الله علیه وسلم رواه البخاری۔ اور سوائے حضرت ابن عمرؓ کے روایت کیا حدیث رفع یدین کو حضرت عمر و علی ووائل بن حجر و مالک بن الحویرث وانس وابوہریرہ وابوحمید وابوسعید وسہل بن سعد ومحمد بن مسلمہ وابوقتادہ وابوموسیٰ اشعری و جابر وعمر واللیثی رضی اللہ عنہم نے اور اکثر صحابہ وتابعین ومحدثین کا اسی پر عمل ہے جیسا کہ جامع ترمذی میں مذکور ہے اور اس کا نسخ کسی حدیث صحیح مرفوع سے ثابت نہیں ہے پس جب کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ثبوت پایا گیا اور اصحاب حضرت بھی اس کو عمل میں لائے تو بے شک اس صورت میں اس پر عمل کرنے والا ماجور اور مصیب ہوگا، شیخ ولی اللہ دہلوی حجۃ اللہ البالغہ میں فرماتے ہیں و[2] الذی یرفع احب الی ممن لا یرفع انتہی۔ حررہ ابو الطیب محمد شمس الحق عفی عنہ سید نذیر حسین فتاوی نذیریہ ص ۴۵۱ ج ۱

سوال: نماز عیدین میں ہر تکبیر میں رفع یدین ہونا چاہیے یا بعد تکبیر اولی کے ہاتھ باندھنا چاہیے یا چھوڑ دینا چاہیے سنت سے کیا ثابت ہے۔ بینوا توجروا۔

الجواب: تکبیرات عیدین میں رفع یدین نہ کرنا چاہیے کیوں کہ ثابت نہیں ہے اور خود حنفیہ نے جس حدیث سے استدلال کیا ہے اس سے ثابت نہیں ہوتا، کیوں کہ اس میں رفعیدین کا ذکر ہی نہیں ہے چنانچہ حدیث مذکور کے بارے میں اور نیز عدم ثبوت کے بارے میں یوں مرقوم ہے: ذکر[3] من جملتها تکبیرات

---

[1] عبداللہ بن عمر جب نماز شروع کرتے، تکبیر کہتے اور اپنے ہاتھ اٹھاتے، رکوع کو جاتے تو ہاتھ اٹھاتے اور جب سمع اللہ لمن حمدہ کہتے تو اپنے ہاتھ اٹھاتے اور جب دوسری رکعت سے کھڑے ہوتے تو اپنے ہاتھ اٹھاتے اور عبداللہ بن عمر اس فعل کو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کرتے تھے۔ [2] رفع یدین کرنے والا بنسبت نہ کرنے والے کے مجھ کو زیادہ پیارا ہے۔ [3] اور انہی میں سے عید کی تکبیروں کا (بقیہ آگے)

الاعیاد تقدم الحدیث فی باب صفة الصلوٰة ولیس فیہ تکبیرات الاعیاد واللہ اعلم کما روی عن ابی یوسف انہ لا ترفع الایدی فیھا لایحتاج فیہ الی القیاس ولا تکبیرات الجنائز بل یکفی فیہ کون المتحقق من الشرع ثبوت التکبیر ولم یثبت الرفع فیبقی علی العدم الاصلی انتہی مختصر
اور بعد تکبیرات کے ہاتھ باندھنے چاہئیں کیوں کہ ظاہر ہے کہ تکبیر کے بعد اصل ہاتھ باندھنا ہے پس تا وقتے کہ اس کے خلاف ثابت نہ ہو اسی اصل پر عمل ہوگا اور اس اصل کے خلاف نہیں، لہٰذا اسی اصل پر عمل چاہیئے۔

واللہ اعلم حررہ عبدالحق سید محمد نذیر حسین فتاویٰ نذیریہ جلد اوّل ص۴۵۴

ھو الموفق : عیدین کی ہر تکبیر میں رفع الیدین کرنا کسی حدیث مرفوع صحیح سے ثابت نہیں ہے ہاں حضرت ابن عمر[1] رضی اللہ تعالےٰ عنہ کا ہر تکبیر میں رفعیدین کرنا بسند صحیح ثابت ہے۔ مگر یہ حضرت ابن عمرؓ کا فعل ہے۔ عون المعبود شرح سنن ابی داؤد جلد ا صفحہ ۴۴۸ میں ہے۔

واما رفع الیدین فی تکبیرات العیدین فلم یثبت فی حدیث صحیح مرفوع و انما جاء فی ذالك اثر قال البیھقی فی المعرفة باب رفع الیدین فی لتکبیر العید قال احمد البیھقی ورویناہ عن عمر بن الخطاب فی حدیث مرسل وھو قول عطاء بن ابی رباح وقاسم والشافعی علی رفع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یدیہ حین افتتح الصلوٰة وحین ارادہ ان یرکع وحین رفع راسہ من الرکوع ولم یرفع فی السجود قال فلما رفع یدیہ فی کل ذکر کان حین یذکر اللہ قائما او رافعا الی قیام

(بقیہ ص ا سنہ بھی ہے۔ پہلے باب صفة الصلوٰة میں حدیث گزر چکی ہے۔ اور اس میں عید کی تکبیروں کا ذکر نہیں ہے جیسا کہ ابو یوسف سے روایت کیا گیا ہے۔ کہ عید کی تکبیروں میں ہاتھ نہ اٹھائے جائیں۔ اور نہ ہی جنازہ کی تکبیروں میں، بلکہ اس میں اتنا ہی کافی ہے کہ عید کی تکبیریں ثابت ہیں اور ان میں ہاتھ اٹھانا ثابت نہیں۔

[1] حضرت عمر بن الخطابؓ کے صاحبزادے ہیں۔ اپنے والد کے ساتھ مکہ میں بچپن میں ہی ایمان لائے۔ یہ غزوہ بدر میں شریک نہیں ہوئے۔ یہ بڑے علم، زہد، تقوےٰ، پرہیزگاری والے تھے۔ معاملات میں بڑی دیکھ بھال اور احتیاط کرتے تھے۔ نزولِ وحی سے ایک سال قبل ان کی ولادت ہوئی۔ اور ۷۳ھ میں ابن الزبیر کے قتل کے تین ماہ بعد اور بقول بعض چھ ماہ بعد وفات پائی۔ (سعیدی)

من غیر سجود لم یجز الا ان یقال یرفع المکبر فی العیدین یدیہ عند کل تکبیرۃ کان قائما فیھما انتھی واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب. کتبہ عبدالرحمٰن المبارکفوری عفا اللہ عنہ۔

ترجمہ: عیدین کی تکبیرات میں ہاتھ اٹھانا ثابت نہیں کسی صحیح مرفوع حدیث سے۔ محض ایک صحابی حضرت ابن عمرؓ کا اثر ہے۔ امام شافعی کہتے ہیں کہ اس بارے میں حدیث مرفوع تو ہے نہیں۔ حضرت ابن عمرؓ نے دوسری نماز کے قیام اور رکوع کی تکبیروں پر اس کو قیاس کر کے کہا ہے۔ کہ سجدہ کے علاوہ جب بھی آپ نے تکبیر کہی تو رفعیدین کیا۔

سوال: چہ مے فرمایند علمائے دین و مفتیاں شرع متین در مسئلہ رفع یدین و آمین بآواز بلند در نماز سہ گانہ درست یا نہ وہر آن شخص کہ بر ہر دو مسئلہ مذکورہ عمل کند آن شخص از مذہب امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ بیرون شود یا نہ؟ بینوا توجروا۔

الجواب: در صورت مرقومہ بر علمائے حقانی پوشیدہ نیست کہ در رفع یدین بوقت رفتن در رکوع و وقت برداشتن سر از رکوع منازعت و مخاصمت و مشاجرت و مغاضبت کردن خالی از تعصب مذہبی و جہالت نخواہد بود۔ زیرا کہ رفع و عدم رفع در ہر دو مقام باوقات مختلفہ از آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم و صحابہ کرام رضی اللہ تعالےٰ عنہم ثابت است چہ دلائل طرفین دریں باب موجود، لہٰذا شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ در شرح سفر السعادت بعد بیان دلائل طرفین نوشتہ اند کہ چارہ نیست از قول سنیت ہر دو فعل انتہی کلامہ وہم چنیں مولانا عبدالعلی حنفی لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ در ارکان اربعہ بعد بیان دلائل طرفین نیز میفرمایندان ترک فہو حسن دان

لے آپ کے والد محترم کا اسم گرامی مولانا حافظ عبدالرحیم تھا۔ آپ کے والد مرحوم قاضی شیخ محمد مچھلی شہری کے شاگرد تھے ابتدائی کتب مولوی خدا بخش اعظم گڑھی اور مولانا محمد سلیم پھریا دی سے پڑھیں۔ حضرت حافظ صاحب غازی پوری سے ادب ومعانی ہیئت، تفسیر حدیث، فقہ اور معقولات پڑھے۔ میاں صاحبؒ کے خاص شاگردوں سے ہیں متوفی ۲۲ جنوری ۱۹۳۴ء (سعیدی)

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ نماز میں رفعیدین کرنا اور تینوں جہری نمازوں میں بلند آواز سے آمین کہنا درست ہے یا نہیں اور جو شخص ان دونوں پر عمل کرے وہ امام اعظم کے مذہب سے باہر ہو جاتا ہے۔ یا نہیں؟ الجواب: علمائے حقانی پر پوشیدہ نہیں ہے کہ رکوع میں جاتے وقت اور رکوع سے اٹھتے وقت رفع یدین کرنے میں لڑنا جھگڑنا تعصب اور جہالت سے خالی نہیں ہے کیوں کہ مختلف اوقات

فعل فلا بأس به انتہیٰ کلامہ واگر بنظرِ انصاف پرسی تا رفع در ہر دو موضع از بسیارے صحابہ عظام رضی اللہ عنہ ثابت گردیدہ۔ بعضے از پنجاہ صحابہ رضؓ نقل کردہ اند چنانکہ عراقی در شرح تقریب گفتہ و مولوی سلام اللہ حنفی کہ از اولاد امجاد شیخ عبد الحق محدث دہلوی ہستند در محلی شرح موطا افادہ فرمودہ اند و بعضے از بست و سہ صحابہ روایت کردہ چنانکہ شیخ جلال الدین سیوطی نقل کردہ و نزد بعضے چہار صد خبر و اثر از حضرت رسالت پناہ صلے اللہ علیہ وسلم و صحابہ و سلف رضوان اللہ تعالے عنہم اجمعین دریں باب ورود یافتہ چناں کہ مجد الدین فیروزآبادی صاحب قاموس در سفر السعادت گفتہ است و دعویٰ نسخ آں بے دلیل است کما لا یخفی علی الماہر النبیل۔

اعلم انہ قد روی الرفع عند الرکوع والرفع منہ غیر ابن عمر وائل بن حجر ومالک بن الحویرث عند الشیخین وابو ہریرۃ وعلی وابو حمید الساعدی وابن عباس عند ابی داؤد وانس وجابر و صہیب عند ابن ماجہ والبیہقی وابو موسیٰ عند الدارقطنی وابو سعید وسہل بن سعد ومحمد بن مسلمۃ وابو قتادۃ وابو موسیٰ الاشعری وعمرو اللیثی کما ذکر الترمذی قال الشافعی فی الام یروی ذلک عنہ صلی اللہ علیہ وسلم اربعۃ عشر من الصحابۃ ویروی عن اصحابہ صلی اللہ علیہ وسلم من غیر وجہ و ذکر البخاری انہ رواہ ستۃ عشر رجلا من الصحابۃ وذکر الحاکم ممن رواہ العشرۃ المبشرۃ وذکر الولی العراقی انہ تتبع من رواہ من الصحابۃ فبلغوا خمسین رجلا فروی عبد الرزاق عن ابی حمزۃ مولی بنی اسد قال رایت ابن عباس اذا افتتح الصلوٰۃ یرفع یدیہ واذا رکع واذا رفع رأسہ من الرکوع

میں رفع الیدین کرنا اور نہ کرنا دونوں ثابت ہیں اور دونوں طرح کے دلائل موجود ہیں، شیخ عبد الحق محدث دہلوی نے شرح سفر السعادت میں طرفین کے دلائل بیان کر کے لکھا ہے کہ دونوں طریقوں کو ماننے کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے مولانا عبد العلی لکھنوی ارکان اربعہ میں طرفین کے دلائل لکھ کر فرماتے ہیں اگر نہ کرے تو بہتر ہے اور اگر کرے تو کوئی حرج نہیں لیکن اگر انصاف کی نگاہ سے دیکھا جائے تو بہت سے صحابہ کرام سے رفع یدین کرنا ثابت ہے، چنانچہ عراقی نے شرح تقریب میں اور مولوی سلام اللہ حنفی نے شرح موطا میں پنجاہ صحابہ سے رفع یدین نقل کی ہے۔ سیوطیؒ نے تیئس صحابہ سے رفعیدین نقل کی ہے اور مجد الدین فیروزآبادی صاحب قاموس نے سفر السعادت میں لکھا ہے کہ مرفوع احادیث اور آثار و اخبار رفع یدین کے متعلق اکٹھے کئے جائیں تو ان کی تعداد چار سو تک پہنچتی ہے اور رفعیدین کے منسوخ ہونے کا دعویٰ بالکل بلا دلیل ہے۔

رکوع کو جاتے اور رکوع سے اٹھتے وقت رفع یدین کرنا حضرت ابن عمر رضؓ کے علاوہ مالک بن حویرث ابو ہریرۃ رضؓ علی رضؓ ابو حمید ساعدیؓ ابن عباس رضؓ انس رضؓ جابر رضؓ صہیب رضؓ ابو موسیٰ رضؓ ابو سعید رضؓ سہل بن سعد رضؓ محمد بن مسلمہ رضؓ ابو قتادہ ابو موسیٰ اشعری رضؓ عمرو لیثی رضؓ وغیرہ

وروی ابن ابی شیبۃ عن عطاء قال رأیت ابا سعید الخدری وابن عباس وابن الزبیر یرفعون ایدیہم اذا افتتحوا الصلوٰۃ وحین رکعوا بعد ما رفعوا وعن اشعث کان الحسن یفعلہ وعن ابن سیرین انہ کان یرفع وذکر الترمذی ممن یقول بالرفع جابر وانس وابوہریرۃ وعطاء وطاؤس ومجاھد ونافع وسالم وسعید بن جبیر وبہ قال الشافعی واحمد واسحٰق والمحدثون وقال الامام ابوحنیفۃ لا یرفع الا فی تکبیرۃ الاحرام وھو روایۃ ابن القاسم والشافعی عن مالک رح قال ابن دقیق العید ھو المشھور عند اصحاب مالک والمعول بہ عند المتاخرین واحتجوا بما رواہ ابوداؤد والترمذی من طریق وکیع عن سفیان عن عاصم بن کلیب عن عبد الرحمٰن بن الاسود عن علقمۃ قال قال لنا ابن مسعود الا اصلی بکم صلوٰۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وصلی ولم یرفع یدیہ الا مرۃ واحدۃ مع تکبیرۃ الافتتاح قال ابوداؤد وھذا حدیث مختصر من حدیث طویل لیس ھو بصحیح علی ذلک اللفظ قال الحافظ ابن حجر فی تخریج الرافعی قال ابن المبارک لم یثبت عندی وضعفہ احمد وشیخہ یحیٰی بن اٰدم والبخاری وابوداؤد وابوحاتم والدارقطنی والدارمی والحمیدی الکبیر والبیہقی وقال ابن حبان ھذا احسن خبر روی لاھل الکوفۃ وھو فی الحقیقۃ اضعف شئ یقول علیہ لان لہ علۃ توھنہ ووقع فی الخلاصہ للنووی حکایۃ الاتفاق علی تضعیف ھذا الحدیث انتہی وقال

صحابہ سے حدیث کی مختلف کتابوں میں منقول ہے۔ امام شافعیؒ نے کتاب الام میں چودہ صحابہ سے رفع یدین کی روایتیں نقل کی ہیں۔ امام بخاری نے رفع یدین کو سولہ صحابہؓ سے روایت کیا ہے، حاکم کہتے ہیں کہ یہ وہ حدیث ہے جس کو عشرہ مبشرہ نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کیا ہے۔ ولی عراقی کہتے ہیں کہ میں نے تتبع کیا تو مجھ پچاس صحابہ رفع یدین کی روایت نقل کرنے والے ملے، ابوحمزہ کہتے ہیں کہ میں نے ابن عباس کو رکوع میں جاتے اور رکوع سے اٹھتے وقت رفع یدین کرتے دیکھا ہے۔ عطاء کہتے ہیں۔ کہ میں ابوسعید خدری، ابن عباس اور ابن زبیر کو رفع یدین کرتے دیکھا، امام حسن اور ابن زبیر رفع یدین کرتے تھے امام ترمذی، احمد، اسحاق اور تمام اہل حدیث رفع یدین کرتے تھے۔ امام ابوحنیفہ اور مالک کی ایک روایت رفع یدین نہ کرنے کے متعلق ہے اور دلیل میں ابن مسعودرضہ کی روایت پیش کرتے ہیں کہ انہوں نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز پڑھ کر دکھائی اور تکبیر تحریمہ کے سوا اور کسی جگہ رفع یدین نہ کی، ابوداؤد نے کہا یہ حدیث صحیح نہیں ہے۔ ابن مبارک کہتے ہیں یہ حدیث ثابت نہیں ہے۔ امام احمد یحییٰ بن آدم، امام بخاری، ابوداؤد، ابوحاتم، دارقطنی، دارمی، حمیدی، بیہقی، ابن حبان سب نے اس حدیث کو ضعیف کہا

ابن القطان هو عندی صحیح ولا یقول ثم لا یعود فقد قالوا ان وکیعا کان یقول من قبل نفسه وکذا قال الدارقطنی انه صحیح الا هذه اللفظة وذکره الحافظ فی تخریج الهدایة لکنه قال الترمذی انه حسن وبه یقول غیره واحد من اصحابه صلی الله علیه وسلم وصححه ابن حزم ذکره الزرکشی فی تخریج الرافعی فغایة ما فی الباب بثبوت الرفع وعدمه کلاهما عنه وهی انما یدل علی نفی وجوب الرفع لا علی عدم مذهب و ترك ابن عمر للرفع لا یفید نسخ الندب قال البیهقی وقد یمکن الجمع بینهما ان ما رأه ثابتا بانه غفل عنه فلم یره وغیره رأه وغفل عنه ابن عمر فلم یفعله مرة او مرات اذ کان یجوز ترکه ففعله یدل علی انه سنة وترکه یدل علی انه لیس بواجب محلی فنقول وردت فی الرفع المذکور راجع مائة خبر بین مرفوع واثر علی ما قال مجد الدین فیروز ابادی فی السفر فالحدیث متواتر معنی رواه خمسون من الصحابة فیهم العشرة المبشرة علی ما قاله العراقی فی شرح التقریب وعده السیوطی رحمه الله تعالی من جملة الاحادیث المتواترة فی کتابه المسمی بالازهار المتناثرة فی اخبار المتواترة ونسبه الی روایة ثلاثة وعشرین من الصحابة فقال حدیث رفع الیدین فی الاحرام والرکوع والاعتدال اخرجه الشیخان عن ابن عمر ومالك بن الحویرث ومسلم یعنی فی افراده عن وائل بن حجر والاربع فی اصحاب السنن الاربعة عن علی وابوداؤد یعنی فی افراده عن سهل بن سعد وابن الزبیر وابن عباس ومحمد بن مسلمة وابی اسید وابی حمید وابی قتادة وابی هریرة وابن ماجة یعنی فی افراده عن انس وجابر بن عبدالله وعمرو اللیثی واحمد عن الحکم بن عمیر والاعرابی والبیهقی عن ابی بکر الصدیق والبراء والدارقطنی عن عمر بن الخطاب وابی موسٰی الاشعری والطبرانی عن عقبة بن عامر ومعاذ بن جبل انتهی کلامه ثم استمر علیه دابه صلی الله علیه وسلم حتی فارق الدنیا وهو فی زیادة البیهقی علی الحدیث المتفق علیه عن الزهری عن سالم

ہے۔ امام نووی نے کہا اس کے ضعیف ہونے پر محدثین کا اتفاق ہے ابن قطان نے کہا "ثم لا یعود" (پھر نہ کرتے) کے الفاظ وکیع نے اپنی طرف سے کہے ہیں۔ دارقطنی نے کہا یہ لفظ لا یعود صحیح نہیں ہیں۔ امام ترمذی کہتے ہیں، کچھ صحابہ سے رفع یدین نہ کرنا بھی ثابت ہے۔ ابن حزم نے اس حدیث کو صحیح کہا اور ترمذی نے حسن۔ قصہ مختصر رفع یدین کا ثبوت اور عدم ثبوت دونوں مروی ہے اس اختلاف سے وجوب کی نفی تو ثابت ہو سکتی ہے۔ اس کی عدم سنیت ثابت نہیں ہوتی اور عبداللہ بن عمر کا رفع یدین نہ کرنا اس کے مستحب ہونے کے منافی نہیں۔ اور ہو سکتا ہے کہ ابن عمر نے کبھی خیال نہ کیا ہو، تو استمرار رفع یدین سے انہوں نے انکار کیا ہو اور اس سے زیادہ سے

عن ابن عمرؓ فما زالت تلك صلوته حتی لقی الله تعالى قال ابن المدینی فی حدیث الزهری عن سالم عن ابیه هذا الحدیث عندی حجة علی الخلق وكل من سمعه فعلیه ان یعمل به لانه لیس فی اسناده شیئ حكاه الحافظ فی تخریج احادیث الرافعی ولكونه لم ینسخ بعد صحته وتواتره وروایته عن جم غفیر من الصحابة رض كان معمولاً فی الصحابة بعد النبی صلی الله علیه وسلم كذا فی دراسات اللبیب فی الاسوة الحسنة بالحبیب للعلامة معین الدین السندی۔

واگر تحقیق زیادہ تر ازین در ثبوت رفعیدین منظور باشد پس در تنویر العینین فی اثبات رفع الیدین کہ یکے از مصنفات لفیسہ جناب مولانا محمد اسماعیل محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ است نظر کند کہ حق تحقیق بروظاہر شود و از عمل کردن بریک دو مسئلہ خلاف مذہب حنفی از مذہب امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ بقول ہمیں امام عالی مقام بیرون نہ خواہد بود، چنانچہ تحقیق این مسئلہ در معیار الحق بوجہ بسط مذکور است، ہرکرا شک وشبہ باشد، در معیار الحق بیند تا تشفی خاطرش بخوبی شود۔ وما علینا الا البلاغ واللہ اعلم بالصواب فاعتبروا یا اولی الالباب۔

جواب سوال دوم کا یہ ہے کہ دلیل جمہور اور اکثر علما کی اوپر جہر کرنے آمین کے حدیث ابوہریرہؓ کی ہے جو کہ ابوداؤد وغیرہ نے نقل کی، عن وائل بن حجر قال كان رسول الله صلی الله علیه وسلم اذا قرأ

زیادہ نفی وجوب رفع تو ثابت ہوسکتی ہے عدم سنت نہیں، رفعیدین کے اثبات کی مندرجہ بالا تقریر سے بخوبی واجب ہوگیا کہ یہ حدیث متواتر ہے۔ فیروزآبادی کے قول کے مطابق چار سو حدیثیں، آثار واخبار اس کے ثبوت میں موجود ہیں۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی آخری زندگی تک رفع یدین کرتے رہے ہیں۔ چنانچہ امام بیہقی نے سنن کبریٰ میں حضرت ابن عمرؓ سے حدیث روایت کی ہے کہ اللہ تعالےٰ کی ملاقات کے وقت تک آپ کی نماز رفع یدین سے ہوتی رہی، عبداللہ بن عمرؓ کہتے ہیں کہ یہ حدیث میرے نزدیک ہر اس آدمی پر حجت ہے جو اس کو سُنے، رفع الیدین اپنی صحت اور تواتر اور ایک جم غفیر سے روایت کے بعد منسوخ نہیں ہوتی، آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی یہ صحابہ اور تابعین کا معمول رہی ہے۔ جیساکہ معین الدین سندھی نے دراسات اللبیب میں بیان کیا ہے۔ اور اگر اس کی زیادہ تحقیق مطلوب ہو تو مولانا اسماعیل دہلوی کی کتاب تنویر العینین ملاحظہ فرماویں۔ آپ پر حق واضح ہوجائے گا۔

اور ایک دو مسائل میں امام صاحب کے قول کو چھوڑ کر دوسرے اقوال پر عمل کر لینے سے کوئی آدمی ان کے مذہب سے خارج نہیں ہوجاتا، چنانچہ اس مسئلہ کی پوری تحقیق معیار الحق میں موجود ہے۔ اس کو ملاحظہ کرکے تسلی کریں۔

دوسرے سوال کا جواب یہ ہے کہ جمہور اکثر علماء کے نزدیک آمین بالجہر کہنا سنت ہے اور ان کے دلائل حسب ذیل

لہ شیخ الکل فی الکل حضرت مولانا سید نذیر حسین محدث دہلوی کی تصنیفات سے ہے۔ (سعیدی)

غیر المغضوب علیهم ولا الضالین قال آمین ورفع بها صوته رواه ابوداؤد وعن ابی هریرة رض قال کان رسول الله صلی الله علیه وسلم اذا تلا غیر المغضوب علیهم ولا الضالین قال آمین حتی یسمع من یلیه من الصف الاول رواه ابوداؤد وعن ابی هریرة رض قال کان رسول الله صلی الله علیه وسلم اذا فرغ من القرأة ام القرآن رفع صوته وقال آمین رواه الدارقطنی وحسنه والحاکم وصححه ذکر ابن حجر العسقلانی فی بلوغ المرام وقال الحاکم اسناده صحیح علی شرطهما وقال البیهقی حسن صحیح وحدیث وائل اخرجه من طریق الثوری بلفظ صلیت خلف رسول الله صلی الله علیه وسلم فلما قال ولا الضالین قال آمین ومد بها صوته رواه ایضا ابن ماجة من طریق اخری عنه بلفظ قال آمین فسمعناها منه ورواه احمد والدارقطنی من هذه الطریق بلفظ مد بها صوته کذا قال شارح بلوغ المرام القاضی حسین بن محمد بن سعید بن عیسی المغربی . . . . وعن وائل بن حجر قال سمعت النبی صلی الله علیه وسلم قرأ غیر المغضوب علیهم ولا الضالین قال آمین ومد بها صوته رواه الترمذی وعن ابی هریرة قال کان رسول الله صلی الله علیه وسلم اذا قال غیر المغضوب علیهم ولا الضالین قال آمین حتی یسمعها اهل الصف الاول فیرتج بها المسجد رواه ابن ماجة وعن علی قال سمعت رسول الله صلی الله علیه وسلم اذا قال ولا الضالین قال آمین رواه ابن ماجة وعن عبدالجبار بن وائل عن ابیه قال صلیت مع النبی صلی الله علیه وسلم فلما قال ولا الضالین قال آمین فسمعناها منه وعن عائشة عن النبی صلی الله علیه وسلم قال ما حسدتکم الیهود علی شئی ما حسدتکم علی السلام والتامین وعن ابن عباس رض قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم

ہیں، وائل بن حجر کہتے ہیں کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب غیر المغضوب علیہم ولا الضالین پڑھتے تو بلند آواز سے آمین کہتے۔ ابو ہریرہ کہتے ہیں کہ آپ جب ولا الضالین پڑھتے تو آمین کہتے جس کو پہلی صف والے سن لیتے، ابو ہریرہ کہتے ہیں کہ جب آپ الحمد کی قرأت سے فارغ ہوتے تو بلند آواز سے آمین کہتے، اس کی سند بخاری مسلم کی شرائط پر ہے، وائل بن حجر کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھی تو جب آپ نے ولا الضالین کہا تو بلند آواز سے آمین کہی، دوسری حدیث میں ہے کہ ہم نے آپ کی آمین سنی، وائل بن حجر رض کی ایک اور روایت میں ہے کہ آپ نے ولا الضالین کے بعد آمین بلند آواز و مد کے ساتھ کہی ابو ہریرہ کہتے ہیں کہ جب آپ نے ولا الضالین کہا تو اتنی آمین کہی، کہ پہلی صف والوں نے سن لی، پھر صحابہ کی آمین سے مسجد گونج

ماحسدتکم الیھود علی شئی ماحسدتکم علی آمین فاکثروا من قول آمین رواہ ابن ماجۃ اور مقتدی کے حق میں فرمایا ہے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے اذا امن الامام فامنوا فانہ من وافق تامینہ تامین الملائکۃ غفرلہ ماتقدم من ذنبہ رواہ الترمذی وابوداؤد والبخاری ومسلم والنسائی وابن ماجہ۔

پس مقتدی کو چاہیئے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدا کرے یعنی جس طرح سے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم آمین پکار کر کہتے تھے اسی طرح مقتدی بھی پکار کر کہے کہ اقتدا آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پائی جاوے کیوں کہ رسول رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے صلوا کما رأیتمونی اصلی (ترجمہ) یعنی پڑھو نماز جیسا کہ مجھ کو نماز پڑھتے دیکھا تم نے۔ قال لاکثرون یجھر بالتامین کذا قال النووی وغیرہ من المحدثین مولانا عبدالعلی حنفی در ارکان اربعہ می فرمایند کہ درباب آہستہ گفتن آمین ہیچ وارد نہ شدہ مگر حدیثے ضعیف اما تامین الامام والماموم فلما روی مسلم عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا امن الامام فامنوا فانہ من وافق تامینہ تامین الملائکۃ غفرلہ ماتقدم من ذنبہ واما الاسرار بالتامین فھو مذھبنا ولم یرو فیہ الا ما روی الحاکم عن علقمۃ بن وائل عن ابیہ انہ صلی مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاذا بلغ ولا الضالین قال آمین واخفی بھا صوتہ وھو ضعیف وقد بین فی فتح القدیر وجہ ضعفہ لکن الامر فیہ سھل فان السنۃ التامین اما الجھر والاخفا فادب کذا فی الارکان الاربعہ۔

حاصل کلام کا یہ ہے کہ تامین بالجہر نماز جہریہ میں امام شافعی وامام احمد وجمہور علما کے نزدیک جائز ہے اور امام ابوحنیفہ و دیگر اہل کوفہ کے نزدیک تامین نماز جہرہ میں سرا مطلق جائز ہے۔ اور استدلال جمہور کا حدیث وائل سے ہے واستدل الجمھور مع ما فی حدیث الباب بما رواہ ابوداؤد عن ابی ھریرۃ کان صلی اللہ علیہ وسلم اذا تلا غیر المغضوب علیھم ولا الضالین قال آمین حتی یسمع من یلیہ من الصف الاول کذا فی المحلی شرح الموطأ لمولانا سلام اللہ الحنفی ومولانا محمد اسماعیل رحمۃ اللہ علیہ در رسالہ تنویر العینین می فرمایند، کہ بجہر آمین گفتن اولٰے

الخ، حضرت علی کہتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ جب ولا الضالین پڑھتے تو آمین کہتے، ابن حجر بیان کرتے ہیں کہ ہم نے ولا الضالین کے بعد آپ کی آمین سُنی آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جتنا حسد یہودی تمہاری آمین اور سلام پر کرتے ہیں اتنا اور کسی چیز پر نہیں کرتے سو تم آمین بلند آواز سے کہا کرو اور فرمایا جب امام آمین کہے تو تم بھی آمین کہو جس کی آمین فرشتوں کی آمین سے موافق ہو جائے اس کے پہلے گناہ بخشے جاتے ہیں۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بلند آواز سے آمین کہتے تھے تو ہمیں بھی بلند آواز سے کہنا چاہیئے کیوں کہ آپ نے فرمایا ہے، جیسے

است از آہستہ گفتن وعبارۃ ھکذا والتحقیق ان الجھر بالتامین اولیٰ من خفضہ انتھی کلامہ واللہ اعلم بالصواب فاعتبروا یا اولی الالباب۔ حررہ سید محمد نذیر حسین عفی عنہ سید محمد نذیر حسین

ھذا الجواب صحیح والمجیب نجیح محمد عبد القادر المجیب مصیب ولہ اجر نصیب خادم عباد اللہ الجلیل محمد اسماعیل محمد اسماعیل

فائدہ: در مستدرک حاکم است حدثنا ابوبکر احمد بن سلمان الفقیہ ببغداد ثنا الحسن بن مکرم البزار ثنا روح بن عبادۃ ثنا شعبۃ واخبرنی عبد الرحمن بن الحسن القاضی بھمدان ثنا ابراھیم بن الحسین بن دیزیل ثنا آدم بن ابی ایاس ثنا شعبۃ عن عاصم بن سلیمان ان ابا عثمان النھدی حدثہ عن بلال ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لا یستغنی بآمین ھذا حدیث صحیح علی شرط الشیخین ولم یخرجاہ وابو عثمان الھندی مخضرم قد ادرک الطائفۃ الاولی من الصحابۃ وھذا الخلاف مذھب احمد بن حنبل فی التامین لحدیث ابی صالح عن ابی ہریرۃ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال اذا قال الامام ولا الضالین فقولوا آمین وفقہاء اھل المدینۃ قالوا بحدیث سعید وابی سلمۃ عن ابی ہریرۃ رض اذا امن الامام فامنوا انتھی ما فی المستدرک۔

واضح باد کہ در روایت بلال در لفظ حدیث حاکم دو غلطی واقع شدہ، یکے آنکہ مقولہ بلال را منسوب بقول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کردہ دوم آنکہ بجائے لفظ لا تسبقنی لا یستغنی واقع شدہ و صحیح روایت ایں است حدثنا اسحق بن ابراھیم بن راھویہ انا وکیع عن سفیان عن عاصم عن ابی عثمان عن بلال انہ قال یا رسول اللہ لا تسبقنی بآمین کما رواہ ابوداؤد فی سننہ (ترجمہ) بلال گفت اے رسول خدا در آمین گفتن سبقت نفرماید،

تم مجھے نماز پڑھتے دیکھتے ہو ویسی ہی نماز تم بھی پڑھا کرو، اکثر علماء نے کہا آمین بلند آواز سے کہنا چاہیے، مولانا عبد العلی ارکان اربعہ میں فرماتے ہیں آمین آہستہ کہنے کے بارے میں صرف ایک حدیث ہے۔ اور وہ بھی ضعیف ہے۔ آہستہ آمین کہنا ہمارا مسلک ہے مگر اس کے متعلق علقمہ بن وائل کی حدیث کے سوا کوئی حدیث نہیں ہے اور وہ حدیث ضعیف ہے لیکن معاملہ آسان ہے آمین کہنا سنت ہے اور آہستہ یا بلند کہنا مستحب ہے مولانا اسماعیل تنویر العینین میں فرماتے ہیں کہ آمین آہستہ کہنے سے بلند آواز سے کہنا بہتر ہے۔

فائدہ:۔ مستدرک حاکم میں ہے، بلال کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "لا یستغنی بآمین" یہ حدیث شیخین کی شرط پر ہے گو انہوں نے اس کو روایت نہیں کیا۔ امام احمد بن حنبل ابوہریرہ کی حدیث کی بنا پر بلند آواز سے آمین کہتے اور

چیزے در قرأت فاتحہ آہستگی نمائید کہ من ہم بمفارقت آمین شما شریک شوم زیراکہ مراد اقامت وتسویہ صفت من وجہ دیگرے میشود، ونظیر قول بلال قول ابوہریرہ در صحیح بخاری مذکور است وکان ابو ہریرۃ ینادی الامام ھو العلاء بن الحضرمی کما عند عبد الرزاق لاتفتنی من الفوات ولابن عساکر لاتسبقنی بامین من السبق وعند البیہقی کان ابوہریرۃ یوذن لمروان فاشترط ابوہریرۃ ان لایسبقہ بالضالین حتی یعلم انہ دخل فی الصف وکانہ کان یشتغل بالاقامۃ وتعدیل الصفوف وکان مروان یبادر الی الدخول فی الصلوٰۃ قبل فراغ ابی ہریرۃ ینہاہ عن ذلک انتہی ما فی ارشاد الساری وغیرہ من الشروح البخاری۔

حاصل معنی روایت حاکم ایں است کہ مقتدی بمعیت امام بلامہلت آمین گوید، زیراکہ بعدہ می نویسد کہ ھذا بخلاف مذھب احمد بن حنبل اھ یعنی نزد احمد تقدم امام وتاخر مقتدی بترتیب بلامہلت باید، بقرینۂ فا فقولوا وفامنوا زیراکہ مقتضی فاء ترتیب بلامہلت است چناں کہ بر متامل ذکی مخفی نہ باشد، ولفظ یستغنی من الغنا فہمیدن وبایں یستغنی را معنی تیغنی قرار دادن یعنی لایجہر بآمین مراد گرفتن بناء فاسد علی الفاسد خواہد بود، زیراکہ استغنا بمعنی تغنی در لغت عرب مستعمل نہ شدہ ومن ادعی فعلیہ البیان بلکہ بلاشبہ از غلطی کاتباں بجائے لاتسبقنی لایستغنی واقع شدہ چہ روایت ابوداؤد برآں شاہد عدل است، وہم قول ابوہریرہ رضؓ مقوی ومساعد است آں را چناں کہ از صحیح بخاری سابق مذکور گردید، ودر روایت مستدرک شعبہ است ودر روایت ابوداؤد سفیان است قائم مقام شعبہ باقی عاصم وابی عثمان نہدی از بلال در مستدرک وابوداؤد متوافق اند پس اگر غلطی آں محمول بر کتابت نقل کنند گان نہ باشد، دریں صورت مقابلہ شعبہ باسفیان خواہد بود، درمیان اختلاف روایت حاکم وابوداؤد پس چناں کہ سنن ابوداؤد مقدم خواہد بود بر مستدرک حاکم ہمچناں سفیان مقدم شد بر شعبہ در صورت اختلاف، چنانچہ در باب الرجحان فی الوزن مستفاد میشود حدثنا ابن ابی رزمۃ قال سمعت یقول قال رجل لشعبۃ خالفک سفیان حدثنا احمد بن حنبل نا وکیع عن شعبۃ قال کان سفیان احفظ منی انتہی ما فی سنن ابی داؤد۔

مدینہ کے فقہاء کا بھی یہی مذہب ہے۔ واضح ہو کہ حاکم نے جو بلال سے روایت نقل کی ہے۔ اس میں دو غلطیاں ہیں۔ ایک تو یہ کہ بلال کے قول کو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔ یعنی یہ حدیث حقیقت میں موقوف ہے۔ جسے مرفوع بنا دیا گیا ہے اور دوسری غلطی یہ ہے کہ "لاتسبقنی بآمین" (مجھے آمین کہہ لینے دینا) کے الفاظ کو "لایستغنی بآمین" بنا دیا گیا ہے۔ چنانچہ صحیح روایت میں "لاتسبقنی بامین" کے لفظ آئے ہیں۔ اور اس کی نظیر ابوہریرہ کی حدیث ہے۔ جسے بخاری نے روایت کیا ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضؓ اپنے امام علاء بن حضرمی کو آواز دیا کرتے تھے۔ کہ میری آمین فوت نہ ہونے دینا۔ ابن عساکر کی روایت میں ہے۔ کہ مجھ سے آمین پہلے نہ کہہ لینا اس کی وجہ

خلاصہ کلام دریں مقام ایں است کہ ہر کہ بر روایت مستدرک حاکم مانع جہر آمین شود مخطی است چہ ازیں روایت نفی جہر آمین اصلا مرتبط نیست و مساسے ندارد، چناں کہ از ما سبق بوضوح پیوست وما علینا الا البلاغ المبین

حررہ السید محمد نذیر حسین عفی عنہ　[سید محمد نذیر حسین]　فتاوی نذیریہ ص ۱۴۱ ج ۱

سوال: رفع یدین سنت و جائز ثابت ہے یا نہ؟

جواب: ثابت ہے مولانا عبد العلی نے ارکان اربعہ میں لکھا ہے، "ان ترک فھو حسن وان فعل فلا باس به" اھ[1] اور مولانا عبد الحی نے تعلیق الممجد میں تحریر فرمایا ہے "ولو رفع لا تفسد صلاته كما في الذخيرة وفتاوی الولوالجی وغيرهما من الكتب المعتمدة"[2] اور مولانا ممدوح مغفور نے سعایہ میں لکھا ہے "والحق انه لا شك في ثبوت رفع اليدين عند الركوع والرفع منه عن رسول الله صلى الله عليه وسلم وكثير من اصحابه بالطرق القوية والاخبار الصحيحة"[3] اور محی الدین عربی سے دراسات اللبیب میں نقل کی ہے "رفع الیدین فی کل رفع وخفض" اھ اور شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے شرح سفر السعادت میں لکھا ہے "ما را ازیں چارہ نیست کہ اقرار سنیت ہر دو فعل کنیم" اھ۔ اور عصام بن یوسف بلخی حنفی ہو کر رفع یدین کرتے تھے جیسا کہ طبقات قاری سے تراجم حنفیہ میں منقول ہے، "وفی طبقات القاری عصام بن یوسف البلخی کان حنفیا روی عن ابن المبارک والثوری وشعبة وکان صاحب حدیث یرفع یدیه عند الرکوع وعند رفع الراس منه" اھ[4]۔

(فتاوی مفید الاحناف ص ۵)

یہ تھی کہ ابو ہریرہ مروان کے مؤذن تھے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے مروان سے شرط کر لی تھی کہ میں اس صورت میں مؤذن بنوں گا کہ ولا الضالین میرے نماز شروع کرنے سے پہلے نہ کہہ لینا کیوں کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے ذمہ بحیثیت مؤذن یہ ڈیوٹی بھی تھی کہ صفوں کو درست کریں اور اقامت وغیرہ کہیں۔ اور مروان ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے فارغ ہونے سے پہلے ہی نماز شروع کر دیا کرتا تھا۔ تو ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے اس لئے یہ شرط کی تھی۔ خلاصہ یہ کہ مستدرک کی روایت سے جو آمین بالجہر کی ممانعت ثابت کرے وہ غلطی پر ہے۔ واللہ اعلم

[1] اگر چھوڑے رفع یدین کو پس وہ حسن ہے اور اگر کرے رفع یدین کو پس نہیں مضائقہ ہے ساتھ اس کے ۱۲ [2] اور اگر رفع یدین کیا نہیں فاسد ہو گی نماز اس کی جیسا کہ ذخیرہ اور فتاوی ولوالجی وغیرہ کتب معتبرہ میں ہے۔ ۱۲ [3] اور حق یہ ہے کہ شک نہیں ہے ثبوت رفع یدین میں وقت رکوع اور کھڑا ہونے کے رکوع سے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے اور بہتیرے اصحاب سے ان کے ساتھ طریقوں قویہ اور خبروں صحیح کے الخ ۱۲ [4] اور طبقات قاری میں ہے کہ عصام بن یوسف تھے حنفی، روایت کیا ہے ابن مبارک اور ثوری اور شعبہ سے اور تھے محدث، اٹھاتے تھے دونوں ہاتھوں اپنے کو وقت رکوع اور وقت اٹھانے سر کے اس سے ۱۲

باب مدرک الرکوع

سوال: مدرک رکوع کی رکعت ہوتی ہے یا نہیں؟

جواب: اس مسئلہ کی بنیاد مقتدی کے امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھنے یا نہ پڑھنے پر ہے۔ اسحٰق بن راہویہ، احمد، مالک اور ابوحنیفہ رحمہم اللہ علیہم اجمعین کا خیال ہے کہ مقتدی امام کے پیچھے جہری قرائت والی نمازوں میں کچھ نہ پڑھے اور احناف کے نزدیک جہری اور سری دونوں میں کچھ نہ پڑھے۔ چونکہ ابوہریرہ کی مرفوع حدیث میں آیا ہے اِنَّمَا جُعِلَ الاِمَامُ لِیُؤتَمَّ بِهٖ الخ یعنی امام اقتدار کرنے کے لئے مقرر کیا جاتا ہے۔ جب تکبیر کہے تم بھی تکبیر کہو اور جب وہ (امام) پڑھے تم چپ رہو۔ رواہ الخمسۃ الا الترمذی۔ امام ابوداود رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ وَاِذَا قَرَأَ فَاَنْصِتُوْا کی زیادتی محفوظ نہیں ہے بلکہ ابوخالد سے وہم واقع ہوگیا ہے۔ لیکن منذری نے امام ابوداود کے قول کو محل نظر قرار دیا ہے۔ چونکہ امام مسلم نے اسے صحیح کہا ہے۔ لہٰذا اس زیادتی کی صحت کو ترجیح حاصل ہے مگر اس سے مراد فاتحہ کے علاوہ ہے۔ چونکہ متعدد صحیح اور حسن احادیث میں وارد ہو چکا ہے کہ بغیر فاتحہ کے نماز نہیں ہوتی۔ احناف کی دلیل ایک یہ حدیث بھی ہے مَنْ کَانَ لَهٗ اِمَامٌ فَقِرَاءَةُ الاِمَامِ لَهٗ قِرَاءَةٌ یعنی مقتدی کے لئے امام کی قراۃ ہی کافی ہے۔ امام شوکانی کہتے ہیں ضعیف ہے۔ اس سے استدلال ٹھیک نہیں۔ نیز قرآن کی آیت فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا کو بھی احناف بطور دلیل پیش کرتے ہیں۔ اول تو یہ آیت نماز کے بارے میں نہیں ہے اگر نماز کے متعلق بھی مان لی جائے تو جہری کے متعلق ہے نہ کہ سری کے امام شافعی اور ان کے اصحاب کا مسلک وجوب فاتحہ خلف الامام ہے۔ بغیر سری اور جہری کے مابین فرق کئے، خواہ مقتدی امام کی قراۃ سنتا ہو یا نہ سنتا ہو۔ ان کی دلیل اس باب میں واقع عبادہ بن صامت کی حدیث ہے اور شوکانی نے قول اول کا جواب اس طرح دیا ہے۔ کہ وہ احادیث عام ہیں اور عبادہ کی حدیث خاص ہے اور عام پر خاص کی ترجیح ضروری ہے جیسا کہ اصول میں مقرر ہے علامہ شوکانی نے "ارشاد الفحول" میں اور ہم نے "حصول المأمول" میں بیان کر دیا ہے۔ احادیث صحیحہ بھی امام شافعی کے قول کی تائید کرتی ہیں۔ کہ ہر رکعت میں فاتحہ واجب ہے خواہ مقتدی ہو یا امام۔ ان احادیث سے راہ فرار اختیار نہیں کی جا سکتی مگر احادیث صحیحہ کے ساتھ نہ کہ عمومی دلائل کے ساتھ۔

پھر شافعیہ میں اختلاف ہے کہ فاتحہ سکتات امام میں پڑھی جائے یا امام کے ساتھ، ظاہر احادیث سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ امام کے ساتھ ہی پڑھی جائے، لیکن اگر سکتات امام میں پڑھی جا سکے تو یہ زیادہ مناسب ہے۔ چونکہ قول اول والوں کے نزدیک بھی یہ جائز ہے۔ لہٰذا اس پر عمل کرنے والا اجماع پر عامل ہوگا۔ امام کی قرأۃ کے وقت یا سورۃ پڑھنے کے وقت فاتحہ نہ پڑھنے پر کوئی دلیل وارد نہیں، بلکہ تمام صورتیں جائز اور سنت ہیں۔

القصہ حق بات یہ ہے کہ فاتحہ کا پڑھنا امام اور ماموم دونوں پر ہر رکعت میں واجب ہے اور قرأۃ فاتحہ صحت صلوٰۃ کی شرطوں میں سے ہے۔ اور جس شخص نے گمان کیا ہے کہ کوئی نماز یا کوئی رکعت بغیر فاتحہ کے بھی ہو سکتی ہے۔ وہ اقامت حجت کا محتاج ہے۔ واذ لیس فلیس

اس بحث سے جمہور کے مسلک کا ضعف خود بخود ظاہر ہوگیا۔ جمہور کا خیال ہے کہ اگر مقتدی نے امام کو رکوع میں پایا ہے اور ساتھ شامل ہوگیا اس کی وہ رکعت بھی ہو جائے گی اگرچہ اس نے بالکل قرأۃ نہ کی ہو۔ اور ان کی دلیل ابوہریرہ کی روایت ہے۔ مَنْ اَدْرَكَ الرُّكُوْعَ مِنَ الرَّكْعَةِ الْاَخِيْرَةِ فِیْ صَلٰوتِهٖ يَوْمَ الْجُمُعَةِ فَلْيُضِفْ اِلَيْهَا رَكْعَةً اُخْرٰى جس شخص نے نماز جمعہ کی ایک رکعت پالی وہ دوسری کو اس کے ساتھ ملالے۔ دارقطنی نے اسے روایت کیا ہے۔ اور اس میں یٰسین بن معاذ متروک الحدیث راوی ہے۔ نیز دارقطنی سے ہی مروی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں، اِذَا اَدْرَكَ اَحَدُكُمُ الرَّكْعَتَيْنِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ فَقَدْ اَدْرَكَ وَاِذَا اَدْرَكَ رَكْعَةً فَلْيَرْكَعْ اِلَيْهَا الْاُخْرٰى یعنی جس نے نماز جمعہ کی دو رکعتیں ادا کرلیں ٹھیک لیکن اگر ایک رکعت پڑھی ہے تو اسے ایک اور ساتھ ملا لینی چاہیئے۔ مگر اس کی سند میں بھی سلیمان متروک الحدیث اور صالح ضعیف راوی موجود ہیں۔ دونوں روایتوں میں جمعہ کی قید سے معلوم ہوتا ہے، کہ غیر جمعہ کی نماز اس کے خلاف ہے اور اسی طرح دوسری روایت میں ایک رکعت کی قید مزید مدعا کے خلاف ہے۔ چونکہ رکعت اصل میں پوری رکعت کو کہتے ہیں نہ کہ رکوع یا اس کے بعد کے کسی حصے کو جیسا کہ صحیح مسلم میں براء کی روایت کے الفاظ ہیں، فوجدت قيامه فركعته فاعتداله فسجدته۔ چونکہ رکوع کا سجدے اور قیام کے برابر واقع ہونا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ پہلی روایت میں رکعت سے مراد رکوع ہے۔ اور حدیث مَنْ اَدْرَكَ الرَّكْعَةَ مِنْ صَلٰوةِ الْجُمُعَةِ مختلف طرق سے بھی آتی ہے۔ ان میں کوئی کلام سے خالی نہیں ہے۔ حتیٰ کہ ابن ابی حاتم نے علل میں اپنے باپ سے روایت کی ہے۔ کہ لا اصل لهذا الحديث انما المتن مَنْ اَدْرَكَ مِنَ الصَّلٰوةِ رَكْعَةً فَقَدْ اَدْرَكَهَا؛ یعنی اس حدیث کا اصل نہیں ہے۔ صرف یہ ہے کہ جس شخص نے نماز سے ایک رکعت پالی اس نے نماز پالی۔ اسی طرح دارقطنی اور عقیلی نے کہا ہے۔ ابن خزیمہ نے ابوہریرہ سے مرفوعاً روایت کی ہے جس کے الفاظ اس طرح ہیں۔ جس نے ایک

رکعت امام کے سیدھا ہونے سے قبل اس نے نماز پالی (یعنی ثواب) یہ حدیث بھی ان کے مدعا پر دلالت نہیں کرتی۔ حقیقت عرفیہ اور شرعیہ جو حقیقت لغویہ پر مقدم ہیں۔ جیسا کہ اصول کا مسئلہ ہے۔ دونوں میں رکعت جمیع اذکار وارکان کا نام ہے۔ پس ابن خزیمہ والی اور اس سے قبل واقع حدیث کو اپنے حقیقی معنی سے پھیرنا صحیح نہیں ہے۔ اور حدیث میں جو "قبل ان یقیم الامام صلبہ (یعنی امام کے سیدھا ہونے سے پہلے رکعت پالے) کی قید وغیرہ ہوتی ہے۔ تو یہ دفع وہم کے لئے ہے۔ یعنی وہ شخص جس نے تمام قرأت امام کے رکوع جانے سے قبل پڑھ لی مراد ہے۔ اگر کسی کے فاتحہ سے فارغ ہونے سے قبل امام نے رکوع کر دیا وہ بھی غیر مدرک رکعت ہے۔ یہاں سے یہ سمجھنا بالکل آسان ہے کہ مدرک رکعت صرف وہ ہے جس نے مکمل رکعت مع تمام اذکار وارکان کے پالی ہے۔

حضرت ابوہریرہؓ کی ایک اور روایت بھی ہے۔ انہ قال صلی اللہ علیہ وسلم من ادرک الامام فی الرکوع فلیرکع معہ ولیعد الرکعۃ یعنی جو شخص امام کو رکوع میں پائے تو اس کے ساتھ شامل ہو جائے اور رکعت کو لوٹائے۔ نیز امام بخاری نے جزء القراۃ خلف الامام میں حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کی ہے کہ اگر قوم رکوع پالے تو اس رکعت کو شمار نہ کرے۔ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ بات صحیح ہے یعنی ابوہریرہ کی موقوف روایت لیکن (مذکورۃ الصدر مرفوع) کا اصل نہیں ہے۔ اور رافعی امام صاحب کی اتباع کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ کہ ابو عاصم عبادی ابن خزیمہ سے حکایت کرتے ہیں کہ وہ ابوہریرہؓ کی (مرفوع) حدیث سے حجت پکڑتے ہیں۔

اور امام بخاریؒ نے قرأۃ فاتحہ خلف الامام کے ہر قائل وجوب سے یہ مسلک نقل کیا ہے۔ علامہ ابن حجرؒ نے شافعیہ کی ایک جماعت سے اس مذہب کی حکایت کی ہے۔ شیخ تقی الدین سبکیؒ وغیرہ نے محدثین شافعیہ سے روایت کی ہے۔ عقیلی نے بھی اسی مذہب کو ترجیح دی ہے۔ اور کہا ہے کہ میں نے اس مسئلہ کو خوب کھنگالا ہے۔ فقہ اور حدیث دونوں کی رو سے اس پر نظر کی ہے۔ مجھے اس سے زیادہ کچھ حاصل نہیں ہوا، جو میں نے ذکر کر دیا ہے (یعنی رکعت شمار نہ کی جائے) عراقی نے اپنے شیخ سبکی سے شرح ترمذی میں حکایت کی ہے کہ جس نے فاتحہ نہیں پڑھی اسے رکعت شمار نہ کرے۔ تعجب تو اس پر ہے جس نے اس مسئلہ پر اجماع نقل کیا ہے۔ (باوجود ان آئمہ کبار کے واضح خیالات کے) جو مدرک رکوع کی عدم رکعت کے قائل ہیں۔ جمہور کا ابی بکرہ کی روایت سے استدلال کہ ایک شخص نے دور سے نماز شروع کر دی تو آں حضرت نے اسے فرمایا زادک اللہ حرصاً ولا تعد۔ یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے نماز لوٹانے کا حکم نہیں فرمایا۔ اس حدیث میں کوئی ایسی چیز موجود نہیں ہے۔ جو جمہور کے مسلک کی مؤید ہو، جیسے اس میں اعادہ کا حکم مذکور نہیں ہے۔ اسی طرح یہ بھی ذکر نہیں ہے کہ آپؐ نے

اس رکعت کو رکعت شمار کیا ہو۔ دُعا صرف اس کی حرص میں اضافہ کے لیئے ہے اور ممانعت صرف دُور سے نیت باندھنے سے ہے) باقی مقتدی امام کے ساتھ مامور بہ ہے۔ خواہ وہ چیز قابل اعتماد ہو یا نہ ہو۔ جیسے حدیث میں ہے اذا جئتم الی الصلوٰۃ ونحن سجود فاسجدوا ولا تعدوها شیئًا یعنی اگر کوئی شخص اس وقت جماعت سے ملا ہے۔ جب امام سجدے میں ہے تو اسے سجدہ کرنا ہوگا اور وہ سجدہ رکعت میں کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔ اخرجہ ابوداؤد وغیرہ۔ نبی علیہ السلام نے ابوبکرہ کو صرف ایسے فعل سے روکا ہے۔ اس سے یہ استدلال کہ آپ نے رکعت لوٹانے سے روکا ہے۔ یہ صحیح نہیں ہے۔ ابن حزم نے محلی میں اس حدیث پر اس طرح نوٹ دیا ہے۔ جمہور کے لئے اس حدیث میں ہرگز کوئی دلیل نہیں ہے۔ چونکہ اس میں مذکور نہیں ہے کہ آپنے اس رکعت کو کافی سمجھا تھا۔ ابن حزم نے قیام اور قراۃ فاتحہ کے لازم ہونے پر اس حدیث سے استدلال کیا ہے۔ ما ادرکتم فصلوا وما فاتکم فاتموا اور جزمًا کہا ہے کہ رکعت اور رکن رکعت کے فوت ہونے میں کوئی فرق نہیں ہے۔ چونکہ جملہ ارکان کی تکمیل کے بغیر نماز نہیں ہوسکتی اور حدیث کا تقاضا یہ ہے کہ جو چیز امام پہلے ادا کر چکا ہے اسے پورا کیا جائے۔ اس حکم سے کسی رکن کو خارج کرنا مناسب نہیں ہے اس کے بعد ابن حزم فرماتے ہیں کہ بعض حضرات نے اس پر اجماع کا دعوے کیا ہے۔ (وہو کاذب فی ذالک) یعنی اجماع کا مدعی جھوٹا ہے۔ چونکہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰے عنہ سے مروی ہے۔ کہ ایسی رکعت شمار نہ کی جائے کہ جس میں سورۃ فاتحہ نہ پڑھی جائے۔ نیز حضرت زید بن ثابت سے مروی ہے کہ اگر سوال کیا جائے کہ آدمی کھڑا ہو کر تکبیر کہے اور رکوع میں شامل ہو جائے کیا اسے مدرک رکعت کہیں گے تو یہ ایک دوسری نافرمانی ہے کہ اللہ تعالٰے اور رسول کا حکم صرف یہ ہے۔ کہ آدمی جب نماز میں داخل ہو تو صرف اسی حالت میں داخل ہو جس میں امام اس وقت (یعنی اگر امام رکوع میں ہے تو رکوع میں اور اگر کسی دوسری حالت میں ہے۔ تو اسی حالت میں) ہے۔ نیز یہ کہ کسی نماز کے حصے کی قضا امام کے سلام سے قبل ہرگز جائز نہیں ہے۔ حاصل کلام یہ ہے کہ جمہور کی سب سے بڑی دلیل ابوہریرۃ کی وہ روایت ہے جس میں "قبل ان یقیم صلبہ" کے الفاظ ہیں اور اسے ابن خزیمہ نے روایت کیا ہے حالاں کہ وہ ان کے مطلوب پر دلالت نہیں کرتی، نیز امام ابن خزیمہ کا مذہب بھی دوسرا ہے۔ کیسے ممکن ہے کہ ابن خزیمہ کے نزدیک یہ روایت صحیح ہو، اور اس کا مذہب اس کے الٹ ہو اور ہماری منجملہ دلیلوں کے ابوہریرہؓ اور قتادہ کی وہ روایات ہیں جو متفق علیہا ہیں۔ (ما ادرکتم فصلوا وما فاتکم فاتموا) حافظ ابن حجر فتح الباری شرح بخاری میں رقم طراز ہیں کہ وہ اس روایت سے استدلال کیا جاتا ہے کہ جو شخص امام کو رکوع میں پائے وہ اس رکعت کو شمار نہ کرے، چوں کہ اس کا قیام اور قراۃ فوت ہو چکے ہیں، پھر ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ جمہور کی دلیل ابوبکرہ کی روایت ہے اور اس کا جواب آپ

پڑھ چکے ہیں۔ صاحب شرح منتقیٰ فرماتے ہیں کہ سید علامہ محمد بن اسماعیل الامیر نے اس موضوع پر ایک رسالہ تالیف کیا ہے اور اس نے جمہور کے مذہب کو ترجیح دی ہے اور میں نے اس کے جواب میں چند بحثیں لکھی ہیں۔ جب یہ ثابت ہو گیا کہ مدرک رکوع مدرک رکعت نہیں ہے اور بغیر قرأۃ فاتحہ کے رکعت نہیں ہوتی (ہدایۃ السائل[1] الی ادلۃ المسائل ص۱۹۶)

سوال: بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ مدرک رکعت کی رکعت ہو جانے کے متعلق اہلحدیث حضرات میں اختلاف پایا جاتا ہے اس سلسلہ میں میں مضطرب ہوں کہ درست بات کون سی ہے۔ بعض احباب نے آپ کا نام کہ ان سے مسئلہ پوچھئے بنابریں میں آپ کی طرف رجوع کر رہا ہوں، جواب دیکر شکریہ کا موقعہ دیں۔ عبدالمجید ملتان شہر

جواب: بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ رکوع میں ملنے سے رکعت کے ہو جانے میں زمانہ سلف سے اختلاف چلا آرہا ہے۔ بعض علماء نے طرف گئے ہیں کہ رکعت نہیں ہوتی اور بعض علماء کے نزدیک رکوع میں ملنے سے رکعت ہو جاتی ہے۔ میری تحقیق ناقص میں اول الذکر فریق کے دلائل قوی ہیں اور یہی صحیح ہے۔ حدیث میں ہے:۔
ما ادرکتم فصلوا وما فاتکم فاتموا الحدیث جتنا حصہ امام کے ساتھ پاؤ پڑھ لو اور جس قدر رہ جائے امام کی نماز کے بعد پورا کر لو۔ تو ضروری ہے کہ رکوع پانے والا امام کی نماز ختم ہونے پر قیام اور سورہ فاتحہ اٹھ کر پڑھ لے اور باقی رکعت جو اس نے رکوع کے بغیر پائی ہے وہ بھی پڑھے کیوں کہ نماز ترتیب کے ساتھ ہوتی ہے۔ واللہ اعلم بالصواب ابو حفص عثمانی خطیب جامع اہلحدیث بلاک جی ڈیرہ غازیخاں ۲۳ر جولائی ۶۸ء مطابق ۲۷ ربیع الثانی ۱۳۸۸ھ

---

[1] یہ کتاب علامۃ الدہر نواب صدیق حسن مرحوم کی ہے۔ آپ کے والد محترم کا نام سید اولاد حسن تھا۔ جنہوں نے منجملہ اساتذہ کے حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی سے اکتساب علم کیا۔ سید احمد بریلوی کے خلفاء میں سے تھے۔ اپنے برادر بزرگ سید احمد حسن عرشی، سید احمد علی فرخ آبادی، ملا محمد مراد بخاری، مولوی محمد محب اللہ پانی پتی اور مولانا مفتی صدرالدین صاحب دہلوی سے علم حاصل کیا۔ ۲۱ سال کی عمر میں علوم متداولہ سے فراغت حاصل کر کے دہلی سے اپنے وطن قنوج میں واپس آئے۔ صاحب کثیر التصانیف تھے۔ حضرت والا نے بنفسہ ۲۲۲ کتابیں لکھیں جن کی ضخامت لاکھوں صفحات تک ہے۔ ان میں عربی۔ فارسی اور اردو ہر زبان میں بہتر سے بہتر تصانیف ہیں۔
ان تصانیف میں اکثر کتابیں اس مرتبہ کی ہیں جن سے مبتدی اور منتہی دونوں کو شاید بہتر ہوگا۔ آپ نے ۲۹ رجمادی الآخر ۱۳۰۷ھ کو اس دار فانی سے کوچ فرمایا۔ (سعیدی)

باب التشہد

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ التحیات میں ایہا النبی پڑھنا چاہیے یا علی النبی، بندہ کا اکثر حنفیوں سے جھگڑا ہوتا رہتا ہے جواب دیکر تسلی فرماویں؟

جواب: اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ اور اَلسَّلَامُ عَلَى النَّبِيِّ دونوں طرح کہنا جائز ہے۔ پہلی صورت میں استحضار خیالی کی صورت ہوگی یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خیال میں لاکر مخاطب کیا گیا ہے۔ نہ کہ حاضر و ناظر سمجھ کر۔ حضرت العلام مولانا حافظ محمد صاحب الاعتصام جلد نمبر ۲ ش نمبر ۲

سوال: عورت نماز کا سجدہ باتباع سنت اس طرح کرے کہ اسکی کہنیاں اس کے پہلوؤں سے الگ اور پیٹ رانوں سے جدا ہو، جیسا کہ حدیث ابوداؤد عن میمونۃ وحدیث مسلم وبخاری عن عبداللہ بن بحینۃ سے ظاہر ہے یا اپنی کہنیوں کو رانوں سے ملا کر زمین سے اس طرح مل جائے کہ گویا کہ وہ اس سے چمٹ گئی۔ جیسا کہ حدیث عن یزید بن حبیب انہ صلی اللہ علیہ وسلم مر علی امرأتین تصلیان فقال اذا سجدتما فضما بعض اللحم الی الارض فان المرأۃ فی ذالک لیست کالرجل۔ رَوَی ابوداؤد فی مراسلہ ورواہ البیہقی من طریقین موصولین لکن فی کل منہما متروک؟

جواب: عورت مرد دونوں کا نماز پڑھنے کا ایک ہی طریقہ ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:۔ صَلُّوْا کَمَا رَاَیْتُمُوْنِیْ اُصَلِّیْ رواہ البخاری، اور بخاری باب سنۃ الجلوس فی التشہد میں ہے کانت ام الدرداء تجلس فی صلٰوتہا جلسۃ الرجل وکانت فقیہۃ۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عورتیں بھی مردوں کی طرح بیٹھیں اور جو حدیثیں بیہقی اور ابوداؤد کی مذکور فی السوال ہیں وہ ضعیف ہیں قابل حجت نہیں۔

اخبار اہل حدیث دہلی
۱۵ راکتوبر ۱۹۵۳ء

مسئلہ: شیخ البانی[1] نے درمیانی تشہد میں درود پڑھنے کا ثبوت پیش کیا کہ مسند ابوعوانہ ج ۲ میں صحیح حدیث ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رات کی نماز بیان فرماتی ہیں جس میں یہ الفاظ ہیں کان یصلی تسع رکعات یجلس فی الثامنۃ ویدعوا ویصلی علیٰ نبیہ اور جو لوگ درمیانی تشہد میں درود نہ پڑھنے پر ابوداؤد باب تخفیف القعدہ کی اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں کہ نبی الاکرم صلی اللہ علیہ وسلم پہلے تشہد میں ایسے بیٹھتے جیسے آگ کے انگاروں پر۔

یہ حدیث ضعیف ہے کیوں کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے ابوعبید اپنے والد سے روایت کرتے ہیں۔ لیکن ان کی ملاقات اپنے والد سے نہیں، اس لئے درمیانی تشہد میں درود کی نفی پر اس حدیث سے استدلال صحیح نہیں ...... اور اگر حدیث کی صحت تسلیم بھی کرلی جائے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ آخری تشہد کی نسبت کم بیٹھتے، یہ مطلب نہیں کہ درود نہ پڑھتے اور اگر درود پڑھ لیا تو صلوٰۃ بتیراء (دم کٹی نماز) ہوجائے گی جیسے امام شافعی کا قول ہے یا جیسے حنفیہ کہتے ہیں کہ سجدہ سہو لازم آئے گا۔

خلاصہ یہ ہے کہ پہلے التحیات میں درود شریف اور دعا پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟

شیخ البانی کا خیال ہے پڑھ سکتے ہیں اور دلیل یہ ہے کہ "مسند ابوعوانہ میں حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ حضرت عائشہ رضؓ فرماتی ہیں، جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نو رکعت وتر پڑھتے تو آٹھویں رکعت میں التحیات میں بیٹھتے، دعا مانگتے اور درود شریف پڑھتے"!

حضرت حافظ صاحب نے فرمایا ہے کہ "اس دلیل سے شرح صدر نہیں ہوتا۔ کیوں کہ نماز وتر کی بعض خصوصیات ہیں جو دوسری نمازوں میں نہیں، شاید یہ بھی نماز وتر کی خصوصیت ہو۔

نیز مسند ابوعوانہ کے حوالہ پر اکتفا ٹھیک نہیں، یہ روایت ابن حبان اور مسلم شریف میں بھی ہے لیکن مسلم شریف میں درود شریف کا ذکر نہیں صرف دعا کا ذکر ہے"! (تنظیم اہلحدیث جلد ۱۶ ش ۳۸)

---

[1] شیخ البانی جامعہ اسلامیہ مدینہ یونیورسٹی کے صدر مدرس ہیں۔ شیخ موصوف نسلاً انگریز ہیں آپ کا خاندان جب مسلمان ہوا تو حنفی مذہب اختیار کیا شیخ کو اللہ تعالیٰ نے علم و فضل میں کمال بخشا کہ اپنی تحقیق سے اہلحدیث ہوگئے ملک شام میں درس و تدریس کا سلسلہ کیا آپ کو علم حدیث میں خصوصاً اسماء الرجال میں ایک خاص مقام حاصل ہے۔ ممالک عربیہ میں آپ کی علمی قابلیت مسلّم اور مشہور ہے کہ علم حدیث میں ان سے زیادہ تحقیق کسی کو نہیں میسر ہوئی کی مختلف مجالس میں شیخ البانی سے متعلقین کا مذاکرہ ہوا جس کو تنظیم اہلحدیث میں شائع کیا گیا جس پر حافظ عبداللہ صاحب روپڑی کا محاکمہ بھی شائع ہوا۔ سعیدی

سوال : کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ اٹھانا سبابہ کا تشہد میں کتب احادیث سے کب تک ثابت ہے؟ بینوا توجروا

الجواب : واضح ہو کہ اٹھانا سبابہ کا آخر تشہد تک کتب احادیث سے ثابت ہے جیسا محلی شرح موطا میں مرقوم ہے "ونقل عن بعض ائمة الشافعية والمالكية انه يديم رفعا الى اخر التشهد واستدل له بما في ابي داؤد انه رفع اصبعه فرأيناه يحركها ويدعوا وفيه تحريكها دائما اذ الدعاء بعد التشهد قال ابن حجر وليس ان يستمر الرفع الى اخر التشهد كما قاله بعض ائمتنا واحتج بجمع بان الاولى عند الفراغ اعادتها انتهى قال على القارى والاول هو المعمول لان الاعادة يحتاج الى رواية وقال ابن حجر ايضا انه ليس رفعها مع انحنائها قليلا لخبر صحيح فيه الى جهة القبلة كذا في المحلى شرح الموطا لمولانا سلام الله الحنفى من اولاد الشيخ عبد الحق المحدث الدهلوى والله اعلم بالصواب سید نذیر حسین　　فتاوی نذیریہ جلد اول ص۲۰۵

سوال : کیا فرماتے ہیں علمائے دین حنفیہ اس مسئلہ میں کہ انگشت شہادت اٹھانی وقت تشہد یعنی لا الہ الا اللہ کہنے کے مذہب حنفی میں سنت مستحب ہے یا حرام مکروہ ہے اور جو کوئی یہ بات کہے کہ رفع سبابہ میں انگلی کاٹنی آتی ہے وہ شخص گنہگار ہوگا یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب : در صورت مرقومہ معلوم کرنا چاہیے کہ امام ابو یوسف امالی کتاب اپنی میں اور امام محمد موطا میں دونوں صاحب کہ جو شاگرد رشید امام اعظمؒ کے ہیں فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے رفع سبابہ مروی اور منقول ہے اور ہم لوگ بھی اس پر عمل کرتے ہیں اور یہی قول ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا ہے چنانچہ فتح القدیر و عینی و امیر الحاج و زیلعی و البحر الرائق و نہر الفائق و ملتقط و شمنی و نجم الدین الزاہدی و علامہ حلبی و بہنسی و ابراہیم حلبی وغیرہ نے روایۃ و درایۃ رفع سبابہ کو نقل کیا ہے اور اس باب میں علما کوفہ و علمائے مدینہ وغیرہ سے بہت سے اخبار و آثار مروی اور منقول ہیں۔ اور ملا علی

لے شافعی اور مالکی بعض ائمہ سے منقول ہے کہ تشہد کے آخر تک برابر انگلی اٹھائے رکھے اور انہوں نے ابو داؤد کی حدیث سے استدلال کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انگلی کو اٹھایا تو پھر اس کو حرکت دیتے رہے اور دعا کرتے رہے۔ ابن حجر کہتے ہیں کہ مسنون ہے کہ تشہد کے آخر تک انگلی اٹھائے رکھے جبکہ ہمارے ائمہ سے منقول ہے اور بعض کہتے ہیں کہ اٹھانے کے بعد پھر اس کے نیچے کرے۔ ملا علی قاری کہتے ہیں کہ پہلا قول معمول ہے۔ کیوں کہ اعادہ تب بھی ہوگا، جبکہ اس کو نیچے رکھا جائے گا۔ ابن حجر کہتے ہیں کہ انگلی اٹھائے تو کچھ جھکا کر قبلہ رخ رکھے۔

قاری اور ملا عابد سندھی و امین الدین شامی نے اٹھائیس صحابہ سے روایت کی ہے اور رفع سبابہ میں ائمہ اربعہ و علمائے مقلدین اہل مذاہب کے سب متفق ہیں۔ اس میں ائمہ اربعہ وغیرہ کا اختلاف نہیں اور منع رفع سبابہ میں کوئی قول صحابی مذکور اور منقول نہیں تو اٹھانا اس کا مستحب آکد اور موجب ثواب کثیر ہے اور خلاصہ کیدانی والے سے یا اور علماء سے اس باب میں خطا واقع ہوئی ہے۔ اس کے حرام مکروہ لکھنے میں تو قول مانعین کا اور حرام مکروہ کہنے والے کا از روئے دلائل شرعیہ کے محض باطل ہے نزدیک علمائے محققین حنفیہ کے اور جو شخص بعد مطلع ہونے کے روایات فقہیہ اور احادیث نبویہ کے حرام کہے اور منع کرے وہ مردود اور گمراہ ہے۔ خوف کفر کا ہے اس پر از روئے اہانت اور حقارت کے: قال[1] اللہ تعالیٰ ما آتاکم الرسول فخذوہ وما نہاکم عنہ فانتہوا الآیۃ ورجح فی فتح القدیر القول بالاشارۃ وانہ مروی عن ابی حنیفۃ کما قال محمد فالقول بعدمہا مخالف للروایۃ والدرایۃ ورواہ فی صحیح مسلم من فعلہ صلی اللہ علیہ وسلم وفی المجتبی لما اتفقت الروایات عن اصحابنا جمیعا فی کونہا سنۃ وکذا عن الکوفیین والمدنیین وکثرت الاخبار والآثار کان العمل بہا اولی کذا فی البحر الرائق وقال فی الدر المختار واحترزنا بالصحیح عما قیل لا یشیر لانہ خلاف الدرایۃ والروایۃ وفی العینی عن التحفۃ الاصح انہا مستحبۃ وفی المحیط انہا سنۃ کذا فی الدر المختار مختصر المعتمد ما صحح الشراح لا سیما المتاخرون کالکمال والحلبی والبہنسی والباقلانی وشیخ الاسلام وغیرہم انہ یشیر بقولہ صلی اللہ علیہ وسلم ونسبوہ لمحمد والامام وقال محمد فی المؤطا بعد حدیث الباب وبصنیع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ناخذ وہو قول ابی حنیفۃ وذکر ابو یوسف فی الامالی کما نقلہ الشمنی وغیرہ انہ یعقد الخنصر والبنصر ویحلق الابہام والوسطی ویشیر بالسبابۃ وہذا فرع تصحیح الاشارۃ وفی الخانی الاشارۃ

---

[1] جو تم کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دیں اسے لے لو اور جس سے منع کریں اس سے باز آجاؤ، فتح القدیر میں ہے انگلی سے اشارہ کرنا درست ہے اور یہی امام ابو حنیفہ رحمہ سے مروی ہے جیسا کہ امام محمد نے بیان کیا ہے اور اس کی ممانعت کرنا روایت اور درایت دونوں کے برخلاف ہے مجتبیٰ میں ہے اس کے سنت ہونے پر تمام روایات متفق ہیں۔ کوفی اور مدنی لوگوں کا اس میں اختلاف نہیں ہے اور احادیث و آثار اس کے متعلق بہت زیادہ ہیں۔ عینی نے اس کو مستحب کہا ہے۔ اور صاحب محیط نے سنت، در مختار میں ہے کہ یہی صحیح ہے کہ یہ سنت ہے۔ متاخرین شراح مثلاً کمال، حلبی، بہنسی، باقلانی، اور شیخ الاسلام وغیرہ نے اس کی خوف تحقیق کی ہے۔ کہ یہ آنحضرت صلی اللہ کی سنت ہے۔ اور امام محمد، امام ابو یوسف اور امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ کا یہی مذہب ہے، خانیہ میں ہے کہ لا الہ الا اللہ کے وقت انگلی اٹھانا

عند لا الٰہ الا اللہ حسن لاخلاف فیہ وھکذا فی مختارات النوازل لصاحب الھدایۃ فان قیل الیس قاعدۃ الکیدانی رفی الغوائب وغیرھما من المحرمات قلنا قولھم فی مقابلۃ النص واقوال الائمۃ مردود لا یبالیٰ بہ ولیس فی ھذا الجانب حدیث ولا اثر یعتمد علیہ ولا یستند قولھم بقول ابی حنیفۃ وصاحبیہ وقولھم انہ لاخلاف ظاھر اصول اصحابنا غیر مقبول ففی العنایۃ والذخیرۃ والمحیط والخزانۃ عن التاتارخانیہ انہ لم یذکر محمد تلک المسئلۃ فی الاصل لانفیا ولا اثباتا فلم یوجد لما نص علیہ محمد رحمۃ اللہ علیہ فی مؤطاہ معارض من ظاھر الروایۃ وقد روی الاشارۃ بالسبابۃ عند التشھد عن جماعۃ من الصحابۃ انتہی ما فی المحلی شرح المؤطا للعلامۃ سلام اللہ من اولاد الشیخ عبد الحق المحدث الدھلوی وقال العلامۃ عابد السندی ثم المدنی فی طوالع الانوار شرح الدر المختار ان الاشارۃ قد رویت عن سبعۃ وعشرین صحابیا وھکذا ذکر الملا علی قاری الھروی فی الرسالۃ۔ پھر جو کوئی باوجود احادیث اور اقوال وافعال صحابہ کرام ومجتہدین عظام اور دیگر علمائے اعلام کے حرام کہے اور انگلی کاٹنے کا قائل ہو، اور اعتقاد رکھتا ہو مردود اور بڑا جاہل بے وقوف ہے۔ ایسے جاہل کے قول کا ہرگز اعتبار نہ کرنا چاہیئے اور اس قدر دیندار منصف کو کافی ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔ الراقم العاجز محمد نذیر حسین عفی عنہ فی الدارین [سید محمد نذیر حسین]

[اسد علی] فتاوی نذیریہ جلد اول صہ ۵۰۴

مسئلہ: رفع سبابہ نماز میں سنت ہے۔ یعنی التحیات میں اشہد ان لاالٰہ الا اللہ پڑھنے کے وقت انگشت شہادت یعنی کلمہ کی انگلی اٹھانا سنت ہے۔ اور یہ علماء حنفیہ کے نزدیک بھی سنت ہے۔ چنانچہ ملا علی قاری حنفیؒ نے اس مسئلہ کی تحقیق میں ایک رسالہ لکھا ہے اور اس میں پورے طور پر روایات نقل کی ہیں اس کی عبارت یہاں نقل کی جاتی

سنت ہے اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ آخری دو انگلیاں بند کرے۔ اور انگوٹھے اور درمیانی انگلی کا حلقہ بنالے اور سبابہ سے اشارہ کرے۔

اگر کوئی سوال کرے کہ کیدانی نے غرائب میں اس کو افعالِ محرمہ سے شمار کیا ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ نص اور اقوال ائمہ کے برخلاف ان کا قول مردود ہے اس کی کوئی پرواہ نہیں کی جائے گی اور اس کی ممانعت میں کوئی حدیث قابلِ اعتبار نہیں ہے۔ اور امام صاحب اور صاحبین کے قول کے برخلاف ان کے قول کی کیا حقیقت ہے۔ در مختار کی شرح طوالع الانوار میں ہے، کہ تشہد میں انگلی اٹھانے کے متعلق ستائیس صحابہ سے روایات منقول ہیں۔ ملا علی قاری نے بھی ایسا ہی کیا ہے۔

ہے وہ عبارت یہ ہے: وَيُسَنُّ اَنْ يَكُوْنَ رَفْعُهَا اِلَى الْقِبْلَةِ لِحَدِيْثٍ رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ وَاَنْ يَنْوِيَ بِرَفْعِهَا التَّوْحِيْدَ وَالْاِخْلَاصَ لِحَدِيْثٍ فِيْهِ رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ وَاَنْ لَّا يُجَاوِزَ بَصَرُهُ اِشَارَتَهُ لِاتِّبَاعِ الْمَرْوِيِّ وَاَنْ يَّخُصَّ الرَّفْعَ بِقَوْلِهٖ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ كَمَا فِيْ رِوَايَةِ الْمُسْلِمِ وَاَنْ يَّسْتَمِرَّ عَلَى الرَّفْعِ اِلٰى اٰخِرِ التَّشَهُّدِ كَمَا قَالَهُ الْبَعْضُ وَاحْتَرَزَ بِهٖ عَنْ قَوْلِ جَمْعٍ بِاَنَّ الْاَوْلٰى عِنْدَ الْفَرَاغِ اِعَادَتُهَا انتہٰی وَالْاَوَّلُ هُوَ الْمَعْقُوْلُ لِاَنَّ الْاِعَادَةَ يَحْتَاجُ رِوَايَتُهُ۔ یعنی اور مسنون یہ ہے کہ اُٹھائی جاوے انگشت شہادت قبلہ کی جانب اور یہ حکم حدیث سے ثابت ہے۔ روایت کیا اس حدیث کو بیہقی نے اور مسنون ہے کہ جب انگشت شہادت کو اٹھاوے تو نیت توحید اور اخلاص کی کرے۔ اور یہ حکم بھی حدیث سے ثابت ہے اور یہ حدیث بھی بیہقیؒ نے روایت کی ہے اور مسنون یہ ہے کہ تجاوز نہ کرے نظر مصلے کی اُس کے اشارہ سے تا حدیث کی اتباع ہووے اور خاص اسوقت انگشت شہادت کو اٹھاوے جب لاالٰہ الا اللہ پڑھے اور ایسا ہی مسلم کی روایت میں ہے، اور بعض علماء کے نزدیک یہ ہے کہ آخر تشہد تک برابر انگلی اٹھاوے رہے اور یہ احتراز ہے ان لوگوں کے قول سے جو کہتے ہیں کہ بہتر ہے کہ جب تشہد سے فارغ ہووے تو پھر دوبارہ اُنگلی اٹھاوے اور عمل اوّل قول پر ہے اس واسطے کہ اس حکم کے ثبوت کے لئے ضرور ہے کہ کسی روایت سے ثابت ہو کہ تشہد سے فارغ ہونے کے بعد پھر دوبارہ انگلی اٹھانا چاہیئے۔ (فتاوی عزیزی جلد اوّل صـ۲۶۴)

مسئلہ: روایت کی امام ربانی محمد بن شیبانی نے اپنے موطا یعنی موطا امام محمدؒ میں امام مالکؒ سے اور انہوں نے روایت کی مسلم بن ابی مریم سے اور انہوں نے روایت کی علی بن عبدالرحمٰن معاوی سے کہ علی بن عبدالرحمٰن نے کہا کہ عبداللہ بن عمر رضؓ نے مجھ کو دیکھا اور میں سنگریزوں سے کھیل رہا تھا جب میں نماز سے فارغ ہوا تو عبداللہ بن عمر رضؓ نے مجھ کو منع کیا اور یہ کہا کہ تم نماز میں وہ فعل کرو جو پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کیا کرتے تھے میں نے کہا! کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کیا کرتے تھے تو عبداللہ بن عمر رضؓ نے کہا کہ جب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں بیٹھتے تھے تو داہنے ہاتھ کی ہتھیلی کو داہنی ران پر رکھتے تھے اور سب انگلیوں کو بند کرتے تھے اور انگوٹھے کے نزدیک جو انگلی ہے اُس سے اشارہ کرتے تھے اور بائیں ہاتھ کی ہتھیلی کو بائیں ران پر رکھتے تھے۔ امام محمدؒ نے کہا کہ ہم نے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل اختیار کیا۔ موطا امام محمدؒ کی عبارت کا یہ ترجمہ ہے۔ اور ہدایہ لخ اور نہایہ میں یہ لکھا ہے کہ امام محمدؒ نے کتاب مشیخہ میں اشارہ کرنے کے لیے تصریح کی ہے اور وہ اس بارہ حدیث لائے ہیں۔ کہ

پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم اشارہ کرتے تھے۔ امام محمدؒ نے پھر یہ کہا کہ جو کچھ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا ہم نے بھی وہی اختیار کیا اور امام ابوحنیفہؒ کا اور ہمارا یہی قول ہے اور ذخیرہ اور شرح زاہدی میں لکھا ہے کہ امام محمدؒ نے یہ حدیث بیان کی پھر یہ کہا کہ جو کچھ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا ہم نے بھی وہی کیا اور امام ابوحنیفہؒ کا اور میرا یہی قول ہے اور کفایہ اور تاتار خانی میں امام محمد کی روایت سے یہ حدیث ہے کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارہ کیا ہے۔ امام محمدؒ نے یہ حدیث بیان کی پھر یہ کہا کہ میرا اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا یہی قول ہے اور عنایہ میں لکھا ہے کہ امام محمدؒ نے کتاب مشیخہ میں اس مسئلہ کی تصریح کی ہے اور وہ اس بارہ میں حدیث لائے ہیں کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں اشارہ کرتے تھے اور امام محمدؒ اور ابن السکیتؒ نے بھی اپنے صحاح میں عبداللہ بن عمرؓ سے یہ روایت کی ہے قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الاشارۃ بالاصبع اشد علی الشیطان من الحدید یعنی پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ انگلی سے اشارہ کرنا لوہے سے زیادہ شیطان پر سخت گزرتا ہے اور حدیث کی کتابوں میں شافعی مذہب کے اماموں کی جو روایتیں ہیں وہ قریب متواتر ہونے کے ہیں چنانچہ صحیح مسلم میں عبداللہ بن زبیرؓ سے روایت ہے کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں بیٹھتے تھے تو داہنے ہاتھ کو داہنی ران پر رکھتے تھے اور بائیں ہاتھ کو بائیں ران پر رکھتے تھے اور کلمہ کی انگلی سے اشارہ کرتے تھے اور انگوٹھے کو درمیان کی انگلی پر رکھتے تھے اور عبدالرزاق نے ابوہریرہؓ سے روایت کی ہے کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پیغمبری کے ستر جز ہیں ایک جز سحری کھانے میں دیر کرنا ہے۔ اور دوسرا جز افطار کرنے میں جلدی کرنا ہے۔ اور یہ بھی ایک جز ہے انگلی سے نماز میں اشارہ کرنا اور حاکم نے عقبہ بن عامرؓ سے روایت کی ہے کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب کوئی شخص نماز میں اشارہ کرتا ہے تو ہر اشارہ کے عوض میں دس نیکیاں لکھی جاتی ہیں۔ ہر ایک انگلی کے مقابلہ میں ایک ایک نیکی لکھی جاتی ہے اور اشارہ کی بہت فضیلتیں ہیں اس مختصر میں اُن کی گنجائش نہیں اُس کے حال پر افسوس ہے جو اشارہ نہیں کرتا اور ان فضیلتوں سے محروم رہتا ہے۔

ابن ہمامؒ نے شرح ہدایہ میں لکھا ہے کہ اشارہ کرنا منع کرنا عقل اور نقل کے خلاف ہے اور ملتقط میں لکھا ہے کہ اشارہ کرنے میں علماء کا اختلاف نہیں اور خانیہ میں لکھا ہے کہ یہ بلا اختلاف علماء کے ثابت ہے کہ التحیات میں لا الٰہ الا اللہ پڑھنے کے وقت اشارہ کرنا چاہیئے اور کفایہ میں مذکور ہے کہ علامہ نجم الدین زاہدی کا یہ قول ہے کہ بالاتفاق اس بارہ میں ہمارے اصحاب سے روایتیں ثابت ہیں کہ اشارہ کرنا سنت ہے اور علمائے کوفہ اور علمائے مدینہ کا بھی یہی قول ہے اور اشارہ کرنے کے بارہ میں بہت اخبار و آثار ہیں تو اُن پر عمل کرنا بہتر ہے یعنی

اشارہ کرنا چاہیئے، امام ابن ہمامؒ نے شرح ہدایہ میں لکھا ہے اور صاحب کفایہ کا بھی یہی قول ہے اور محقق چلپیؒ نے خفیۃ المتہدے میں لکھا ہے اور شیخ شمنی نے شرح نقایہ میں لکھا ہے کہ لا الہ الا اللہ پڑھنے کے وقت انگلیوں کو بند کرے، اور اشارہ کرے تاکہ دونوں طریق پر عمل ہو جائے، اور امام ابو یوسفؒ نے اپنی امالی میں لکھا ہے کہ چھوٹی انگلی اور اس کے بعد کی انگلی کو بند کر دے اور درمیان کی انگلی اور انگوٹھے سے حلقہ کرے اور کلمہ کی انگلی سے اشارہ کرے اور شرح وقایہ میں لکھا ہے کہ ہمارے علماء کے نزدیک اسی طور پر اشارہ کرنا ثابت ہے اور صاحب ہدایہ نے مختار النوازل میں لکھا ہے کہ لا الہ الا اللہ پڑھنے کے وقت اشارہ کرنا بہتر ہے اور منیۃ المصلی میں لکھا ہے کہ جب پڑھے اشہد ان لا الہ الا اللہ واشہد ان محمد رسول اللہ تو کلمہ کی انگلی سے اشارہ کرے۔

بعض علماء نے کہا ہے کہ اشارہ نہ کرنا بہتر ہے اور ان کا یہ قول ہے کہ اسی پر فتویٰ ہے اس واسطے کہ نماز کی بناء سکون اور وقار پر ہے۔ اور اشارہ کرنے میں سکون اور وقار نہیں رہتا، اس بات کا جواب یہ ہے کہ یہ دلیل کوئی آیت نہیں اور نہ حدیث اور نہ اجماع ہے بلکہ قیاس ہے اور جب کسی مسئلہ میں حدیث موجود ہو تو اس مسئلہ میں اس حدیث کے خلاف قیاس اور اجماع باطل ہے یہ ظاہر ہے کہ جس نے اشارہ کو منع کیا اس کو صحیح حدیثیں نہ پہنچیں اور اس نے حنفی مذہب کے فقہ کی روایتوں کو نہ جانا۔ ورنہ جو شخص پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل کے بارہ میں یہ کہے کہ یہ فعل سکون اور وقار کے خلاف ہے خصوصاً وہ نماز کے کسی فعل کے بارہ میں ایسا کہے تو وہ شخص بلا اتفاق تمام مسلمانوں کے نزدیک کافر ہو جائے گا۔ اور صلوٰۃ مسعودی میں لکھا ہے کہ اشارہ کرنا علماء متقدمین کی سنت ہے، علماء متاخرین نے اشارہ کرنے کو اس واسطے منع کیا ہے کہ علمائے متقدمین نے رافضیوں کا یہ قول اختیار کیا ہے کہ اشارہ کرنا چاہیئے۔ پہلی بات جو یہ ہے۔ کہ علماء متاخرین نے اشارہ کو کرنے منع کیا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ یہ دلیل امام اعظمؒ کے اصول کے خلاف ہے اس واسطے کہ یہ دلیل قیاس ہے اور جب صحیح حدیث موجود ہو تو اس کے خلاف قیاس اور اجماع باطل ہے دوسری بات یعنی یہ کہ علماء متقدمین کا قول منسوخ ہو گیا، اس کا جواب یہ ہے کہ یہ جائز ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی حکم منسوخ ہو تیسری بات یعنی یہ کہ علماء متاخرین نے رافضیوں کا یہ قول اختیار کیا تھا کہ اشارہ کرنا چاہیئے اس واسطے علماء متاخرین نے اشارہ کرنے کو منع کیا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ رافضیوں کی مخالفت ان کی بدعتوں میں چاہیئے، رافضیوں کا جو فعل فی الواقع سنت ہے اس میں رافضیوں کی مخالفت نہ کرنا چاہیئے۔ اس واسطے کہ جب رافضیوں کی مخالفت کے لحاظ سے کوئی سنت ادا نہ کی جاوے گی تو اس میں مخالفت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہو جاوے گی۔ یہ ظاہر ہے کہ رافضی

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجتے ہیں اور بسم اللہ سے کام کو شروع کرتے ہیں اور داہنے ہاتھ سے کھاتے ہیں اور بائیں ہاتھ سے استنجا کرتے ہیں تو رافضیوں کے یہ افعال ہیں، درود بھیجنا، بسم اللہ کہنا، حمد و ثنا کرنا، وضو میں پے درپے بدن کو دھونا اور ناخن کٹوانا اور بغل کے بال منڈوانا اور زیر ناف کے بال مونڈنا اگر اس غرض سے کہ رافضیوں کی مخالفت ہو سنتوں کو چھوڑنا ضروری ہو تو سنیوں کو چاہیئے کہ اس خیال سے کہ رافضیوں کی مخالفت ہو اکثر سنتوں کو ترک کریں جو عادت اور عبادت کے متعلق ہیں اور اس بارہ میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کو جائز سمجھیں اور پھر اپنے آپ کو سنی کہیں یہ صرف شیطان کا فریب اور تعصب ہے اور محیط میں لکھا کہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے قول سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اشارہ کرنا سنت ہے اور ایسا ہی دوسری کتابوں میں بھی مذکور ہے۔ اگر وہ سب ہم یہاں ذکر کریں تو بات طویل ہو جاوے گی۔ حاصل کلام یہ ہے کہ یہ صرف ان لوگوں کی جہالت اور تعصب نفسانی ہے جو دلیل یا کسی کے گمان کی بنا پر پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کریں اور امام کے خلاف مذہب کوئی مسئلہ اختیار کریں اور باوجود اس کے اپنے کو سنی سمجھیں۔ سنی وہ ہے جو سنت پر عمل کرتا ہے اور رافضی وہ ہے جو سنت کو ترک کرتا ہے اور امام صاحب کے خلاف مذہب اس کا عمل ہے۔ فتاوی عزیزی جلد اول صـ۱۲۴

سوال: تشہد میں انگلی کب اٹھانی چاہیئے اور کب تک اٹھانی چاہیئے اور کس موقع پر متحرک کرے؟

جواب: جس وقت تشہد میں بیٹھے تو بیٹھتے ہی معًا انگلی کو جس کو سبابہ کہتے ہیں۔ اٹھا لینا چاہیئے اور تا وقتیکہ سلام نہ پھیرے۔ اٹھائے رکھے اور جس وقت تشہد پڑھتا ہوا لا الہ الا اللہ پر پہنچے تب انگلی کو متحرک کرے۔ واللہ اعلم کما لا یخفی علی ماہر الکتاب (فتاوی ستاریہ جلد اول صـ۶۲)

مسئلہ شہادت پر انگلی سے تشہد میں اشارہ کرنا سنت ہے۔ لا پر کلمہ کی انگلی اٹھائے اور اِلّا پر رکھ دے اور سب انگلیاں سیدھی کرلے۔ حدیث میں ہے جس کو ابوداؤد و نسائی نے عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب دعا کرتے (تشہد میں کلمہ شہادت پر پہنچتے) تو انگلی سے اشارہ کرتے اور حرکت نہ دیتے۔ نیز ترمذی و نسائی و بیہقی ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے راوی کہ ایک شخص کو دو انگلیوں سے اشارہ کرتے دیکھا فرمایا توحید کر توحید کر (ایک انگلی سے اشارہ کر)

(نوٹ) یہ مسئلہ حنفی بریلوی مسلک کی معتبر کتاب سے نقل کیا گیا ہے۔ دیکھو بہار شریعت صـ۸۳ (سعیدی)

باب السھو

سوال : ایک امام مسجد نے قرأت پڑھتے ہوئے قرآن مجید کی ایک آدھا آیت بھول جانے پر نماز کو پورا کرنے کے بعد دہرایا۔ مقتدیوں نے اس کے ساتھ نماز پورا کرنے کے بعد دُہرائی۔ کیا واقعی قرأت پڑھتے ہوئے کوئی آیت غلط پڑھی جائے یا بھول کر رہ جائے تو نماز دہرانی پڑتی ہے یا سجدہ سہو کرنا ضروری ہوتا ہے؟

جواب : بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ منتقی میں ہے، عن مسور بن یزید المالکی قال صلی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فترك اٰیة فقال لہ رجل یا رسول اللہ ترکت اٰیة کذا وکذا قال فھلا ذکرتنیھا رواہ ابوداؤد وعبداللہ بن احمد فی مسند ابیہ۔ وعن ابن عمران النبی صلی اللہ علیہ وسلم صلی صلوٰۃ فقرأ فیھا فلبس علیہ فلما انصرف قال لِاُبَیّ اصلیت معنا قال نعم قال فما منعك۔ رواہ ابوداؤد (منتقی باب الفتح فی القرأۃ علی الامام وغیرہ)

مسور بن یزید مالکیؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھائی۔ ایک آیت چھوڑ دی، ایک شخص نے عرض کیا! یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ نے فلاں فلاں آیت چھوڑ دی، آپ نے فرمایا: تو نے مجھے یاد کیوں نہ دلایا: اس کو ابوداؤد نے اور عبداللہ بن احمد نے اپنے والد کی مسند میں روایت کیا ہے۔" اور ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھی اس میں قرأت پڑھنی بھول گئے جب نماز سے فارغ ہوئے تو حضرت ابی کو فرمایا: تو نے ہمارے ساتھ نماز پڑھی ہے؟ کہا: "ہاں" فرمایا! تو نے مجھے بتا کیوں نہ دیا؟

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ قرأت میں کسی آیت کے ترک ہونے یا بھول جانے سے نہ نماز لوٹانے کی ضرورت ہے نہ سجدہ سہو پڑتا ہے ورنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز لوٹاتے یا سجدہ سہو کرتے۔

اور یہ بھی معلوم ہوا کہ امام کو لقمہ ضرور دینا چاہیئے جو لوگ لقمہ دینے سے منع کرتے ہیں اُن کا خیال ان احادیث کے خلاف ہے۔ ہاں ایک حدیث منع کی بھی آئی ہے مگر اوّل تو وہ منقطع ہے اس میں ایک راوی

ابواسحاق ہے جس نے حارث اعور سے یہ حدیث نہیں سنی، نیز حارث اعور کذاب ہے۔ پس یہ حدیث بالکل قابلِ استدلال نہیں۔ خاص کر مذکورہ بالا احادیث کے مقابلہ میں کیوں کہ وہ قابلِ استدلال ہیں۔

(ملاحظہ ہو نیل الاوطار جلد ۲ صفحہ ۲۲۳ ، ۲۲۴) تنظیم اہلحدیث جلد ۱۷ ش ۱۳

سوال: چار رکعتوں کے درمیان التحیات بھول جائے تو نماز ہو جاتی ہے یا نہیں؟

الجواب: فرضوں میں اگر درمیانی تشہد بھول جائے تو حدیث میں سجدہ سہو آیا ہے، نفلوں کو بھی اسی پر قیاس کرنا چاہیے کیوں کہ جس مسئلے میں نفلوں کو فرضوں سے علیحدہ نہیں کیا، ہم علیحدہ نہیں کر سکتے۔ پس نفلوں میں بھی سجدہ سہو کافی ہے۔ از حضرت العلوم محدث روپڑیؒ تنظیم اہلحدیث جلد ۱۵ ش ۱۹، ۲۰

سوال: سجدہ سہو کس طرح کیا جاتا ہے کیا رکعت کی کمی بیشی پر ہی سجدہ سہو ہو سکتا ہے؟ محمد سرور خانیوال

الجواب: سجدہ سہو رکعت زیادہ ہو جائے تو کرنا چاہیے، اگر کم ہو تو کمی پوری کرے، یہاں تک کہ سمجھے کہ نماز کم تو نہیں ہے۔ پھر اس کے لئے بھی سجدوں کی تعداد دو ہے۔ درمیانہ تشہد رہ جائے تو سجدہ سہو کرے۔ (سلام کے بعد بھی کر سکتا ہے، سلام سے پہلے بھی) حضرت العلام حافظ محمد صاحب الاعتصام جلد ۲ ش ۲۷، ۲۸

سوال: ایک مسجد کے امام نے مغرب کی نماز پڑھائی، سلام پھیرتے وقت ایک مقتدی نے اللہ اکبر کہا دوسرے چپ رہے، امام کھڑا ہو گیا اور ایک رکعت پڑھی، پھر ایک سلام کیا پھر دو سجدے کئے پھر التحیات درود، دعا کے بعد سلام پھیرا، مقتدیوں نے کہا! نماز پوری ہو گئی تھی، آپ نے ایک رکعت زائد پڑھا دی، پھر امام صاحب نے فرمایا نماز غلط ہو گئی۔ پھر جلد جلد دہرا دی۔ عرض خدمت یہ ہے کہ کیا نماز غلط ہو گئی یا دو سجدے سہو کے کافی ہیں؟

الجواب: پہلی نماز سجدہ سہو کے ساتھ پوری ہو چکی ہے دوبارہ لوٹانے کی ضرورت نہیں تھی، اگر اس میں کوئی غلطی ہو گئی تھی تو دو سجدے سہو کافی ہیں۔

مولانا عبدالسلام صاحب بستوی مدرسہ ریاض العلوم دہلی اخبار اہل حدیث دہلی جلد ۵ ش ۱۹

سوال : اگر امام قرأت میں کسی جگہ پر بھول جائے یا درمیان میں کوئی آیت چھوڑ جائے اور مقتدیوں میں سے لقمہ دینے والا کوئی نہ ہو تو سجدہ سہو کرنا چاہیے یا نہیں؟

جواب : حدیث شریف میں ہر بھول پر سجدہ کا حکم ہے اس لئے قرأت بھول جائے تو بھی سجدہ سہو کرے۔

تعاقب : اخبار اہلحدیث مجریہ ۱۵ محرم سنہ حال میں سوال کا جو یہ جواب تحریر فرمایا گیا ہے کہ حدیث شریف میں ہر بھول پر سجدہ کا حکم ہے، اس لئے قرأت بھول جائے تو بھی سجدہ سہو کرے۔ میرے نزدیک صحیح نہیں ہے کیوں کہ اولاً ہر بھول پر سجدہ کرنے کی حدیث ضعیف ہے۔ بلوغ المرام میں ہے عن ثوبان رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لکل سھو سجدتان بعد ما یسلم رواہ ابوداؤد و ابن ماجہ بسند ضعیف۔ ثانیاً قرأت بھول جانے کی حالت میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سجدہ سہو کرنا ثابت نہیں ہے۔ سنن ابوداؤد میں ہے عن ابی المسعود بن یزید المالکی۔ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقرأ فی الصلوٰۃ فترك شیئاً لم یقرأہ فقال له رجل یا رسول اللہ ترکت ایة کذا وکذا فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ھلا ذکرتنیھا قال کنت اراھا نسخت وفی روایة ابن حبان فقال ظننت انھا نسخت قال فانھا لم تنسخ : یعنی مسعود بن یزیدؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں قرأت پڑھ رہے تھے پس کچھ چھوڑ دیا اور اس کو پڑھا نہیں تو ایک مرد نے کہا یا رسول اللہ آپ نے فلاں فلاں آیت چھوڑ دی، تب آپ نے فرمایا! مجھے کیوں یاد نہیں دلایا۔ اس مرد نے کہا میں نے گمان کیا کہ وہ آیت جس کو آپ نے چھوڑ دیا اور پڑھا نہیں، منسوخ ہوگئی ہے آپ نے فرمایا منسوخ نہیں ہوئی ہے۔ و نیز سنن ابوداؤد میں ہے۔ عن عبد اللہ بن عمر ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم صلی صلوٰۃ فقرأ فلبس علیه فلما انصرف قال لابی اصلیت معنا قال نعم قال فلما منعك الخ یعنی عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھی، پس آپ نے قرأت کی تو آپ پر قرأت ملتبس ہوئی، پھر جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو ابی بن کعب سے کہا کہ تم نے ہمارے ساتھ نماز پڑھی ہے؟ انہوں نے کہا ہاں! آپ نے فرمایا کس چیز نے لقمہ دینے سے تم کو روکا۔ یہ دونوں حدیثیں فتاویٰ نذیریہ جلد ا سے منقول ہیں۔

الحاصل احادیث سے نماز کی کمی و زیادتی کی حالت میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سجدہ سہو کرنا ثابت ہے مگر قرأت بھول جانے پر سجدہ سہو کرنا حدیث سے ثابت نہیں ہے۔ جیسا کہ دونوں مذکورہ بالا حدیثوں سے ظاہر ہے۔ پس اگر امام نماز میں کوئی آیت بھول کر چھوڑ جائے تو اس کو سجدہ سہو نہیں کرنا چاہیے۔

هذا ما عندی واللہ اعلم بالصواب۔

جواب تعاقب: آپ نے جو تعاقب کیا ہے۔ یہ صحیح حدیث کے خلاف ہے۔ لکل سہو سجدتان سجدے کی نفی نہیں عدم ذکر ہے، عدم ذکر سے نفی لازم نہیں آتی، علاوہ اس کے مسئلہ زیر بحث میں علماء کے متعدد اقوال ہیں آپ نے جو اختیار کیا ہے وہ بھی ایک مذہب ہے۔ اور ایک مذہب یہ بھی ہے کہ چند جن مقامات میں آپ نے سجدہ سہو کیا ہے صرف وہی قابلِ سجدہ ہیں، دوسرے نہیں۔ سفر السعادت میں اس کی تفصیل ملتی ہے۔ لہٰذا یہ مسئلہ زیادہ قابلِ بحث نہیں ہے۔ (فتاویٰ ثنائیہ جلد اول صـ۳۳۵)

سوال: امام نے بھول کر چار کی بجائے پانچ رکعت پڑھیں اور مقتدیوں نے لقمہ بھی نہ دیا۔ بعد فراغت امام صاحب کو جتلایا گیا کہ آپ نے ایک زائد رکعت پڑھ لی ہے تو آپ نے جواب میں کہا۔ اگر لقمہ دیتے تو میں ایک رکعت اور پڑھ لیتا پھر سجدہ سہو کر لیتا۔ اس طرح سے چار فرض ادا ہو جاتے اور دو رکعت نفل ہو جاتیں لیکن اب سجدہ ہی کرنا کافی ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ امام مذکور کا ایسا کرنا درست ہے یا نہیں؟

جواب: حدیث شریف میں آیا ہے پانچ پڑھنے والا ایک اور ملالے۔ اس کے دو نفل ہوں گے۔ اگر پانچ پر سجدہ سہو کرے تو دو سجدے ایک رکعت کی طرح پانچویں سے مل کر دو رکعت کا ثواب دلوادیں گے۔ انشاء اللہ۔ (فتاویٰ ثنائیہ صـ۳۵۹ جلد اول)

سوال: فرضوں کی پچھلی دو رکعتوں میں سورۃ فاتحہ کے بعد اگر کوئی سورت وغیرہ پڑھی جائے تو کیا سجدہ سہو لازم ہے؟

جواب: فقہا ایسی صورت میں سجدہ سہو کرنے کا حکم دیتے ہیں میرے ناقص علم میں سجدہ سہو واجب ہونے کی کوئی دلیل نہیں۔

تشریح: یہاں سجدہ سہو کے لئے فقہا کا خیال صحیح نہیں مسئی الصلوٰۃ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کے فرائض و آداب بتلاتے ہوئے ارشاد فرمایا تھا ثم اقرأ بام القرآن وبما شاء اللہ ہذا لفظ المصابیح ولابی داؤد ولابن حبان بما شئت کذا فی بلوغ المرام صـ۱۹ ومشکوٰۃ جلد اصـ۷۶ پھر آپ نے یہ بھی ثم افعل ذالک فی صلاتک کلہا اخرجہ السبعۃ واللفظ للبخاری بلوغ المرام صـ۱۹ ہمارے لئے محل استدلال حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے یہی لفظ مبارک ہیں۔ جن سے ہر رکعت میں سورۃ فاتحہ کے بعد کچھ اور بھی قرآن شریف سے پڑھنا ثابت ہوا لہٰذا سجدہ سہو کا حکم جو فقہا کرام دیتے ہیں ہے۔ باطل ہے۔ (ابو سعید محمد شرف الدین دہلوی) فتاویٰ ثنائیہ ج۱ صـ۳۵۹

باب المسبوق

سوال: مسبوق کو اگر امام بنا کر اس کی اقتدا کی جائے، تو جائز ہے یا نہیں۔ اگر حدیث شریف سے ایسی امامت کا ثبوت ہو، تو ارقام فرما کر مطمئن فرما دیں؟

جواب: مسبوق کے متعلق معلوم ہونا چاہیئے، کہ آج کل بعض لوگ ایسا کرتے ہیں کہ نماز باجماعت میں ایک دو رکعت ہو جانے کے بعد شامل ہوتے ہیں۔ سلام پھیرنے کے بعد ایک مسبوق آگے ہو کر امام بن جاتا ہے۔ اور دوسرے مسبوق مقتدی بن جاتے ہیں۔

یہ صورت شرع سے ثابت نہیں، صحابہ کرام آپ کے زمانہ میں ایسا کبھی نہیں کرتے تھے۔ صحیح بخاری میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا واقعہ صلوٰۃ الخوف موجود ہے۔ آپ حاضرین کے دو گروہ کر دیتے تھے ایک گروہ کو ایک رکعت پڑھا دیتے تھے، پھر وہ دشمن کے مقابل میں جا کھڑے ہوتے تھے، پھر دوسرے گروہ کو ایک رکعت پڑھا دیتے تھے اور خود سلام پھیر دیتے اور لوگ اپنی رکعت باقی ماندہ کو اکیلے اکیلے پڑھتے تھے حدیث کے الفاظ اس طرح ہیں، فقام کل واحد منهم فركع لنفسه ركعة یعنی ہر ایک ان میں کھڑا ہو جاتا اور اپنے لیے الگ نماز پڑھتا۔ اس حدیث سے امامت مروج مسبوق کی پوری تردید ہوتی ہے۔ وللتفصیل مقام آخر۔ مولانا محمد یونس صاحب دہلوی (اہلحدیث دہلی)

سوال: جو آدمی آخری چوتھی رکعت میں امام سے ملے اس کی وہ رکعت پہلی ہے یا پچھلی ہے اور فاتحہ کے بعد قرأت ترک کرے تو نماز درست ہوئی یا نہیں؟

الجواب: مسبوق جس رکعت میں ملے وہ اس کی پہلی رکعت ہوتی ہے، سورۃ ملانا الحمد کے ساتھ دوسری تیسری رکعت میں ضروری ہے۔

حررہ عبد الجبار بن عبد اللہ الغزنوی عفی عنہما

(فتاویٰ غزنویہ صـ ۳۲)

باب الوتر

سوال: ما قول کم رحمکم اللہ تعالیٰ دریں مسئلہ کہ تین رکعت وتر کی صحیح و راجح صورت کیا ہے؟

جواب: الحمد للہ رب العلمین اکثر روایات سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا تین رکعت وتر پڑھنا ثابت ہے اخرج النسائی عن ابی بن کعب ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یقرأ فی الوتر بسبح اسم ربک الاعلیٰ وفی الرکعۃ الثانیۃ بقل یا ایہا الکافرون وفی الثالثۃ بقل ھو اللہ احد ولا یسلم الا فی اخرھن قال الشوکانی فی نیل الاوطار (ص۲۹ جلد ۳) الحدیث رجالہ ثقات الا عبد العزیز وھو مقبول فحدیث الباب یدل ایضا علی مشروعیۃ الایتار بثلاث رکعات متصلۃ۔

یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم وتر کی پہلی رکعت میں سورۃ اعلیٰ (پ۳۰) دوسری میں سورہ کافرون اور تیسری میں سورہ اخلاص پڑھا کرتے تھے۔ اور (تینوں رکعتیں) ایک ہی سلام سے پڑھا کرتے تھے۔

ایک معتبر روایت میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا:۔ لا توتروا بثلاث اوتروا بخمس او سبع لا تشبھوا بصلوٰۃ المغرب (اخرجہ الدارقطنی) ورواتہ کلھم ثقات واخرج محمد بن نصر المروزی (فی قیام اللیل ص۱۲۵) من طریق عراک بن مالک عن ابی ھریرۃ مرفوعا وموقوفا لا توتروا بثلاث تشبھوا بصلوٰۃ المغرب صححہ الحاکم وابن حبان والعراقی وسکت علیہ الحافظ (فتح الباری ص۵۳۶) و (شوکانی نیل الاوطار ص۳۸) وقال الحاکم ھذا صحیح علی شرط الشیخین واخرجہ ایضا مجد الدین الفیروزابادی فی سفر السعادۃ واشار الی صحتہ الحافظ ابن القیم فی الاعلام (ص۲۵۹ جلد ۱)

یعنی تین وتر نہ پڑھو۔ پانچ یا سات پڑھو، نماز مغرب سے مشابہ نہ کرو۔

یہ حدیث بہ حیثیت مجموعی صحیح ہے، بہت سے محققین اور فحول علماء اس کی صحت کی تائید میں ہیں۔

چوں کہ بادی النظر میں پہلی روایات اور اس روایات میں تعارض معلوم ہوتا ہے لہٰذا محدثین کرام نے اس میں تطبیق دینی چاہی کہ تعارض بالکل نہ رہے۔

فرمان واجب العمل والاذعان پر ایک گہری نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم

نے صرف مشابہت نماز مغرب سے منع فرمایا ہے۔ پس ایسی صورت میں کہ جس سے مشابہت نہ رہے، نہی وارد نہیں ہو سکتی، علامہ ابن حجر رح کا خیال ہے کہ اگر وتروں میں درمیان کا التحیات (جو آج کل مروج ہے) نہ پڑھا جائے اور صرف ایک ہی تشہد پر اکتفا کیا جائے تو پھر نماز مغرب سے مشابہت نہیں رہتی اور یہی دونوں طرف کی روایات کا مطلب ہے، سبل السلام شرح بلوغ المرام ص۱۳۵ جلد اول میں ہے۔ وقد جمع بينهما الحافظ (فی فتح الباری ص۵۳۳ جلد ۲) بان النهی عن الثلاث اذا كان يقعد تشهد الاوسط لانه يشبه المغرب واما اذا لم يقعد الا فی اخرها فلا يشبه المغرب وهو جمع حسن۔

یعنی جب (تین رکعت وتر) دو تشہد سے پڑھے جائیں اس وقت تین رکعت وتر منع ہیں۔ (اور یہی مطلب حدیث دارقطنی وغیرہ کا ہے۔) اور جب ایک ہی تشہد سے پڑھے جائیں اس وقت کوئی حرج نہیں۔ (اور یہی روایات ثابتہ کا مطلب ہے)

مرفوع حدیث حافظ صاحب ممدوح کی اس تقریر کی تائید میں ایک مرفوع حدیث بھی موجود ہے، جس میں تصریح ہے۔ کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی تین رکعت وتر کی نماز ایک ہی (یعنی آخری) تشہد (التحیات) سے ہوا کرتی تھی۔ (فتح الباری جلد ۱ ص۵۳۶)

قال فی سبل السلام (ص۱۳۵ جلد ۲) وقد ايده حديث عائشة عند احمد والنسائی والبيهقی والحاكم كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يوتر بثلاث لا يجلس الا فی اخرهن ولفظ احمد كان يوتر بثلاث لا يفصل بينهن و لفظ الحاكم لا يقعد۔ انتهى ملخصا وحديث عائشة هذا اورده الزرقانی فی شرح المواهب وصاحب السبل فی حاشية زاد المعاد (فتاوی نذیریہ جلد ۱ ص۵۳۶) واورده ايضا الذهبی فی تلخيصه للمستدرك وسكت عليه وسكوته دال على تصحيحه او تحسينه وبالجملة هذه القرائن تدل على كون هذه الرواية فی النسخ الصحيح للمستدرك والله تعالى اعلم۔

یعنی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم تین رکعت وتر صرف ایک ہی تشہد سے پڑھا کرتے تھے اور درمیان تشہد میں نہیں بیٹھتے تھے۔

ایک قرینہ تین رکعت وتر کو ایک ہی تشہد سے پڑھنے کا ایک قرینہ یہ بھی ہے کہ بعض صحابہ جن سے تین رکعت وتر سے نہی ثابت ہے، خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تین

رکعت وتر کے راوی ہیں۔ جیسے حضرت ابن عباسؓ حضرت عائشہؓ (ملاحظہ ہو صحیح مسلم صفحہ ۲۵۴ جلد ۱)
تو معلوم ہوا کہ انہوں نے انہی تین رکعت وتر سے منع کیا ہے جو نماز مغرب کے مشابہ ہوں (یعنی دو تشہد سے ادا کیے جائیں)، اس کی تائید حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے اثر سے بھی ہوتی ہے جو محلی میں ہے۔ عن ابن عباسؓ انہ قال الوتر کصلوٰۃ المغرب الا انہ لا یقعد الا فی الثالثۃ (ص ۴۶ ج ۳)

سلف کا مسلک

بہت سارے سلف سے بھی بالتصریح مروی ہے کہ وہ تین رکعت وتر کو ایک ہی تشہد سے ادا کیا کرتے تھے .... ، حضرت فاروق اعظم بھی ایک ہی تشہد سے تین رکعت وتر پڑھا کرتے تھے، عون المعبود شرح سنن ابی داؤد صفحہ ۵۳۵ جلد ۱ میں ہے۔

وقد فعله السلف ايضا فروى محمد بن نصر (قيام الليل ص ۱۲۲) من طريق الحسن ان عمر بن الخطاب كان ينهض فى الثالثة من الوتر بالتكبير يعنى اذا قام من سجوده لركعة الثانية قام مكبرا من غير جلوس للتشهد يعنى حضرت عمر رضى الله تعالىٰ عنه وتروں میں دوسری رکعت سے فارغ ہو کر اللہ اکبر کہہ کر سیدھے کھڑے ہو جایا کرتے اور تشہد کے لیے نہیں بیٹھتے تھے۔ حضرت طاؤس، حضرت عطا۔ ایوب وغیرہ کا بھی یہی عمل تھا۔ قیام اللیل ص ۱۲۳ میں ہے۔ عن طاؤس انه كان يوتر بثلاث لا يقعد بينهن یعنی حضرت طاؤس تین وتر پڑھا کرتے تھے اور درمیان کا (التحیات) نہیں بیٹھتے تھے۔

وعن عطاء انه كان يوتر بثلاث ركعات لا يجلس فيهن ولا يتشهد الا فى اخرهن یعنی حضرت عطاؒ تین رکعت وتر کے درمیان نہ بیٹھتے تھے نہ التحیات پڑھتے تھے۔

وقال حماد كان ايوب يصلى بنا فى رمضان فكان يوتر بثلاث لا يجلس الا فى اخرهن۔ حماد کہتے ہیں حضرت ایوب ہمیں رمضان میں (نماز تراویح) پڑھا کرتے تھے اور تین رکعت وتر میں درمیان کا التحیات نہیں بیٹھتے تھے۔ بلکہ آخری رکعت پر بیٹھتے تھے۔

نتیجہ یہ نکلا کہ تین رکعت وتر ایک ہی تشہد سے پڑھتے مسنون ہیں اور تین رکعت وتر دو تشہد سے کسی حدیث مرفوع، صریح، صحیح یا حسن سے ثابت نہیں۔ باقی رہا اقوال و افعال صحابہ سے استناد و استدلال سو ان میں اولاً تو دو تشہد کی صراحت کا ثبوت مشکل ہے کیوں کہ صرف تثلیث نماز مغرب سے تو دو تشہد ثابت نہیں ہو سکتے۔ لاحتمال ان يكون الثلاثية فى العدد اوعدم التسليم (اور اس احتمال کی بنا پر

کہ ان کے اقوال میں ثلیث عدد میں مراد ہو، یا عدم تسلیم۔

ثانیاً افعال واقوال صحابہ بخلاف مرفوع بالاتفاق حجت نہیں ہیں۔ "ثالثاً" جن صحابہ سے یہ صورت مروی ہے ممکن ہے کہ انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تین وتر سے منع کی حدیث نہ پہنچی ہو۔ قال الحافظ فکانهم لم يبلغهم النهى المذكور (فتح البارى جلد ۱ ص ۵۳۶ طبع انصاری)

تطبیق کا دوسرا طریقہ

ہاں اگر دو تشہد سے تین وتر پڑھے جائیں تو دو سلام سے۔ چنانچہ بعض محدثین نے مذکورہ بالا احادیث میں یوں بھی تطبیق دی ہے۔ امام محمد بن نصر مروزی جو امام احمد کے ارشد تلامذہ میں سے ہیں ان کا عندیہ بھی یہی ہے ان کے نزدیک متصل تین رکعت پایہ ثبوت کو نہیں پہنچیں۔ قیام اللیل میں ہے۔ لم نجد عن النبى خبراً ثابتاً صريحا انه اوتر بثلاث موصولة (نیل الاوطار ج ۳ ص ۳۱) اور اکثر شوافع نے اسی کو ترجیح دی ہے۔ شرح مہذب میں امام نووی فرماتے ہیں واذا اراد الايتان بثلاث ركعات ففى الافضل اوجه الصحيح ان الافضل ان يصليها مفصولة بسلامين لكثرة الاحاديث الصحيحة فيه واليه ذهب الامام احمد یعنی جب تین ہی رکعت وتر کا ارادہ ہو تو بہتر یہ ہے کہ دو سلام ہوں اس لیے کہ زیادہ حدیثیں اسی طرح کی ہیں۔ اس کی دلیل میں یہ دو حدیثیں پیش کی جاتی ہیں۔ عن ابن عمرؓ قال كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يفصل بين الوتر والشفع بتسليمة ويسمعناها رواه احمد وابن حبان وقواه احمد (تلخيص الحبير ص ۱۱۴) آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم وتر اور اس کے قبل کی دو رکعتوں کے درمیان سلام کے ساتھ فاصلہ کر لیا کرتے تھے۔

عن عائشةؓ قالت كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يصلى فى الحجرة وانا فى البيت فيفصل عن الشفع والوتر بتسليم يسمعناه اخرجه احمد وفيه انقطاع لكن يكفى للتائيد۔ حضرت عائشہ رضؓ فرماتی ہیں وہ سلام اپنے کمرے میں سنتی تھیں۔

مولانا محمد عطاء اللہ صاحب حنیف بھوجیانی   الاعتصام   جلد ۳۲ ش ۴۳

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین از روئے دین محمدی اس مسئلہ میں کہ سائل کے ہاں آٹھ رکعت نماز تراویح پڑھ کر تین وتر اس شکل میں پڑھے جاتے ہیں کہ دوسری رکعت پر تشہد کے لئے بیٹھا جاتا ہے۔ تشہد سے اٹھ کر تیسری رکعت کے لئے رکوع سے پہلے دعا قنوت ہاتھ باندھ کر پڑھی جاتی ہے۔ سائل با دلائل بالوضاحت دریافت کرنا

چاہتا ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کس طرح ثابت ہے؟ آیا مندرجہ بالا شکل میں وتر درست ہیں یا نہیں؟

جواب : آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے وتر کی تعداد کے متعلق مختلف روایات آئی ہیں۔ ایک، تین، پانچ، سات، نو، تیرہ تک آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ادا فرمائی ہیں۔ عموماً دو، دو رکعت ادا فرمانے کے بعد آخر میں ایک رکعت پڑھ کر سلام کرتے اور وتر ختم کر دیتے۔ تین اور پانچ میں درمیان میں تشہد نہیں پڑھتے تھے۔ سنن ابی داؤد میں حضرت ابوایوب رضہ مرفوعاً فرماتے ہیں، من احب ان یوتر بخمس فلیفعل ومن احب ان یوتر بثلث فلیفعل ومن احب ان یوتر بواحدۃ فلیفعل ص۵۳۵) جن میں قنوت آخری رکعت میں رکوع کے بعد عموماً پڑھتے رکوع سے پہلے پڑھنے کے متعلق امام ابوداؤد فرماتے ہیں لیس ھو بالمشھور من حدیث حفص ویسے بھی یہ حدیث ضعیف ہے۔ مستدرک حاکم جلد ا ص۳۰۴ میں حضرت عائشہ رضہ سے روایت ہے۔ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یوتر بثلث لا یسلم الا فی اخرھن "تین وتر پڑھتے اور آخری رکعت میں سلام کہتے" حضرت عطاء سے مروی ہے۔ انہ کان یوتر بثلث لا یجلس فیھن ولا یتشھد الا فی اخرھن" (مستدرک جلد ا ص۳۰۵) تین رکعت وتر پڑھتے، درمیان میں نہ تشہد پڑھتے نہ بیٹھتے" اس لئے بہتر یہی ہے کہ تین وتر میں تشہد نہ کیا جائے۔ رکوع کے بعد قنوت پڑھے، اس میں ہاتھ اٹھانا مستحب ہے۔ اور عبداللہ بن عمر رضہ نے بخاری رحہ کے رسالہ جزء رفع الیدین میں ذکر فرمایا ہے۔ عون المعبود جلد ا ص۵۳۶ میں ہے۔ ویستحب رفع الیدین فیہ "یعنی قنوت میں ہاتھ اٹھانا مستحب ہے"۔

محمد اسماعیل خطیب جامع اہلحدیث گوجرانوالہ ۱۸ رمضان ۱۳۸۲ھ

جواب ۲ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے تین وتر دو طرح آئے ہیں۔ ایک اس طرح کہ درمیان تشہد نہ بیٹھے اور آخر میں سلام پھیرے جیسا کہ فتح الباری میں ہے اور مستدرک حاکم کی روایت کے نیچے علامہ ذہبی نے لکھا ہے،

اور دوسری صورت یہ ہے کہ دو رکعت ادا کر کے سلام پھیر کر تیسری رکعت الگ پڑھے جیسا کہ فتح الباری میں ہے۔ اور یہی بہتر ہے۔ کیوں کہ ایک حدیث میں تین رکعت پڑھنے کی ممانعت ہے جیسا کہ فتح الباری میں ہے۔ اس حدیث کا صحیح مطلب یہی ہے، کہ ایک سلام سے تین رکعت نہ پڑھے۔

اور دعائے قنوت رکوع سے پہلے اور رکوع کے بعد دونوں طرح صحابہ سے مروی ہے جزء رفع الیدین) اور رکوع سے پہلے ہاتھ باندھ کر دعا کرنا بھی بعض صحابہ سے آیا ہے۔ قیام اللیل) العبد محمد گوندلانوالہ (۱۴ ۴ ۲)

جواب ۳ نماز وتر ایک سے نو تک ہیں اور پڑھنے کے مختلف طریقے ہیں۔ تین وتر پڑھنے کی دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ تین وتر ایک تشہد اور ایک سلام سے پڑھے، دو پر قعدہ نہ کرے۔ یعنی تشہد نہ بیٹھے، دوسری صورت یہ ہے

کہ دو پڑھ کر سلام پھیر دے، پھر ایک رکعت اکیلی پڑھے۔ عبد اللہ ابن عمرؓ کا عمل اسی پر تھا اور دعائے قنوت رکوع کے بعد پڑھنی چاہیئے کیوں کہ حدیث میں وتر کے متعلق صراحت آئی ہے۔ چنانچہ مستدرک حاکم میں ہے۔

عن الحسن بن علی علمنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کلمات اقولھن فی وتر اذا رفعت راسی ولم یبق الا السجود الحدیث "یعنی حضرت حسن بن علی فرماتے ہیں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے مجھے چند کلمات (اللھم اھدنی الخ) سکھائے کہ ان کو وتر میں پڑھوں، جبکہ رکوع سے سر اٹھاؤں، اور صرف سجدہ باقی رہ جائے۔" اگرچہ یہ استحبابی ہے لیکن جب پہلے پڑھنے میں کوئی زیادہ سہولت نہیں اور پیچھے پڑھنے میں کوئی زیادہ تکلیف نہیں، تو پھر بلاوجہ استحباب کو کیوں ترک کیا جائے ہاں بڑا آدمی کبھی تعلیم دینے کے لئے ترک کر سکتا ہے اگر یہ وجہ نہ ہو تو پھر استحباب پر عمل کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔ تفصیل کے لئے ہمارا رسالہ "تعداد رکعت وتر" اور "امتیازی مسائل" اور قیام اللیل امام محمد بن نصر مروزی وغیرہ دیکھیں۔ فقط عبد اللہ امرتسری روپڑی تنظیم اہلحدیث جلد ۱۵ ش ۳۱، ۳۲

سوال : وتر کی نماز ایک رکعت یا تین رکعت، بغیر دعائے قنوت پڑھنے سے وتر کی نماز ہو جاتی ہے یا نہیں؟

جواب : ایک رکعت بھی ہے تین رکعت بھی ہے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وتر کو اگر چاہو تو ایک رکعت پڑھو چاہو تو تین رکعت پڑھو ابوداؤد و نسائی۔ اور بغیر قنوت پڑھے نماز وتر ہو جائے گی۔ؔ کیوں کہ قنوت کا پڑھنا فرض اور ضروری نہیں ہے۔ واللہ اعلم بالصواب (اخبار اہلحدیث دہلی جلد ا ش ۲)

سوال : حضرت العلام حافظ صاحب، السلام علیکم ورحمۃ اللہ! گذارش ہے کہ نماز وتر پڑھنے کا مسنون طریقہ تحریر فرمائیں۔ ہم اکثر تین وتر پڑھتے ہیں دوسری رکعت میں تشہد نہیں بیٹھتے اس کی دلیل سے مطلع فرمایا جائے۔

الجواب بعون الوھاب : تین وتر ایک سلام سے پڑھے جائیں تو ان میں دوسری رکعت پر تشہد نہیں ہے۔ چنانچہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا سے روایت ہے:۔ کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یوتر بثلث لا یسلم الا فی اٰخرھن۔ (مستدرک حاکم جلد اول صفحہ ۳۰۴) یعنی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تین وتر پڑھتے اور سلام آخری رکعت میں پھیرتے۔" اور محلی ابن حزم جلد ۳ صفحہ ۴۸ میں ہے، عن عبد الرزاق عن المعتمر بن سلیمان التیمی عن لیث عن عطاء عن ابن عباس قال الوتر کصلوٰۃ المغرب الا انہ لا یقعد الا فی الثالثۃ، حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالےٰ عنہ فرماتے ہیں وتر مغرب کی نماز کی طرح ہیں، مگر وتر دوں

ؔ نماز تو ہو جائے گی لیکن دعاء قنوت کا پڑھنا سنت ہے۔ سنت کو ترک نہ کرنا چاہیئے۔ (سعیدی)

میں تشہد آخر میں تیسری رکعت میں بیٹھے۔" حضرت عطاءؒ سے مروی ہے کان یوتر بثلاث لا یجلس فیھن ولا یتشھد الا فی اخرھن (مستدرک حاکم جلد اول ص۳۰۴) "یعنی تین وتر پڑھتے، درمیان تشہد نہ بیٹھتے۔" پانچ وتر ایک سلام سے پڑھنے چاہئیں، درمیان میں تشہد نہ بیٹھے۔" چنانچہ مسلم شریف میں حدیث ہے: حدثنا ابن نمیر حدثنا ابی قال حدثنا ہشام عن ابیہ عن عائشۃ قالت کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ یصلی من اللیل ثلاث عشرۃ رکعۃ یوتر من ذالک بخمس لا یجلس فی شئ الا فی اخرھا (مسلم شریف جلد اول ص۲۵۴) "حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم رات میں تیرہ رکعت پڑھتے ان میں سے پانچ وتر پڑھتے اور صرف آخر تشہد بیٹھتے۔ فقط حضرت العلام محدث روپڑی رحمۃ اللہ علیہ (تنظیم اہلحدیث جلد ۲۰ ش ۳۰)

سوال: تین (۳) رکعت وتر کس طرح پڑھنی چاہیئے؟

جواب: تین رکعت وتر پڑھنے کے دو طریقے ہیں۔ ایک یہ کہ دو رکعت پڑھ کر التحیات وغیرہ کے بعد سلام پھیرے پھر ایک رکعت بعد میں پڑھے دوسرا طریقہ یہ ہے کہ مسلسل تین رکعت پڑھ کر صرف اخیر میں بیٹھے اور التحیات وغیرہ کے بعد سلام پھیرے، البتہ نماز مغرب کی طرح نہیں پڑھنی چاہیئے کہ دو رکعت کے بعد التحیات پڑھ کر بغیر سلام تیسری رکعت کے لئے کھڑا ہو جائے۔ کیونکہ وتر میں نماز مغرب کی مشابہت سے حدیث میں منع کیا گیا ہے۔

حدیث میں ہے کہ عبد اللہ بن عمرؓ نے دو رکعتیں پڑھ کر غلام سے کہا پالان باندھ، پھر کھڑے ہو کر ایک رکعت پڑھی اور خبر دی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ایسا ہی کیا کرتے تھے۔ اس حدیث کی اسناد قوی ہے۔

مولانا عبد الحی صاحب لکھتے ہیں۔ واصرح من ذلک ما رواہ سعید بن منصور باسناد صحیح عن بکر بن عبد اللہ المزنی قال صلی ابن عمر رکعتین ثم قال یا غلام ارحل لنا ثم قام فاوتر برکعۃ۔ وروی الطحاوی عن سالم عن ابیہ انہ کان یفصل بین شفعہ ووترہ بتسلیمۃ واخبران النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یفعلہ واسنادہ قوی (تعلیق الممجد ص۱۲۵)

تحفۃ الاحوذی میں ہے وبحدیث عبد اللہ بن عمر قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یفصل بین الوتر والشفع بتسلیمۃ ویسمعناھا قال الحافظ فی التلخیص بعد ذکرہ رواہ احمد وابن حبان وابن السکن فی صحیحیھما والطبرانی من حدیث ابراھیم الصائغ عن نافع عن ابن عمر بہ وقواہ احمد انتھی (تحفۃ الاحوذی ص۳۳۴)

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں والعمل علی ھذا عند بعض اھل العلم من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم والتابعین رأوا ان یفصل الرجل بین الرکعتین والثالثۃ یوتر برکعۃ وبہ یقول مالک والشافعی واحمد واسحق ۔ یعنی بعض صحابہ اور تابعین اسی کے قائل ہیں کہ دو رکعت پڑھ کر سلام پھیر دے اور تیسرے رکعت الگ پڑھے، امام مالک اور شافعی واحمد واسحاق کا یہی مسلک ہے۔ مسلسل تین رکعت پڑھ کر اخیر میں بیٹھنا اور سلام پھیرنا بھی مرفوع حدیث اور آثار صحابہ اور تابعین سے ثابت ہے۔ تحفۃ الاحوذی میں ہے۔ عن عائشۃ قالت کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یوتر بثلاث لا یقعد الا فی اخرھن وھذا وتر امیر المؤمنین عمر بن الخطاب وعنہ اخذہ اھل المدینۃ رواہ الحاکم فی المستدرک من طریق ابان بن یزید العطار عن قتادۃ عن زرارۃ بن اوفی عن سعد بن ھشام عنھا ۔ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وتر کی تین رکعتوں میں صرف اخیر میں بیٹھتے تھے حضرت عمر کا بھی طریقہ یہی تھا اہل مدینہ کا تعامل بھی اسی سے ماخوذ ہے۔ مولانا عبد الحی صاحب حنفی لکھنوی مختلف احادیث اور آثار صحابہ و تابعین نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ قول فیصل اس مقام میں یہ ہے کہ اس امر میں صحابہ مختلف ہیں بعض تو صرف ایک ہی رکعت پر اکتفا کرتے تھے، بعض تین رکعت دو سلام سے پڑھتے تھے اور بعض تینوں رکعتیں صرف ایک سلام سے پڑھتے تھے اور مرفوع حدیثیں بھی اس بارہ میں مختلف ہیں لہٰذا یہ سب طریقے جائز اور ثابت ہیں۔ القول الفیصل فی ھذا المقام ان الامر فی ما بین الصحابۃ مختلف فمنھم من کان یکتفی علی الرکعۃ الواحدۃ ومنھم من کان یصلی ثلاثا بتسلیمتین ومنھم من کان یصلی ثلاثا بتسلیمۃ والاخبار المرفوعۃ ایضا مختلفۃ بعضھا شاھدۃ للاکتفاء بالواحدۃ وبعضھا بالثلاث والکل ثابت لکن اصحابنا قد ترجحت عندھم روایات الثلث بتسلیمۃ بوجوہ لاحت لھم فاختاروہ و حملوا المجمل علی المفصل (التعلیق الممجد) (اخبار اہلحدیث جلد ۷ ش ۵)

سوال : ایک شخص ماہ رمضان المبارک میں نماز تراویح آٹھ رکعت باجماعت پڑھ کر وتر اس نیت سے چھوڑ دیتا ہے۔ کہ آخر رات میں تہجد کے نوافل پڑھ کر بعد میں وتر پڑھوں گا۔ کیا یہ طریقہ مطابق سنت ہے؟ اور ماہ رمضان میں نماز تراویح کے بعد عموماً نماز وتر جماعت کے ساتھ پڑھی جاتی ہے۔ کیا وتر اس جماعت کے ساتھ پڑھنے بہتر ہیں یا آخر رات میں اکیلے پڑھنا زیادہ ثواب ہے؟ (عبد الغفور بن اسماعیل گوجرانوالہ)

جواب : تراویح اور تہجد ایک ہی نماز کے دو نام ہیں اول رات میں پڑھیں تو تراویح کا نام ہوگا، آخر

رات پڑھیں تو اس کو تہجد کہا جاتا ہے۔ سنن ابن ماجہ میں باب ماجاء فی قیام شہر رمضان کے تحت ایک طویل روایت ہے۔ اس کا مختصر ترجمہ یہ ہے: حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔ ہم (صحابہ کرام) نے آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رمضان کے روزے رکھے آپ نے آخری دہاکے کی تین طاق راتوں میں ہمیں (قیام اللیل) نماز تراویح پڑھائی پہلی رات اوّل حصہ میں پڑھائی۔ یہاں تک کہ تہائی رات گزر گئی۔ دوسری رات نصف شب تک پڑھائی ہم نے بقیہ آدھی رات بھی تراویح پڑھانے کے لئے عرض کیا، تو نبی علیہ السلام نے فرمایا جس نے امام کے ساتھ قیام کیا اس کو پوری رات کے قیام کا ثواب ملے گا۔ تیسری رات حضور علیہ السلام نے اپنے گھر والوں کو جمع کیا۔ دوسرے لوگ بھی حاضر ہوگئے، سب کے ساتھ نماز تراویح پڑھی، یہاں تک کہ ہمیں سحری کا وقت گزر جانے کا اندیشہ ہوا۔" اس حدیث سے ثابت ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز تراویح کو رات کے تینوں حصوں میں پڑھا اور اس کا وقت عشا کے بعد سے آخر رات تک ہے۔ جب نماز تراویح آخر رات تک پڑھائی، تو پھر بتائیے باقی کونسا وقت رہا جس میں تراویح کے بعد فجر سے پہلے کوئی اور نماز پڑھی ہو۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک ہی رات میں تراویح اور تہجد الگ الگ پڑھنا کسی معتبر روایت سے ثابت نہیں، پس تراویح اور تہجد ایک ہی نماز ہے۔ ہاں اگر کوئی شخص آٹھ رکعت تراویح کے علاوہ رات کے کسی حصہ میں مزید نفل پڑھنا چاہے تو پڑھ سکتا ہے لیکن رات کے اوّل حصہ میں پڑھی اور آخری حصہ میں پڑھی ہوئی ساری نمازوں کو قیام اللیل ہی کہا جائے گا۔ کیوں کہ بعض نے سینتالیس نفل تک پڑھے ہیں۔ اور اہل مدینہ چھتیس نفل تک پڑھتے رہے ہیں۔

پہلی رات اور پچھلی رات کی نماز کو الگ الگ شمار کرنا کسی روایت سے ثابت نہیں اور وتر پچھلی رات میں پڑھنا بہتر ہے۔[1] از حضرت العلام حافظ عبداللہ صاحب روپڑی "تنظیم اہلحدیث جلد ۱۵ ش ۲۸"

سوال: محترم قبلہ حافظ صاحب! السلام علیکم ورحمۃ اللہ!

۱۰ اگست کے "تنظیم اہل حدیث" میں وتر کی دوسری رکعت میں بیٹھنا جائز ہے یا نہیں؟ کے جواب سے تسلی نہیں ہوئی۔ یہ تو پتہ چلتا ہے کہ دو رکعت کے بعد سلام پھیر کر تیسری رکعت پڑھے یا تینوں رکعت کے آخر ہی میں سلام پھیرے۔ (۱) "وَيَفْصِلُ بَيْنَ الشَّفْعِ وَالْوِتْرِ بِتَسْلِيْمَةٍ لِيُسْمِعَنَاهَا" (احمد)

(۲) اَوْلَا يُسَلِّمُ اِلَّا فِي اٰخِرِهِنَّ (نسائی، ابن سنی)

لیکن، دوسری رکعت کے بعد سلام پھیرے بغیر التحیات نہ پڑھنے کا مثبت ثبوت درکار ہے؟

[1] بشرطیکہ تراویح پہلی رات پڑھے ورنہ تراویح کے ساتھ پڑھنا افضل ہے۔ جیسا کہ پہلے خود بھی لکھ چکے ہیں۔ (سعیدی)

الجواب، نمازِ وتر میں کئی ایک پہلوؤں میں اختلاف ہے مثلاً ۱ ان کی کل کتنی رکعتیں ہیں؟ ۲ ان میں سے کونسا عدد زیادہ محبوب ہے؟ ۳ فرض ہیں یا نفل؟ ۴ ان کی قضا ہے یا نہیں؟ ۵ دُعائے قنوت واجب ہے یا نہ؟ ۶ اس کے الفاظ کیا ہیں؟ ۷ قنوت رکوع سے پہلے ہے یا بعد؟ ۸ وقت ان کا کہاں تک ہے؟ ۹ مکرر پڑھے جاسکتے ہیں یا نہیں؟ ۱۰ وتروں کے بعد نوافل ہو سکتے ہیں یا نہ؟ ۱۱ ان کے لئے بہتر وقت کونسا ہے؟ ۱۲ سواری پر وتر جائز ہیں یا نہ؟ ۱۳ ان میں کونسی سورتیں پڑھنا مسنون ہیں؟ ۱۴ حضور علیہ السلام نے کن اوقات میں پڑھے تھے؟ ۱۵ قنوت میں رفع یدین؟ ۱۶ قنوت کے لئے تکبیر؟ ۱۷ قنوت آہستہ پڑھی جائے یا اونچی آواز سے؟ قنوت میں امام کے پیچھے آمین کہنا! وغیرہ وغیرہ اسی طرح اس امر کا بھی اختلاف ہے کہ ۱ وتر کی تین رکعتیں جائز ہیں یا نہ؟ ۲ اگر جائز ہیں تو موصولا (ملاکر) پڑھنی چاہئیں یا مفصولا (یعنی جدا کرکے) دو الگ اور ایک رکعت الگ پڑھنی چاہیے ۳ ملاکر پڑھنے کی صورت میں التحیات پڑھنی چاہیئے یا نہ؟ اگر مؤخر الذکر تینوں امور کو سمجھ لیا جائے تو بات نہایت آسانی کے ساتھ سمجھ میں آسکتی ہے۔ مختصر جواب یہ ہے کہ: نمازِ وتر، تین رکعتیں ہی ہیں، موصولا بھی جائز ہیں اور مفصولا بھی، موصولا (ملاکر) پڑھنے کی صورت میں قعدہ اولیٰ (التحیات پہلے) نہیں کرنا چاہیئے۔ تفصیل یہ ہے:-

تین رکعتیں: عن ابی بن کعب ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یوتر بثلاث رکعات۔ (سنن نسائی ص۲۴۸)، حضرت ابی بن کعبؓ فرماتے ہیں حضور علیہ السلام تین رکعت وتر پڑھا کرتے تھے۔" لیکن اس کے ساتھ ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد بھی ہے کہ وتر کی تین رکعت نہیں ہونی چاہئیں، لا توتروا بثلاث (دار قطنی عن ابی ہریرۃ وقال اسنادہ ثقات ص۱۷۲)، نمازِ وتر میں تین رکعتیں نہ پڑھو" جو ذاتِ کریم قول و فعل کے تضاد سے بلند ہے جب ہم نے ان کے عمل اور قول کے اس تضاد کا گہرا مطالعہ کیا تو اس کی وجہ اسی حدیث میں ہمیں مل گئی اور بات بالکل صاف ہوگئی۔ فرمایا لا تشبّھوا بصلوۃ المغرب (سبل السلام بحوالہ حاکم ص۱۳۵ دار قطنی ص۱۷۲) اسے (نمازِ وتر کو) نمازِ مغرب سے مشابہ نہ کرو)

پہلی التحیات نہیں ہے:- محدثین نے اس ارشاد کا مطلب یہ لیا ہے کہ اگر تین رکعت موصولاً (ملاکر) پڑھنی ہوں تو قعدہ اولیٰ (یعنی پہلی التحیات) نہ کیا جائے۔ (ملاحظہ ہو سبل السلام شرح بلوغ المرام لامیر الیمانی ص۱۳۵ و فتح الباری ص۳۶۶ ج۱)

اس توجیہہ کی تصدیق کے لئے جب ہم نے احادیث اور آثار کا مطالعہ کیا تو اسے صحیح پایا۔ ملاحظہ ہو:

التحیات اور قعدہ اولیٰ کے بغیر عن عائشة قالت كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يوتر بثلاث لا يقعد الا فی آخرهن وهذا وتر امير المومنين عمر بن الخطاب رض وعنه اخذه اهل المدينة . بروایة ابان بن یزید عن قتادة (رواه الحاكم فی المستدرک والبیهقی فی معرفة السنن والآثار، التعلیق المغنی ص۱۷۱ ج۲)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالے عنہا فرماتی ہیں، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تین رکعت وتر پڑھا کرتے تھے۔ اور التحیات کیلئے صرف آخر میں بیٹھا کرتے تھے اور حضرت عمر فاروق رض کی نماز وتر بھی اسی طرح تھی، اور اہل مدینہ نے بھی آپ سے ہی یہ نماز لی تھی۔ (یعنی سیکھی تھی)

ازالہ: ابان کی بجائے سعید بن عروبة اور چند دوسرے رواۃ نے قتادہ سے جو روایت کی ہے اس میں "لا یقعد" کے بجائے "لا یسلم" (یعنی سلام نہیں پھیرا کرتے تھے) اس لئے امام بیہقی کی تصریح کے مطابق "یقعد" والے الفاظ کو خطا اور غلطی تصور کرنا چاہیے۔ ("لا یسلم" والی روایت نسائی ص و موطا محمد ص۱۵۱ میں ہے)

دراصل یہ اعتراض اس وقت ہونا چاہیے جب ان کے درمیان کوئی تعارض فرض کیا جائے ورنہ نہیں، ہمارے نزدیک ان کے مابین کوئی تعارض ہی نہیں ہے۔ کیونکہ یقعد، لا یسلم، لا یجلس اور لا یفصل ایک ہی مفہوم کے لئے روایت میں آتے ہیں اور ایک دوسرے کی جگہ متعدد روایات میں ان کو ذکر کیا گیا ہے؛ چنانچہ مسند احمد میں لا یسلم اور لا یقعد کی جگہ "لا یفصل بینهن بسلام" آیا ہے خود مستدرک حاکم کے مختلف نسخوں میں "لا یسلم" ہے۔ اور دوسرے میں یقعد (البغیة الالمعی علی نصب الرایة ص۱۱۸ ج۲)

ایک روایت میں ہے۔ اوتر بسبع رکعات لم یجلس الا فی السادسة والسابعة اسی مضمون کے سلسلہ میں ایک اور روایت کے الفاظ یہ ہیں؛ صلی بسبع رکعات لا یقعد الا فی آخرهن۔ (اعلام الموقعین ص۱۴ ج۲) بعض کے الفاظ یہ ہیں؛ یوتر بخمس وبسبع لا یفصل بینها بسلام ولا بکلام (نسائی ص۲۴۸ ج۱) بعض میں یہ الفاظ ہیں۔ کان یوتر بخمس ولا یجلس الا فی آخرهن (حوالہ مذکور) بعض کے یہ الفاظ ہیں:۔ اوتر بسبع رکعات لا یقعد الا فی السادسة (حوالہ مذکور) بعض میں یہ الفاظ ہیں؛ یصلی تسع رکعات لا یجلس بینهن (حوالہ مذکور اور مسند ابو عوانہ ص۳۲۲ ج۲) بعض میں ہے؛ اوتر بتسع رکعات لم یقعد الا فی الثامنة (ایضاً) خمس یوتر ولا یسلم فی شیء من الخمس حتی یجلس فی الآخرة و یسلم (مسند ابو عوانہ ص۳۲۵ ج۲) عن عائشة ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یوتر بخمس رکعات لا یجلس ولا یسلم الا فی الآخرة منهن۔ (مسند ابی عوانہ ص۳۲۵ ج۲)

ان تمام روایات سے اندازہ ہو گیا ہے کہ مذکورہ بالا چار الفاظ یعنی لا یقعد، لا یسلم، لا یجلس، اور لا یفصل "صرف ایک ہی مفہوم کے لئے اس جگہ مروی ہیں اس لئے ایک دوسرے کی جگہ آئے ہیں یعنی دوگانہ پر نہ قعود ہے اور نہ سلام۔ وتر کے بعد کی روایات کے مجموعی مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ حضورؐ کے بعد وتر کے سلسلہ میں استفسارات کا ہجوم ہو گیا تھا، ان میں سے ایک یہ تھا کہ تین یا پانچ یا سات یا نو رکعتیں وتر ہوں تو اس سے پہلے دوگانہ پر سلام پھیر کر الگ رکعت تنہا ادا کرنی چاہئے یا صرف ان کے آخر میں تشہد پڑھ کر سلام پھیرنا چاہیئے، اسلئے ان کے جواب میں مندرجہ بالا الفاظ ذکر کئے گئے ہیں اور اس کی مختلف شکلیں بیان کی گئی ہیں۔ باقی رہی یہ بات کہ سلام نہ پھیرنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ پہلی التحیات ہی نہ بیٹھے تو اس کا اندازہ ان روایات کے گہرے مطالعہ سے ہو گا۔

مذکورہ بالا الفاظ کا ایک دوسرے کی جگہ استعمال ہونا اس امر کی غمازی کرتا ہے کہ دوگانہ پر صرف سلام کی نفی نہیں بلکہ تعود کی بھی نفی ہے۔ اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ ابان والی روایت میں آتا ہے کہ حضرت عمرؓ کی نماز وتر بھی یہی تھی اور حضرت عمرؓ کے متعلق آتا ہے، کان ینھض فی الثانیۃ بالتکبیر (نصب الرایہ ص۱۱۱) حضرت عمر دوسری رکعت میں تکبیر کہتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوتے تھے (یعنی التحیات کے لئے نہیں بیٹھتے تھے) عن المسور بن مخرمۃ قال دفنا ابا بکر فقال انی لم اوتر، فقام وصففنا ورا ءہ فصل بنا ثلاث رکعات لم یسلم الا فی اٰخرھن (نصب الرایہ ص۱۲۱ بحوالہ طحاوی) مسور بن مخرمہ کہتے ہیں کہ ہم حضرت عمرؓ نے کہا میں نے نماز وتر نہیں پڑھی، پھر وہ کھڑے ہو گئے اور ہم نے ان کے پیچھے صف بنالی، چنانچہ انہوں نے تین رکعتیں پڑھیں اور نہ سلام پھیرا مگر ان سب کے آخر میں" نوٹ:۔ حضرت عمر فاروق رضہ کا مذہب معلوم ہے کہ وہ وتروں میں قعدہ اولیٰ نہیں کیا کرتے تھے اور مندرجہ بالا روایت میں اس کے لئے لم یسلم الا فی اٰخرھن "آیا ہے تو معلوم ہوا کہ لم یسلم یا لا یسلم سے قعدہ اول کی نفی بھی ہو جاتی ہے۔

ہمیں روایات کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ تین رکعت وتروں میں اگر دوگانہ پر سلام پھیر کر الگ رکعت نہیں پڑھنا ہوتی تھی تو وہاں پہلی التحیات کے لئے قعدہ کیا ہی نہیں کرتے تھے گویا کہ سلام اور قعدہ اولیٰ لازم و ملزوم تھے، سلام ہوتا تھا تو قعدہ اولیٰ بھی ہوتا تھا اگر سلام پھیرنا منظور نہیں ہوتا تھا تو قعدہ اولیٰ بھی نہیں کیا کرتے تھے۔

جن اکابر نے تراویح کے سلسلہ میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اسم گرامی کی مالا جپنا شروع کر رکھا ہے ان کو تو کم از کم اس پر ضرور ٹھنڈے دل سے غور کرنا چاہیئے۔ دوسری شہادت اور قرینہ یہ ہے کہ

مسند ابی عوانہ میں یہ تصریح موجود ہے کان یوتر بخمس رکعات ولا یجلس ولا یسلم الا فی الاخرۃ (ص۳۲۵ ج۲) یعنی آپ پانچ رکعت وتر میں آخری رکعت سے پہلے نہ بیٹھتے تھے اور نہ سلام پھیرتے تھے۔" گو اس میں پانچ وتر وں کا ذکر ہے لیکن کیفیت دونوں کے بیان کی ایک ہے۔ صحاح ستہ اور دوسری بیشتر کتب حدیث میں صرف لا یجلس آتا ہے۔ مسند ابی عوانہ میں لا یسلم اور کہیں لا یجلس ولا یسلم آیا ہے تو معلوم ہوگا کہ دوگانہ پر عدم سلام کا جہاں ذکر ہے وہاں قعدہ اوّل کی بھی نفی ہو جاتی ہے۔

ایک اور شہادت :۔ محدثین کا یہ کہنا کہ مغرب کی نماز سے مشابہت سے بچنے کے لئے "قعدہ اولیٰ" نہ کیا جائے۔ بالکل ٹھیک ہے۔ چنانچہ حضرت ابن عباسؓ کا بھی یہی ارشاد ہے۔ قال لوتر کصلوۃ المغرب الا انہ لا یقعد الا فی الثالثۃ (التعلیقات ص۲۰۱ السلفیۃ علی النسائی بحوالہ المحلی لابن حزم ص۴۶ ج۳)

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا۔ نماز وتر، نماز مغرب کی طرح ہیں، ہاں آخری رکعت سے پہلے قعدہ (التحیات) نہ کیا جائے۔" غالباً اس کی یہی وجہ ہے کہ ابن عباسؓ سے تین رکعت وتر کی کراہت مذکور ہوئی ہے۔ (لا نحب ثلاثا بترا) (قیام اللیل مروزی ص۱۲۶) بعض اکابر نے اس تشبہ سے بچنے کے لئے یہ کہا ہے کہ وتر سے پہلے دوگانہ ضرور پڑھا جائے، کیوں کہ مغرب کی نماز سے پہلے دوگانہ نہیں ہوتا لیکن یہ صحیحین کی تصریحات کے خلاف ہے کیوں کہ مغرب سے پہلے دوگانہ مسنون ہے۔ صحابہ پڑھا کرتے تھے (بخاری، مسلم)

اس کے علاوہ یہ بھی مفروضہ غلط ہے کہ پہلے دوگانہ ہونا چاہیے کیونکہ ایک دفعہ حضرت عائشہ صدیقہ کو حضور علیہ السلام نے جگایا اور انہوں نے اٹھ کر وتر پڑھے، اگر یہ ضروری ہوتا تو حضورؐ ان کو ضرور فرماتے۔ ویسے بھی تشبہ کے سلسلہ میں کوئی داخلی امر اختیار کرنا چاہئے خارجی سے مطلب حاصل نہیں ہوگا۔

باقی رہا دعا قنوت کا فرق ؛ سو یہ احناف کے نزدیک لازمی ہو تو ہو، دوسروں کے نزدیک ضروری نہیں۔ اس کے علاوہ دعا قنوت، دوسری نمازوں میں پڑھنا ممنوع نہیں ہے بلکہ ہنگامی حالات میں تو یہ پانچوں نمازوں میں مسنون ہے۔ اس لئے اس سے بھی کام نہ چلے گا۔

حضرت امام ابو حنیفہ رحہ کے شیخ الاستاذ : عن عطاء انہ کان یوتر بثلاث رکعات لا یجلس فیھن ولا یتشھد الا فی الاخرھن (قیام اللیل مروزی ص۱۲۳) حضرت تین رکعت وتر پڑھا کرتے تھے اخیر سے پہلے ان کے درمیان نہ قعدہ کیا کرتے تھے اور نہ تشہد پڑھا کرتے تھے۔" حضرت عطاء بن ابی رباح، حضرت ابن عباس، حضرت ابوہریرہ اور حضرت ابوسعید خدری و عائشہ صدیقہ جیسے اکابر صحابہؓ کے شاگرد اور حضرت امام ابو حنیفہؒ کے

اُستاذ ہیں، تشبہ والی روایت کے حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں اور حضرت عطاؒ ان کے شاگرد، حضرت ابوحنیفہؒ ان کے متعلق فرماتے ہیں، مَا لَقِيْتُ أَفْضَلَ مِنْهُ میں اس سے افضل آدمی سے نہیں مِلا (یعنی سب سے افضل ہیں۔ تقریب التہذیب ص۲۳۶) الغرض تین رکعت وتر والی روایت کے راوی حضرت عائشہؓ ابوہریرہؓ اور ابن عباسؓ ہیں اور حضرت عطا ان کے شاگرد اب خود فیصلہ کر لیجئے کہ کیا صحیح ہے ؟

حضرت حماد، حضرت کیسان اور حضرت ایوب کا بھی یہی مذہب ہے (ملاحظہ ہو مروزی ص۱۳۲)

صحابہ اور تابعین کی ایک جماعت نے تشبہ سے بچنے کے لئے دوگانہ پر سلام پھیر کر پھر ایک رکعت پڑھنے کو پسند کیا ہے، امام مروزی فرماتے ہیں، وکرہ غیر واحد من الصحابة والتابعین الوتر بثلاث بلا تسلیم فی الرکعتین کراھة ان یشبھوا التطوع بالفریضة۔ (قیام اللیل مروزی ص۱۳۲)

لیکن صحیح وہی ہے جو حضورؐ کے عمل سے ثابت ہو یعنی ملاکر (بغیر قعدہ اولیٰ کے) بھی جائز اور دوگانہ الگ اور رکعت الگ بھی جائز۔ **خلاصہ** تین رکعت بھی ملاکر پڑھ سکتے ہیں (ابی بن کعب، نسائی) وتر کی نماز، نمازِ مغرب سے مشابہ نہیں ہونی چاہیئے (ابوہریرہ، دارقطنی) محدثین نے لکھا ہے کہ تشبہ والی روایت کے معنی ہیں۔ قعدہ اولیٰ نہ کیا جائے۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں حضورؐ تین رکعت وتر میں قعدہ اول (پہلی التحیات) نہیں کیا کرتے تھے۔ (مستدرک) حضرت عمرؓ اور آپ کی وساطت سے اہلِ مدینہ کا اسی پر عمل تھا (مستدرک) حضرت ابن عباسؓ نے بھی اسی مسلک کو اختیار کیا ہے۔ حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے اُستاذ اور دوسرے اجلہ ائمہ کا یہی مذہب تھا۔ لایقعد، لایجلس، لایسلم، اور لایفصل چاروں ایک ہی مفہوم اور مقصد کے لئے اول بدل کر آئے ہیں۔ از جناب مولانا عزیز زبیدی صاحب (وار برٹن) "تنظیم اہلحدیث جلد ۱۵ ش ۱۴"

لے اسم گرامی عطاء۔ ابو رباح کے صاحبزادے ہیں۔ کنیت ابومحمد ہے۔ جلیل القدر فقیہ اور مکہ کے تابعین میں سے تھے امام اوزاعی کا قول ہے۔ ان کی وفات جس روز ہوئی انہوں نے اس شان سے وفات پائی۔ کہ اُس روز لوگ دنیا کے ہر شخص سے زیادہ ان سے خوش تھے۔ سلمہ بن کہیل نے فرمایا میں نے ایک شخص بھی ایسا نہیں دیکھا جس کے علم کی غرض صرف خدا کی ذات ہو۔ ہاں تین شخص ایسے ضرور تھے۔ عطاءؒ، طاؤسؒ، مجاہدؒ رحمہم اللہ تعالےٰ۔ ۱۱۵ھ میں بعمر ۸۸ سال وفات پائی۔ ابن عباس، ابوہریرہؓ، ابوسعید اور ان کے علاوہ دوسرے بہت سے صحابہ کرام سے حدیث کی سماعت کی۔ اور ان سے ایک جماعت نے روایت کی۔ (سعیدی)

باب القنوت

سوال : نمازِ وتر میں دعائے قنوت ، رکوع سے پہلے پڑھی جائے یا بعد ، اور دعائے قنوت ہاتھ اُٹھا کر پڑھنی چاہیئے یا باندھ کر ؟ آپ کا خادم عبداللہ خان پیناگ مُلک ملایا

جواب : عَنْ حُمَيْدٍ عَنْ أَنَسٍ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰه عليه وَسَلَّمَ يقنت بعد الركعة وابوبكر وعمر حتى كان عثمان قنت قبل الركعة ليدرك الناس وعن العوام بن حمزة سألت اباعثمان النهدي عن القنوت فى الصبح فقال بعد الركوع قلت عمن قال عن ابى بكر وعمر وعثمان وعن ابن سيرين كان ابي يقوم للناس على عهد عمر فاذا كان النصف جهر بالقنوت بعد الركعة وعن ابى عبدالرحمن ان عليا كان يقنت فى الوتر بعد الركوع وعن ابراهيم كنت امسك على الاسود وهو مريض فاذا فرغ من القراة فى الركعة الثالثة من الوتر دعا بعد الركوع ، عن الاسود ان عمر بن الخطاب قنت فى الوتر قبل الركوع وفى رواية بعد القرأة قبل الركوع وعن عبدالله بن شداد صليت خلف عمر وعلى وابى موسى فقنتوا فى صلوٰة الصبح قبل الركوع وعن حميد سألت انسا عن القنوت قبل الركوع وبعد الركوع فقال كنا نفعل قبل وبعد وقنت الاسود فى الوتر قبل الركعة وسئل احمد عن القنوت فى الوتر قبل الركوع ام بعده وهل ترفع الايدى فى الدعاء فى الوتر فقال القنوت بعد الركوع ويرفع يديه وذلك على قياس فعل النبى صلى الله عليه وسلم فى القنوت فى الغداة وبذلك قال ابوايوب . (انتہی ملخصاً قیام اللیل صـ ۱۳۳) انس رضی اللہ تعالےٰ عنہ فرماتے ہیں ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابوبکر رض و عمر رض رکوع کے بعد قنوت پڑھتے یہاں تک کہ عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت ہوئی ، انہوں نے رکوع سے پہلے شروع کر دی تاکہ لوگ رکعت پالیں ۔ اور عوام سے روایت ہے وہ کہتے ہیں میں نے ابوعثمان ہندی سے صبح کی قنوت سے سوال کیا تو فرمایا کہ رکوع کے بعد ہے ۔ میں نے کہا کہ کس سے نقل کی ہے ؟ فرمایا : ابوبکر رض ، عمر رض اور عثمان

سے اور ابن سیرین کہتے ہیں: حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت میں ابی رضہ لوگوں کو تراویح کی نماز پڑھاتے جب نصف رمضان ہو جاتا تو رکوع کے بعد بلند آواز سے قنوت پڑھتے اور ابو عبد الرحمن کہتے ہیں: حضرت علیؓ وتر میں رکوع کے بعد قنوت پڑھتے اور ابراہیم نخعی کہتے ہیں: اسودؒ کے لئے میں قرآن مجید تھامے رکھتا وہ بیمار تھے جب وتر کی تیسری رکعت سے فارغ ہوتے تو رکوع کے بعد قنوت پڑھتے۔

اسودؒ سے روایت ہے کہ عمرؓ وتر میں رکوع سے پہلے قنوت پڑھتے اور ایک روایت میں ہے۔ قرأت کے بعد، رکوع سے پہلے قنوت پڑھتے اور عبد اللہ بن شداد کہتے ہیں، میں نے عمر رضہ علی رضہ اور ابو موسیٰ کے پیچھے نماز پڑھی ہے انہوں نے صبح کی نماز میں قنوت، رکوع سے پہلے پڑھی اور حمید سے روایت ہے کہ میں نے انسؓ سے قنوت کی بابت سوال کیا کہ رکوع سے پہلے ہے یا بعد تو فرمایا کہ ہم پہلے بھی پڑھتے تھے اور پیچھے بھی۔ اور اسودؒ نے رکوع سے پہلے قنوت پڑھی اور امام احمدؒ سے سوال کیا گیا کہ قنوت وتر رکوع سے پہلے ہے یا پیچھے اور قنوت وتر میں ہاتھ اٹھائے جائیں یا نہ؟

آپؒ نے فرمایا کہ قنوت رکوع کے بعد پڑھنی چاہیئے اور قنوت وتر میں ہاتھ اٹھائے جائیں اور یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کے مطابق ہے۔ آپ فجر کی نماز میں اسی طرح کیا کرتے تھے اور ابو ایوب اور ابو خیثمہ اور ابن ابی شیبہؒ کا یہی مذہب ہے۔

فجر کی نماز میں دونوں طرح کی روایتیں ہیں مگر زیادہ تر رکوع کے بعد کی ہیں۔ اس لئے امام احمدؒ نے رکوع کے بعد کو ترجیح دی ہے۔ رہا ہاتھوں کا اٹھانا تو اس کی بابت بھی روایتیں آتی ہیں: قیام اللیل میں ہے: عن الاسود ان عبد اللہ بن مسعودؓ کان یرفع یدیہ فی القنوت الی صدرہ وعن ابی عثمان النھدی کان عمرؓ یقنت بنا فی صلوٰۃ الغداۃ ویرفع یدیہ حتی یخرج ضبعیہ وعن خلاس رأیت ابن عباس یمد ضبعیہ فی قنوت صلوٰۃ الغداۃ الی وکان ابوھریرۃ یرفع یدیہ فی قنوتہ فی شھر رمضان۔ (قیام اللیل ص ۱۳۲)

اسودؒ کہتے ہیں، عبد اللہ بن مسعودؓ قنوت میں سینے تک ہاتھ اٹھاتے اور ابی عثمان نہدی کہتے ہیں۔ حضرت عمر رضہ صبح کی قنوت میں اتنے ہاتھ اٹھاتے کہ بازوں کے اندر کی طرف ظاہر ہو جاتی اور خلاس کہتے ہیں۔ میں نے ابن عباسؓ کو دیکھا انہوں نے صبح کی نماز میں اپنے بازو لمبے کئے اور ابو ہریرہؓ ماہِ رمضان میں اپنی قنوت میں دونوں ہاتھ اٹھاتے۔ جب امام کے ساتھ پڑھنے کا موقع ہو، تو مقتدی صرف آمین کہے، سنت

طریقہ یہی ہے، حدیث میں ہے: عن ابن عباس قال قنت النبی صلی اللہ علیہ وسلم شہرا متتابعا فی الظہر والعصر والمغرب والصبح اذا قال سمع اللہ لمن حمدہ من الرکعۃ الاخرۃ یدعوا علی احیاء من بنی سلیم علی رعل وذکوان وعصیۃ ویؤمن من خلفہ قال عکرمۃ ھذا مفتاح القنوت وقیل للحسن انھم یضجون فی القنوت فقال اخطأوا السنۃ کان عمر یقنت ویؤمن من خلفہ وقال معاذ القاری فی قنوتہ اللھم قحط المطر فقالوا امین فلما فرغ من صلوتہ قال قلت اللھم قحط المطر فقلتم امین الا تسمعون ما اقول ثم تقولون امین۔ (قیام اللیل ص۱۳۷)

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے متواتر نماز ظہر، عصر، مغرب، عشا، فجر میں قنوت پڑھی جب آخری رکعت میں سمع اللہ لمن حمدہ کہتے تو قبائل بنی سلیم پر بددعا کرتے اور پچھلے لوگ آمین کہتے۔

عکرمہ کہتے ہیں، آمین قنوت کی چابی ہے یعنی امام درمیان میں وقفہ کرے جب مقتدی پہلے کلمہ پر آمین کہے تو پھر امام اگلا کلمہ شروع کر دے۔

حسن کو کہا گیا: لوگ قنوت میں شور ڈالتے ہیں یعنی سارے دعا پڑھتے ہیں۔ فرمایا: یہ سنت کے خلاف ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ قنوت پڑھتے اور مقتدی آمین کہتے۔ اور معاذ قاری نے دعاء قنوت میں کہا: یا اللہ بارش بند ہوگئی" لوگوں نے اس پر آمین کہی۔ جب معاذ نماز سے فارغ ہوئے تو کہا میرے اس لفظ پر کہ "اے اللہ! بارش بند ہوگئی" تم نے آمین کیوں کہی؟ کیا تم سنتے نہیں کہ میں کیا کہتا ہوں؟

(پھر فرمایا) "آمین تو" ایک دعائیہ کلمہ ہے میرا یہ کلمہ کہ بارش بند ہوگئی۔ یہ تو صرف خدا کے سامنے مصیبت کا اظہار ہے۔ کلمہ دعائیہ کا محل اس کے بعد تھا۔ مثلاً اظہار مصیبت کے بعد یہ کہا جاتا کہ یا اللہ! اس مصیبت کو دور کر۔ یہ کلمہ دعائیہ ہے۔ تم اس پر آمین کہتے۔ تم ویسے ہی آمین کہہ دیتے ہو۔

اس عبارت سے دو باتیں معلوم ہوئیں ایک یہ کہ مقتدی آمین کہیں۔ دوسری یہ کہ کلمہ دعائیہ پر آمین کہیں بے محل آمین نہ کہیں جیسے کہ آج کل رواج ہے۔ ویسے ہی بے سمجھے ہر کلمہ پر آمین کہے جاتے ہیں۔ یہ خیال نہیں کرتے کہ امام کیا کہہ رہا ہے اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ضروری اور ہمیشہ کی دعا کا ترجمہ ضرور سیکھنا چاہیے تاکہ پتہ لگے کہ امام کیا کہہ رہا ہے؟

عوام اس معاملہ میں بہت کوتاہی کرتے ہیں بلکہ سرے سے ساری نماز ہی بے سمجھی میں پڑھتے ہیں۔ کیوں کہ ترجمہ نہ جاننے کی وجہ سے انہیں کچھ معلوم تو نہیں ہوتا کہ ہماری زبان سے کیا نکل رہا ہے۔

حدیث میں آیا ہے اللہ تعالیٰ غافل دل کی سنتا ہی نہیں (مشکوٰۃ کتاب الدعوات فصل ثانی) تو بھلا ایسی بے سمجھی کی نماز خدا کے ہاں کیا قبول ہوگی؟ نیز اس سے معلوم ہوا کہ امام کے دور ہونے کی وجہ سے یا کسی اور وجہ سے مقتدی امام کی آواز نہ سن سکے یا سمجھ میں کچھ نہ آئے تو آمین کہنے کی بجائے اپنے طور پر دعا مانگے۔ قال ابو داؤد سمعت احمد سئل عن القنوت فقال الذی یعجبنا یقنت الامام ویؤمن من خلفه قال دکنت اکون خلفه فکنت فی القنوت فلم اسمع منه شیئًا قلت لاحمد اذا لم اسمع قنوت الامام ادعوا قال نعم، امام ابوداؤد کہتے ہیں۔ امام احمدؒ سے قنوت کی بابت سوال ہوا، فرمایا جو شے ہمیں پسند ہے وہ یہ ہے کہ امام قنوت پڑھے اور مقتدی آمین کہیں۔ امام ابوداؤد کہتے ہیں: میں کبھی امام کے پیچھے ہوتا ہوں اور اس کی آواز کے لئے کان لگاتا ہوں لیکن سنائی کچھ نہیں دیتا، تو میں نے امام احمدؒ سے کہا، جب میں امام کی قنوت نہ سنوں تو اپنی دعا پڑھوں....؟ فرمایا: "ہاں"!

از حضرت العلام حافظ محمد عبد اللہ صاحب محدث روپڑیؒ تنظیم اہلحدیث جلد ۱۵ ش

سوال: کیا وتر اور نازلہ کے وقت قنوت ہاتھ اٹھا کر پڑھنی چاہیئے یا باندھ کے، وتر میں قنوت رکوع سے پہلے پڑھی جائے یا بعد رکوع، ہاتھ اٹھا کر یا چھوڑ کر، جو لوگ وتر میں رکوع سے پہلے قنوت پڑھتے ہیں وہ قنوت کے وقت ہاتھ اٹھا کر پھر باندھ لیتے ہیں یہ طریقہ صحیح ہے اور وتر میں قنوت کے لئے ہاتھ اٹھانے کی کوئی حدیث ہے اور صحیح بھی ہے؟

جواب: صحیح حدیث سے صراحتہً ہاتھ اٹھا کر یا باندھ کر قنوت پڑھنے کا ثبوت نہیں ملتا ہے۔ دعا ہونے کی حیثیت سے ہاتھ اٹھا کر پڑھنا اولیٰ ہے رکوع کے بعد قنوت پڑھنا مستحب ہے بخاری شریف میں رکوع کے بعد ہے۔ اگر پہلے پڑھ لے تب بھی جائز ہے کیوں کہ بعض روایات میں قبل الرکوع بھی آیا ہے ہاتھ اٹھا کر باندھ لینے کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔

اخبار اہلحدیث دہلی جلد ۲ ش ۴

سوال: قنوتِ نازلہ کیا ہے؟ وہ کن حالات میں اور کیسے پڑھنی چاہیے؟ کتاب و سنت کی روشنی میں وضاحت فرمائی جائے؟

جواب: نازلہ مصیبت کو کہتے ہیں اور قنوت دعا کو، اس لئے قنوت نازلہ کا معنی ہے۔ مصائب میں گھر جانے اور حوادثِ روزگار میں پھنس جانے کے وقت نماز میں اللہ تعالیٰ سے بہ زاری و الحاح ان کے ازالہ

دفیعہ کی التجا کرنا اور بعجز و انکساری ان سے نجات پانے کے لئے دعائیں مانگنا۔

پھر مصیبتیں کئی قسم کی ہوتی ہیں۔ مثلاً دنیا کے کسی حصہ میں اہل اسلام کے ساتھ کفار کی جنگ چھڑنا ان کے ظلم وستم کا تختہ مشق بن جانا، قحط اور خشک سالی میں مبتلا ہونا، وباؤں اور زلزلوں اور طوفان کی زد میں آجانا وغیرہ۔ ان سب حالتوں میں قنوت نازلہ پڑھنی مسنون ہے اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ کرام اور سلف امت کا معمول، اس کا مقصد فقط یہی ہے کہ مسلمان اپنے گناہوں کا اقرار کرتے ہوئے انتہائی خشوع وخضوع کے ساتھ خدا سے معافی مانگیں اور دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ اہل اسلام پر رحم وکرم فرمائے اور ان کو ان مصائب اور تکالیف سے نجات دے۔

قنوت نازلہ کا طریقہ: اس کا طریقہ یہ ہے کہ فرض نماز کی آخری رکعت میں رکوع کے بعد امام سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ وَرَبَّنَا لَکَ الْحَمْدُ الخ سے فارغ ہو کر بلند آواز سے دعاء قنوت پڑھے اس کے ہر جملہ پر سکوت کرے اور مقتدی پیچھے پیچھے بآواز بلند آمین کہتے رہیں۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے یہی طریقہ ثابت ہے۔ تفصیل آرہی ہے۔

کس نماز میں قنوت نازلہ پڑھی جائے: مصیبت اور رنج والم کی شدت اور ضعف کے پیش نظر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی بعض نمازوں میں قنوت فرمائی ہے اور کبھی پانچوں نمازوں میں۔ چنانچہ صحیح مسلم صہ ۲۳۷ میں ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ بخدا! میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز (عملاً پڑھا کر) تمہارے ذہنوں کے قریب کرنا چاہتا ہوں۔ راوی کا بیان ہے کہ اس کے بعد حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، نماز ظہر، عشاء اور فجر میں قنوت نازلہ پڑھتے تھے یَدْعُوْ لِلْمُؤْمِنِیْنَ وَیَلْعَنُ الْکُفَّارَ جس میں اہل ایمان کے حق میں رحم وکرم کی دعا مانگتے اور کفار پر لعنت بھیجتے تھے۔ صحیح مسلم کے اسی صفحہ پر حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم صبح اور مغرب کی نماز میں قنوت پڑھا کرتا تھے۔ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جب بنو سلیم کے چند قبائل رعل، ذکوان اور عصیہ نے ستر قاری صحابہ کو قتل کر دیا تو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مہینہ بھر یہ معمول رہا کہ آپ لگاتار ظہر، مغرب، عشاء اور فجر پانچوں نمازوں میں ہر نماز کی آخری رکعت میں سمع اللہ لمن حمدہ الخ کے بعد ان کے حق میں بددعا کرتے، ان پر لعنت بھیجتے اور صحابہ کرام آپ کے پیچھے آمین آمین کہتے تھے۔ (سنن ابوداؤد صہ ۲۰۵)

صحیح مسلم کی ایک روایت میں آیا ہے کہ بعض اسیران بلا کی نجات کے لئے آپ نے صرف عشاء

کی نماز میں قنوت پڑھنے کا معمول بنایا۔ جب احادیث مذکورہ بالا سے واضح ہو گیا کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی ایک نماز میں کبھی دو تین اور کبھی پانچوں نمازوں میں قنوت فرمائی ہے تو ہمیں بھی واقعات اور حالات کے تقاضے کے مطابق ایسا ہی کرنا چاہیئے اور یہ سلسلہ اس وقت تک جاری رکھنا چاہیئے جب تک دشمنوں کی مکمل طور پر سرکوبی نہیں ہو جاتی اور مسلمانوں کے مصائب و آلام میں تخفیف نہیں ہوتی۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا کہ آپ برابر ایک مہینہ تک نماز عشاء کی آخری رکعت میں رکوع کے بعد اور سجدہ کرنے سے پہلے ولید بن ولید، سلمہ بن ہشام، عیاش بن ابی ربیعہ اور دیگر ستم رسیدہ کمزور مسلمانوں کے حق میں نجات کی دعا مانگتے اور کفار کے لیے سخت نقمت کی، جو یوسف علیہ السلام کے زمانہ کی سی قحط سالی کی صورت میں ہوا التجا کرتے، ایک دن آپ نے عشاء کی نماز پڑھائی اور قنوت نہ کی۔ میں نے اس کا سبب پوچھا تو آپ نے فرمایا: وَمَا تَرَاهُمْ قَدْ قَدِمُوا۔ تم نے دیکھا نہیں کہ اللہ تعالےٰ نے ہماری دعا کو شرف قبولیت بخشا ہے اور وہ سب نجات پا کر مدینہ میں آ گئے ہیں۔ (صحیح مسلم ص۲۳۷ ج ۱۔ سنن ابوداؤد ص۲۰۵)

موجودہ وقت میں چونکہ ہم اپنے سے کئی گنا زیادہ طاقتور اور سفاک و خونخوار دشمن ہندوستان سے برسرپیکار ہیں۔ نیز ہمارے کشمیری مسلمان بھائی بھی متواتر اٹھارہ سال تک اس کے جور و جفا کی چکی میں پسنے کے بعد میدان کارزار میں نکل آئے ہیں۔ اس لیے جہاں ہم دشمن کی سرکوبی کے لیے جہاد بالسیف جیسی دوسری تدابیر اختیار کر رہے ہیں وہاں ہمیں قنوت نازلہ جیسے مجرب اور بے آواز ہتھیار سے بھی کام لینا چاہیئے یاد رکھیں یہ وہ ہتھیار ہے جس کا وار کبھی خطا نہیں گیا۔ بارہا ہم نے اس کا تجربہ اور مشاہدہ کیا ہے۔ بس ضرورت یقین اور جذبہ صادق کی ہے۔

کیا قنوتِ نازلہ کے لئے کوئی مخصوص دُعا ہے؟

قنوت نازلہ سے مقصود یہ ہے کہ مظلوم و مقہور مسلمانوں کی نصرت و کامیابی اور خونخوار و سفاک دشمن کی تباہی و بربادی کے لئے دُعا کی جائے۔ اس لیے جو دُعا اس مقصد کو پورا کرے وہ قنوتِ نازلہ میں پڑھی جا سکتی ہے۔ اس کے لئے کوئی مخصوص دُعا اس طرح متعین نہیں کہ اس کے بغیر قنوت ہو ہی نہ سکے۔ ہاں بعض لوگ کہتے ہیں کہ جب تک مشہور دُعا اَللّٰھم اھدنی فیمن ھدیت الخ (جو جماعت کی صورت میں جمع کے الفاظ سے بدل کر اور اَللّٰھم اھدنا فیمن ھدیت کہہ کر پڑھی جاتی ہے) نہ پڑھی جائے قنوت حاصل نہیں ہوتی۔ لیکن صحیح بات یہ ہے کہ مذکورہ الفاظ کے ساتھ قنوت کرنا مستحب ہے۔ شرط نہیں۔ یہ پوری تفصیل امام نوویؒ نے شرح مسلم میں یوں

بیان فرمائی ہے: والصحیح انه لا یتعین فیه دعاء مخصوص بل یحصل بکل دعاء فیه وجه انه لا یحصل الا بالدعاء المشہور اللھم اھدنی فی الی آخره والصحیح ان ھذا مستحب لا شرط (ص ۲۳)
لیکن انسب اور اولیٰ یہ ہے کہ یہ دعا بھی پڑھی جائے اس کے بعد وہ دعائیں پڑھی جائیں جو اس مضمون کی قرآن حکیم میں بیان ہوئی ہیں اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ پہلی امتوں کے مسلمانوں نے اپنی نصرت اور دشمن کی ہلاکت کے لئے ہم سے یوں دعا کی اور ہم نے اسے شرف پذیرائی بخشا۔ اس کے بعد وہ دعائیں پڑھی جائیں جو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ کرام اور سلف امت کا معمول تھیں چنانچہ یہ دعائیں مع ترجمہ ذیل میں درج کی جاتی ہیں یہ سب یا ان میں سے بعض پڑھ لی جائیں تو قنوت نازلہ کا مقصد حاصل ہو جاتا ہے۔

قنوتِ نازلہ کی قرآنی دعائیں

- رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْلَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ۔ اے ہمارے رب ہم نے اپنی جانوں پر بہت ظلم کئے۔ اب اگر ہمیں تو یہ نہ بخشے گا اور ہم پر رحم نہ فرمائے گا تو یقیناً ہم گھاٹے میں رہیں گے
- رَبَّنَا اٰتِنَا فِی الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِی الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ۔ اے ہمارے رب ہمیں دنیا میں بھلائی دے اور آخرت میں بھی بھلائی عطا فرما اور ہمیں آگ کے عذاب سے محفوظ رکھ۔
- رَبَّنَا اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ۔ اے ہمارے رب! ہمارے دلوں میں صبر ڈال، دشمن کے مقابلہ میں ہمارے قدم جما دے اور ہمیں کفار پر فتح و نصرت عطا فرما۔
- رَبَّنَا اغْفِرْلَنَا ذُنُوْبَنَا وَاِسْرَافَنَا فِیْ اَمْرِنَا وَثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ۔ اے ہمارے رب! ہمارے گناہ اور معاملات میں ہماری زیادتیاں بخش دے۔ دشمن کے مقابلہ میں ہمارے قدم جما دے اور کفار پر ہمیں فتح و نصرت عطا فرما۔
- رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ وَنَجِّنَا بِرَحْمَتِكَ مِنَ الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ۔ اے ہمارے رب ہمیں ظالموں کے لئے فتنہ نہ بنا اور اپنی رحمتِ خاص کے ساتھ ہمیں کافروں کے ظلم سے نجات دے۔
- رَبَّنَا عَلَيْكَ تَوَكَّلْنَا وَاِلَيْكَ اَنَبْنَا وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَاغْفِرْلَنَا اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ۔ اے ہمارے رب! ہم نے تجھ پر ہی بھروسہ کیا اور سب طاقتوں سے منہ موڑ کر تیری طرف ہی لوٹے اور تیری طرف ہی پھرنا ہے۔ اے ہمارے رب! ہمیں کافروں کے ہاتھوں فتنہ میں مبتلا نہ کر اور ہمیں بخش دے۔ اے ہمارے رب! تو ہی غالب آنے والا حکمت والا ہے۔

شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ حجۃ اللہ میں فرماتے ہیں کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم دشمن کی ہلاکت کے لیے یہ دعا مانگا کرتے تھے۔ اَللّٰھُمَّ مُنْزِلَ الْکِتَابِ سَرِیْعَ الْحِسَابِ اَللّٰھُمَّ اھْزِمِ الْاَحْزَابَ اَللّٰھُمَّ اھْزِمْھُمْ وَزَلْزِلْھُمْ۔ اَللّٰھُمَّ اِنَّا نَجْعَلُکَ فِیْ نُحُوْرِھِمْ وَنَعُوْذُبِکَ مِنْ شُرُوْرِھِمْ۔ اے اللہ! کتاب کو اتارنے والے، جلد حساب لینے والے، دشمن کی فوجوں کو شکست فاش دے الٰہی ان کو شکست دے اور میدان جنگ میں اُن کے قدم اکھاڑ دے۔ الٰہی! ہم تجھے ہی ان کے مقابلہ میں کرتے ہیں اور ان کی شرارتوں سے تیری پناہ چاہتے ہیں۔

یہ دُعا بھی پڑھ سکتے ہیں: اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِلْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ وَالْمُسْلِمِیْنَ وَالْمُسْلِمَاتِ وَاَلِّفْ بَیْنَ قُلُوْبِھِمْ وَاَصْلِحْ ذَاتَ بَیْنِھِمْ وَانْصُرْھُمْ عَلٰی عَدُوِّکَ وَعَدُوِّھِمْ۔ اَللّٰھُمَّ الْعَنِ الْکَفَرَۃَ الَّذِیْنَ یَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِیْلِکَ وَیُکَذِّبُوْنَ رُسُلَکَ وَیُقَاتِلُوْنَ اَوْلِیَآءَکَ اَللّٰھُمَّ خَالِفْ بَیْنَ کَلِمَتِھِمْ وَزَلْزِلْ اَقْدَامَھُمْ وَاَنْزِلْ بِھِمْ بَاْسَکَ الَّذِیْ لَا تَرُدُّہٗ عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِیْنَ۔ اے اللہ! سب ایمان والے مسلمان مردوں اور ایمان والی مسلمان عورتوں کو بخش دے اور ان کے دلوں میں اُلفت و محبت ڈال دے اور ان کے آپس کے معاملات درست فرما دے اور ان کے اور اپنے دشمنوں کے مقابلہ میں ان کی مدد فرما۔ اے اللہ! اُن کافروں پر لعنت فرما جو تیری راہ سے لوگوں کو روکتے ہیں اور تیرے رسولوں کو جھٹلاتے ہیں اور تیرے نیک بندوں سے جنگ کرتے ہیں۔ اے اللہ! ان کے منصوبوں میں تو اختلاف ڈال دے اور ان کے قدم ڈگمگا دے۔ اور ان پر اپنا وہ عذاب نازل کر جس کو تو مجرم قوم سے کبھی نہیں ہٹاتا۔

• رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ اِنْ نَّسِیْنَآ اَوْ اَخْطَاْنَا رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَیْنَآ اِصْرًا کَمَا حَمَلْتَہٗ عَلَی الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِنَا رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَۃَ لَنَا بِہٖ وَاعْفُ عَنَّا وَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا اَنْتَ مَوْلٰنَا فَانْصُرْنَا عَلَی الْقَوْمِ الْکٰفِرِیْنَ (قرآن حکیم) اے ہمارے رب! اگر ہم بھول جائیں یا غلطی کا ارتکاب کر بیٹھیں تو ہم سے مواخذہ نہ فرما۔ اے ہمارے پروردگار! اور ہم پر کوئی ایسا شدید بوجھ نہ ڈال جیسا ہم سے پہلے لوگوں پر ڈالا۔ اے ہمارے رب! اور ہم سے وہ چیز نہ اٹھوا جس کے اٹھانے کی ہمیں طاقت نہیں ہے۔ ہمیں معاف کر، ہمیں بخش دے اور ہم پر رحم و کرم کی نظر ڈال، صرف تو ہی ہمارا مددگار ہے۔ لہٰذا کفار پر ہمیں فتح و نصرت عطا فرما۔

• رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْ ھٰذِہِ الْقَرْیَۃِ الظَّالِمِ اَھْلُھَا وَاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْکَ وَلِیًّا وَّاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْکَ نَصِیْرًا۔ (قرآن حکیم) اے ہمارے رب! اس ملک (ہندوستان) کے ظالموں کے ظلم سے ہمیں نجات دے اور اپنی طرف سے ہمارا کوئی حامی کھڑا کر دے اور اپنی طرف سے ہی ہمارا کوئی مددگار بنا دے۔

• اَللّٰهُمَّ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ عَالِمَ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ اَنْتَ تَحْكُمُ بَيْنَ عِبَادِكَ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ رَبَّنَا افْتَحْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ وَاَنْتَ خَيْرُ الْفَاتِحِيْنَ (قرآن حکیم) اے اللہ! آسمان و زمین کے پیدا کرنے والے، چھپی اور ظاہر چیزوں کے جاننے والے! تو ہی اپنے بندوں کے درمیان ان کے اختلاف اور باہمی جھگڑوں میں فیصلہ کرتا ہے۔ (اس لئے) اے ہمارے رب! تو ہمارے درمیان اور ہمارے اہل ملک (ہنود) کے درمیان حق و انصاف کے ساتھ فیصلہ کر دے اور تو ہی سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کردہ دعائیں

۱۔ اَللّٰهُمَّ اهْدِنَا فِيْمَنْ هَدَيْتَ وَعَافِنَا فِيْمَنْ عَافَيْتَ وَتَوَلَّنَا فِيْمَنْ تَوَلَّيْتَ وَبَارِكْ لَنَا فِيْمَا اَعْطَيْتَ وَقِنَا شَرَّ مَا قَضَيْتَ فَاِنَّكَ تَقْضِيْ وَلَا يُقْضٰى عَلَيْكَ اِنَّهٗ لَا يَذِلُّ مَنْ وَّالَيْتَ وَلَا يَعِزُّ مَنْ عَادَيْتَ تَبَارَكْتَ رَبَّنَا وَتَعَالَيْتَ نَسْتَغْفِرُكَ وَنَتُوْبُ اِلَيْكَ وَصَلَّى اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ (کتب حدیث)
اے اللہ! جن لوگوں کو تو نے ہدایت دی ہے ان کے ساتھ ہمیں بھی ہدایت دے اور جن کو تو نے صحت بخشی ہے ان کے ساتھ ہمیں بھی صحت بخش اور جن کو تو نے دوست بنایا ہے ان کے ساتھ ہمیں بھی اپنا دوست بنا اور جو انعامات تو نے ہمیں عطا کئے ہیں ان میں برکت دے اور جو فیصلہ تو نے کیا ہے اس کے شر سے ہمیں محفوظ رکھ کیونکہ تو ہی فیصلہ کرتا ہے اور تیرے خلاف فیصلہ نہیں کیا جا سکتا۔ یقیناً وہ ذلیل نہیں ہو سکتا جس کو تو دوست بنائے اور وہ عزت نہیں پا سکتا جس کو تو دشمن رکھے۔ اے ہمارے رب! تو برکت والا اور عالی قدر ہے۔ ہم تجھ سے اپنے گناہوں کی معافی مانگتے ہیں اور تیری طرف ہی رجوع کرتے ہیں۔

۲۔ اَللّٰهُمَّ زِدْنَا وَلَا تَنْقُصْنَا وَاَكْرِمْنَا وَلَا تُهِنَّا وَاَعْطِنَا وَلَا تَحْرِمْنَا وَاٰثِرْنَا وَلَا تُؤْثِرْ عَلَيْنَا وَاَرْضِنَا عَنْكَ وَارْضَ عَنَّا۔ (مشکوۃ) اے اللہ! ہمیں بڑھا اور کم نہ کر، ہمیں عزت دے اور ذلیل نہ کر (اپنے انعامات اور فتح و نصرت) ہمیں عطا فرما اور محروم نہ رکھ، ہمیں ترجیح دے اور ہم پر کسی کو ترجیح نہ دے، ہم کو اپنے سے راضی کر دے اور تو بھی ہم سے راضی ہو جا۔

۳۔ اَللّٰهُمَّ نَجِّ الْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ (مِنْ اَهْلِ الْكَشْمِيْرِ) وَاشْدُدْ وَطْاَتَكَ (عَلٰى مَنْ ظَلَمَهُمْ مِنْ مُشْرِكِي الْهِنْدِ) وَاجْعَلْهَا عَلَيْهِمْ سِنِيْنَ كَسِنِيْ يُوْسُفَ (بخاری شریف ابوداؤد)
اہل کشمیر کے کمزور ایمانداروں کو نجات دے ان پر ظلم ڈھانے والے مشرکین ہند کو بری طرح روند ڈال اور سختی

کے ساتھ کچل دے اور ان پر یوسف علیہ السلام کے زمانہ کی سی قحط سالی مسلط کر۔

یہ دعا آپ مہینہ بھر عشاء کی نماز میں بطور قنوت نازلہ پڑھتے رہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ کمزور مسلمانوں کو کفار مکہ کے ظلم و استبداد سے نجات بخشی اور وہ بخیر و عافیت مدینہ منورہ پہنچ گئے۔ بتقاضائے حال بحیث میں اضافہ کر دیا گیا ہے۔

۲۔ اَللّٰهُمَّ اقْسِمْ لَنَا مِنْ خَشْيَتِكَ مَا تَحُولُ بِهِ بَيْنَنَا وَبَيْنَ مَعَاصِيكَ وَمِنْ طَاعَتِكَ مَا تُبَلِّغُنَا بِهِ جَنَّتَكَ وَمِنَ الْيَقِينِ مَا تُهَوِّنُ بِهِ عَلَيْنَا مَصَائِبَ الدُّنْيَا وَمَتِّعْنَا بِأَسْمَاعِنَا وَأَبْصَارِنَا وَقُوَّتِنَا مَا أَحْيَيْتَنَا وَاجْعَلْهُ الْوَارِثَ مِنَّا وَاجْعَلْ ثَارَنَا عَلَى مَنْ ظَلَمَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى مَنْ عَادَانَا وَلَا تَجْعَلْ مُصِيبَتَنَا فِي دِينِنَا وَلَا تَجْعَلِ الدُّنْيَا أَكْبَرَ هَمِّنَا وَلَا مَبْلَغَ عِلْمِنَا وَلَا تُسَلِّطْ عَلَيْنَا مَنْ لَا يَرْحَمُنَا

(مشکوٰۃ شریف[۲۱۹]) اے اللہ! اپنا ڈر ہمیں اس قدر دے جس کے ذریعے تو ہمارے اور اپنی نافرمانیوں کے درمیان حائل ہو جائے اور اپنی فرمانبرداری کی اتنی توفیق عطا فرما جس کے ساتھ تو ہمیں جنت میں پہنچا دے اور اتنے یقین سے نواز جس کے باعث تو ہم پر دنیا کی مصیبتیں آسان کر دے اور جب تک ہمیں زندہ رکھے ہمیں اپنے کانوں، آنکھوں اور دوسری قوتوں سے متمتع ہونے کا موقع دے۔ اور ان قوتوں کو آخر دم تک قائم رکھ کر ہمارا وارث بنا۔ جن لوگوں نے ہم پر مظالم توڑے ہیں ان سے ہمارا انتقام لے اور جنہوں نے ہم سے دشمنی کی ہے ان کے خلاف ہماری مدد فرما۔ ہمارے دین کی وجہ سے ہم پر مصیبت نہ ڈال اور دنیا کو ہمارا بڑا مقصد اور منتہائے علم نہ بنا اور بے رحم اور ظالموں کو ہم پر مسلط نہ کر۔

میدان جنگ میں پڑھنے کی دعا

غزوہ خندق میں جب عرب کے تمام قبائل اور خیبر کے یہودیوں نے مل کر مدینہ منورہ پر حملہ کیا تو سراسیمہ اور دہشت زدہ صحابہ نے عرض کی، یا رسول اللہ! کوئی دعا ہے جو ہم اس موقع پر پڑھیں، مارے خوف کے ہمارے کلیجے منہ کو آ گئے ہیں، آپ نے فرمایا: ہاں یوں کہو، اَللّٰهُمَّ اسْتُرْ عَوْرَاتِنَا وَآمِنْ رَوْعَاتِنَا: الٰہی! ہمارے عیوب پر پردہ ڈال دے (ہمارے دفاع کے کمزور پہلو دشمن کی نگاہ سے اوجھل رکھ) اور ہماری گھبراہٹیں امن سے بدل دے۔

صحابی کا بیان ہے، ہم نے یہ دعا پڑھی اللہ تعالیٰ نے ہماری غیبی امداد فرمائی اور اتنے زور

آندھی چلائی کہ دشمن بے بس ہو کر پسپا ہونے پر مجبور ہوگیا۔ (رواہ احمد، مشکوٰۃ شریف ص۲۱۶)

اس حدیث کی تائید قرآن حکیم سے بھی ہوتی ہے: فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيحًا وَّجُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا
چنانچہ ہم نے کفار کی فوجوں پر آندھی اور ایسے غیبی لشکر بھیجے جو تمہیں نظر نہیں آتے تھے۔

یہ دُعا قنوتِ نازلہ میں بھی پڑھی جاسکتی ہے۔ اس کے علاوہ بہتر یہ ہے کہ ہر مجاہد بلکہ ہر مسلمان اس مختصر ذکر سے ہر وقت اپنی زبان تر رکھے۔ چلتے پھرتے، سوتے جاگتے ہر حالت میں پڑھتا رہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ خندق[1] میں کفار کے حق میں یہ دُعا بھی فرمائی: مَلَاَءَ اللّٰهُ بُيُوْتَهُمْ وَقُبُوْرَهُمْ نَارًا: اللہ تعالےٰ ان کے گھروں اور ان کی قبروں کو آگ سے بھر دے۔ (بخاری شریف)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب دشمن سے جنگ کرنے کے لئے نکلتے تو اللہ تعالےٰ سے یوں فریاد کرتے: اَللّٰهُمَّ اَنْتَ عَضُدِیْ وَنَصِيْرِیْ بِكَ اَحُوْلُ وَبِكَ اَصُوْلُ وَبِكَ اُقَاتِلُ۔ (رواہ الترمذی و ابوداؤد، مشکوٰۃ شریف ص۲۱۶) الٰہی! تو ہی میرا قوتِ بازو اور مددگار ہے۔ تیری اعانت سے میں دشمن کی عیاری و مکاری دفع کرتا ہوں۔ تیرے بھروسہ پر میں حملہ کرتا ہوں اور تیری ہی مدد سے میں لڑتا ہوں۔ مولانا محمد اسحاق صاحب لاہور توحید لاہور جلد ۱ ش ۹

---

[1] غزوہ خندق شوال یا ذیقعدہ ۵ھ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوسفیان اموی وغیرہ کے درمیان مدینہ منورہ کے قریب کوہ سلع کے قریب ہوئی۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے مشورہ سے سلع کے قریب خندق کھودی گئی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے شیدائیوں کی تعداد تین ہزار کے قریب تھی۔ جبکہ دشمنوں کی تعداد دس ہزار کے لگ بھگ تھی۔ وجہ یہ ہوئی کہ جب بنی نضیر جلا وطن کئے گئے حیی بن اخطب بنی نضیر میں بڑا مفسد تھا۔ یہ خیبر میں جارہا تھا۔ چند مفسدوں کو لے کر مکہ پہنچا اور قریش کو آپ کی لڑائی کے واسطے آمادہ کیا۔ اور تدبیر اور آدمیوں سے مدد دینے کا وعدہ کیا۔ مختلف قبائل مل کر دس ہزار ہوگئے۔ اور مدینہ منورہ کو چلے آئے۔ تقریباً ایک ماہ تک دشمنانِ اسلام نے محاصرہ رکھا۔ پھر چپکے سے واپس چلے گئے۔

اس جنگ میں چھ مسلمانوں نے جام شہادت نوش فرمایا۔ دس کفار کو نارِ جہنم کی طرف روانہ کیا۔

سورہ احزاب کے اندر اسی غزوہ خندق کا ذکر ہے۔ اور اسی غزوہ کے متصل ہی غزوہ بنی قریظہ ہوا۔

مفصل حالات معلوم کرنے کے لیے "رحمۃ للعالمین" مصنفہ قاضی محمد سلیمان سلمان کا مطالعہ فرمادیں۔ (سعیدی)

باب الدعاء بعد الصلوٰۃ

سوال: بعد نماز فرض یا سنت ہاتھ اٹھا کر دُعا کر سکتے ہیں یا نہیں؟

جواب: نماز فرض وسنت کے بعد ہاتھ اٹھا کر دُعا کر سکتے ہیں، اس کے جواب پر قولی وفعلی اور اثری بہت سی دلیلیں ہیں جن کو بطور نمونہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔ اور عدم جواز پر کوئی دلیل نہیں۔

عن انس عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ قال ما من عبد بسط کفیہ فی دبر کل صلوٰۃ ثم یقول اللھم الٰھی والٰہ جبرئیل ومیکائیل واسرافیل اسئلك ان تستجیب دعوتی فانی مضطر وتعصمنی فی دینی فانی مبتلی وتنالنی برحمتك فانی مذنب وتنفی عنی الفقر فانی متمسکن الا کان حقا علی اللہ عزوجل ان لا یرد یدیہ خائبتین رواہ الحافظ ابوبکر بن السنی عن الاسود والعامری عن ابیہ قال صلیت مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم الفجر فلما سلم انحرف ورفع یدیہ ودعا الخ

ترمذی، ابوداؤد اور بیہقی میں مالک بن یسار سے روایت ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اذا سألتم اللہ فاسئلوہ ببطون اکفکم ولا تسئلوہ بظھورھا (ابوداؤد) عن عمر قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا رفع یدیہ فی الدعاء لم یحطھما حتی یمسح بھما وجھہ۔ عن سلمان قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان ربکم حی کریم یستحی من عبدہ اذا رفع یدیہ الیہ ان یردھما صفراً (ترمذی ابوداؤد وبیہقی) واللہ اعلم اخبار اہلحدیث (دہلی) جلد ۱۳ ش ۲۳

سوال: بعد نماز فرائض وسنت ہاتھ اٹھا کر دعا کر سکتے ہیں یا نہیں؟

جواب: نماز فرض وسنت کے بعد ہاتھ اٹھا کر دُعا کر سکتے ہیں۔ اس کے جواب پر قولی فعلی اثری بہت سی دلیلیں ہیں۔ جن کو نموناً ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔ عدم جواز پر کوئی دلیل نہیں۔

عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم اِنّه قَالَ مَا مِنْ عبد بسط کفیه فی دبر کل صلوٰۃ ثم یقول اللّٰھم الٰھی واله جبرئیل ومیکائیل واسرافیل اسئلك ان تستجیب دعوتی فانی مضطر وتعصمنی فی دینی فانی مبتلی وتنالنی برحمتك فانی مذنب وتنفی عنی الفقر فانی متمسکن الا کان حقا علی اللہ عزوجل ان لا یرد یدیه خائبتین۔

رواہ الحافظ ابوبکر بن السنی عن الاسود العامری عن ابیه قال صلیت مع النبی صلی اللہ علیه وسلم الفجر فلما سلم انحرف ورفع یدیه ودعا الخ اور حافظ جلال الدین سیوطیؒ نے اپنی کتاب فض الوعاء فی احادیث رفع الیدین فی الدعاء میں روایت کیا ہے، عن محمد بن یحیی الاسلمی قال رایت عبد اللہ ابن الزبیر ورأی رجلا رافعا یدیه قبل ان یفرغ من صلوته فلما فرغ منها قال ان رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم لم یکن یرفع یدیه حتی یفرغ من صلوٰته رجاله ثقات۔ عن مالك بن یسار قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم اذا سألتم اللہ فاسئلوه ببطون اکفکم ولا تسئلوه بظهورها۔ ابوداؤد عن عمرؓ قَالَ کان رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم اذا رفع یدیه فی الدعاء لم یحطهما حتی یمسح بهما وجهه۔ عن سلمان قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم ان ربکم حییّ کریم یستحیی من عبده اذا رفع یدیه الیه ان یردهما صفراً (ترمذی ابوداؤد بیہقی)

علاوہ اس کے دعا میں ہاتھ اٹھانا پہلے نبیوں کی شریعت سے ثابت ہے چنانچہ بخاری ص۴۷۵ میں ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام جب مکہ میں حضرت ہاجرہ کو چھوڑ کر چلے تو جب کہ ثنیہ کے پاس پہنچے تو قبلہ رو ہو کر ہاتھ اٹھا کر دعا کی۔

امام نووی صاحب عبد اللہ بن عمرو بن العاص کی حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں ھذا الحدیث مشتمل علی کثیر من الفوائد ومنھا استحباب رفع الیدین فی الدعاء انتھی

ادب المفرد میں ہے ص۸۹ عن عکرمة عن عائشة انه سمع منها انها رأت النبی صلی اللہ علیه وسلم یدعوا رافعا یدیه یقول اللّٰھم انا بشر فلا تعاقبنی ایما رجل من المؤمنین اذیته او شتمته ولا تعاقبنی فیه۔

وعن ابی ھریرۃ قال قدم الطفیل بن عمر الدوسی علی رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم قال یا رسول اللہ اِنَّ دَوْسًا عصت وابت فادعُ اللہ علیها فاستقبل النبی صلی اللہ علیه وسلم

القبلة ورفع يديه فظن الناس انه يدعوا عليهم فقال اللهم اهد دوسا وأت بهم رھکذا فی

فتادی نزیریه) اخبار اهلحدیث دهلی ۱۵ مارچ ۱۹۵۴ء

سوال ؛ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز میں سلام پھیرنے کے بعد دُعا مانگی ہے ؟

جواب ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کے بعد ہاتھ اُٹھا کر دُعا مانگی ہے ۔حافظ ابوبکر بن السنی نے فرمایا ہے ۔ عن الاسود الاعمری عن ابیه قال صلیت مع النبی صلی الله علیه وسلم الفجر فلما سلم انحرف ورفع یدیه ودعا رواه ابی شیبة فی مصنفه اور حافظ جلال الدین سیوطی نے اپنی کتاب فض الوعا فی احادیث رفع الیدین فی الدعا میں روایت کیا ہے محمد بن یحییٰ اسلمی سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہیں اٹھاتے تھے ہاتھوں کو دُعا میں مگر جب کہ فارغ ہوتے نماز سے اور کہا کہ اس حدیث کے جتنے راوی ہیں سب ثقہ ہیں .عن محمد بن یحیٰی الاسلمی قال رایت عبد الله بن الزبیر وراٰ رجلا رافعاً یدیه قبل ان یفرغ من صلوته فلما فرغ منها قال ان رسول الله صلی الله علیه وسلم لم یکن یرفع یدیه حتی فرغ من صلوته رجاله ثقات نیز ابوداؤد میں ہے فرمایا رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب تو سوال کرے اللہ تعالےٰ سے سوال کر اندرونی ہتھیلیوں سے اور نہ سوال کر اس سے الٹے ہاتھوں کے ذریعہ عن مالك بن یسار قال رسول الله صلی الله علیه وسلم اذا سألتم الله فاسئلوہ ببطون اکفکم ولا تسئلوه بظهورها وفی روایة ابن عباس سلوا الله ببطون اکفکم ولا تسئلوا بظهورها فاذا فرغتم فامسحوا بها وجوهکم رواه ابوداؤد اور ترمذی میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب ہاتھ دُعا میں اٹھاتے تو نہیں چھوڑتے یہاں تک کہ مسح کرتے اپنے منہ کو ۔عن عمر قال کان رسول الله صلی الله علیه وسلم اذا رفع یدیه فی الدعاء لم یحطهما حتی یمسح بهما وجهه رواه الترمذی اور نیز مشکوٰۃ ص۱۹۵ میں ہے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب بندہ ہاتھ اُٹھا کے دُعا کرتا ہے تو اللہ شرم کرتا ہے کہ اس کے ہاتھ کو خالی پھیر دے عن سلمان قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم ان ربکم حیی کریم یحیی من عبده اذا رفع یدیه الیه ان یردهما صفراً رواه الترمذی وابوداؤد والبیهقی فی الدعوات الکبیر۔

علاوہ اس کے دُعا میں ہاتھ اٹھانا پہلی شریعتوں سے بھی ثابت ہے چنانچہ بخاری ص۴۷۴ میں ہے کہ ابراہیم علیہ السلام جب حضرت ہاجرہ کو میدان مکہ میں چھوڑ کر چلے اور ثنیہ کے پاس پہنچے تو قبلہ کیطرف منہ پھیر

کر ہاتھ اُٹھا کے دُعا مانگی،، امام نووی صاحب عبداللہ بن عمرو بن عاص کی حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں ھذا الحدیث مشتمل علی کثیر من الفوائد منھا استحباب رفع الیدین فی الدعاء انتہی اور ادب المفرد کے ص۸۹ میں ہے عن عکرمۃ عن عائشۃ انہ سمعہ منھا انھا رأیت النبی صلی اللہ علیہ وسلم یدعوا رافعاً یدیہ یقول اللھم انما انا بشر فلا تعاقبنی ایما رجل من المومنین اذیتہ شتمتہ فلا تعاقبنی فیہ وعن ابی ھریرۃ قال قدم الطفیل بن عمرو الدوسی علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال یا رسول اللہ ان دوساً عصت وابت فادع اللہ علیھا فاستقبل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم القبلۃ ورفع یدیہ وظن الناس انہ یدعوا علیھم فقال اللھم اھد دوساً وأت بھم۔ پس ان احادیث سے ظاہر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہاتھ اٹھا کر دُعا مانگتے تھے اور دُعا میں ہاتھ اٹھانا مسنون طریقہ ہے اور اگر زیادہ تحقیق دیکھنی ہو تو تحفۃ الاحوذی شرح ترمذی ص۲۴۳ تا ص۲۴۶ پر اور رسالہ فض الوعاء فی احادیث رفع الیدین فی الدعاء للسیوطی ملاحظہ فرمائیں۔ (اخبار اہلحدیث دہلی یکم دسمبر ۱۹۵۳ء)

سوال: کیا صحابہ کرام نے بھی سلام پھیرنے کے بعد دعاء مانگی ہے؟

جواب: جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے تو صحابہ کرام بھی اس پر عامل ہوں گے۔

(اخبار اہلحدیث دہلی یکم دسمبر ۱۹۵۳ء)

ل یہ ابو الفضل عبدالرحمن ابن کمال ابو بکر جلال الدین حضرمی شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف ہے۔ آپ مادرِ علم قاہرہ میں ۸۴۹ھ میں پیدا ہوئے۔ ماں باپ کا سایہ بچپن میں ہی اٹھ گیا۔ تاہم آپ شاہراہِ علم پر تیزی سے گامزن رہے آٹھ سال سے کم عمر میں قرآن مجید حفظ کر لیا۔ پھر عمدہ، منہاج، الفقہ والاصول اور لفیہ ابن مالک حفظ کر لیں۔ ۸۸۱ھ میں مسندِ افتاء پر متمکن ہوئے۔ اور پھر میدان تصنیف میں جوادِ قلم کو دوڑایا تو ہر غایت کو عبور کر گئے۔ آپ کی جملہ تصانیف پانچ سو سے زائد ہیں۔

آپ کو آٹھ علوم میں تبحر اور کمال تھا وہ علوم یہ ہیں:۔ حدیث، فقہ، نحو، معانی، بدیع، بیان، لغت۔ آپ کی آخری تصنیف "تفسیر جلالین" جو کہ درسِ نظامی کے نصاب میں داخل ہے۔ یہ شہباز اعظم ۹۱۱ھ میں اس دارِ فانی سے دار البقا کو کوچ کر گئے۔ (سعیدی)

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ بعد فرض نماز کے ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب: ہاتھ اٹھا کر بعد نماز فرض کے دعا مانگنا درست ہے۔ کتاب عمل الیوم واللیلہ لابن السنی میں ہے۔ حدثنی احمد بن الحسن حدثنا ابو اسحٰق یعقوب بن خالد بن یزید البالسی حدثنا عبد العزیز بن عبد الرحمٰن القرشی عن خصیف عن انس عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ قال مامن عبد یبسط کفیہ فی دبر کل صلوٰۃ ثم یقول اللھم الٰہی والٰہ ابراہیم واسحٰق ویعقوب والٰہ جبرئیل ومیکائیل واسرافیل اسئلک ان تستجیب دعوتی فانی مضطر وتعصمنی فی دینی فانی مبتلی وتنالنی برحمتک فانی مذنب وتنفی عنا الفقر فانی متمسکن الاکان حقا علی اللہ عزوجل ان لا یرد یدیہ خائبتین۔ یعنی انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو بندہ ہر نماز کے بعد اپنے دونوں ہاتھوں کو پھیلائے پھر کہے اللھم الٰہی والٰہ ابراہیم الخ تو اللہ تعالےٰ اس کے دونوں ہاتھوں کو نامراد نہیں پھیرتا۔" اس حدیث سے ثابت ہوا، کہ بعد فرض نماز کے ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا درست ہے۔ اس حدیث کے راویوں میں ایک راوی عبد العزیز بن عبد الرحمٰن اگر متکلم فیہ ہے۔ جیسا کہ میزان الاعتدال وغیرہ میں مذکور ہے۔ لیکن اس کا متکلم فیہ ہونا ثبوت جواز و استحباب کے منافی نہیں، کیوں کہ حدیث ضعیف سے جو موضوع نہ ہو استحباب و جواز ثابت ہوتا ہے۔ قال فی فتح القدیر فی الجنائز والاستحباب یثبت بالضعیف غیر الموضوع الخ تفسیر ابن کثیر میں ہے: قال ابن ابی حاتم حدثنا ابی حدثنا ابو معمر المقری حدثنی عبد الوارث حدثنا علی بن زید عن سعید بن المسیب عن ابی ہریرۃ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رفع یدہ بعد ماسلم وھو مستقبل القبلۃ فقال اللھم خلص الولید بن الولید وعیاش بن ابی ربیعۃ وسلمۃ بن ہشام وضعفۃ المسلمین الذین لا یستطیعون حیلۃ ولا یہتدون سبیلا من ایدی الکفار ذکرہ الحافظ ابن کثیر فی تفسیر اٰیۃ الا المستضعفین من الرجال والنساء والولدان لا یستطیعون حیلۃ ولا یہتدون سبیلا۔ یعنی حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعد سلام پھیرنے کے اپنے ہاتھوں کو اٹھایا، اور آپ قبلہ رو تھے پس کہا، اللھم خلص الولید بن الولید الخ اس حدیث کے راویوں میں علی بن زید ہے۔ جس کو حافظ ابن حجر نے تقریب میں ضعیف کہا ہے، لیکن اس کا ضعیف ہونا ثابت جواز و استحباب کے منافی نہیں ہے۔ کما مر۔ مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے۔ عن الاسود بن عامر عن ابیہ قال صلیت مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الفجر فلما سلم انحرف ورفع یدیہ ودعا الحدیث یعنی عامرؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ فجر کی نماز پڑھی، پس جب آپ نے سلام پھیرا تو قبلہ کی طرف سے منحرف ہوئے اور اپنے دونوں ہاتھوں کو اٹھایا اور دعا کی۔ ان احادیث سے بعد نماز فرض کے ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا قولاً فعلاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہوا۔ واللہ تعالےٰ اعلم۔ حررہ العاجز علیم الدین عفی عنہ۔ سید نذیر حسین فتاوی نذیریہ

مسئلہ: چہ می فرمایند علمائے دین ومفتیان شرع متین اندریں مسئلہ کہ رفع یدین در دعائے کہ بعد ادائے نماز کردہ می شود، چناں کہ معمول ائمہ دیار است از احادیث قولیہ یا فعلیہ ثابت است یا نہ ہر چند کہ فقہاء ایں را مستحسن می نویسند واحادیث در مطلق رفع یدین در دعا نیز وارد اند، لیکن دریں خصوص ہم حدیثے وارد است یا نہ، بینوا توجروا۔

ہو المصوب: دریں خصوص نیز حدیثے وارد است، چنانچہ حافظ ابو بکر احمد بن محمد بن اسحاق بن السنی در کتاب عمل الیوم واللیلہ می نویسند۔ حدثنی احمد بن الحسن حدثنا ابو اسحق یعقوب بن خالد بن یزید البالسی حدثنا عبد العزیز بن عبد الرحمن القرشی عن خصیف عن انس عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ قال ما من عبد بسط کفیہ فی دبر کل صلوۃ ثم یقول اللهم الهی واله ابراهیم واسحق ویعقوب واله جبرئیل ومیکائیل واسرافیل اسئلك ان تستجیب دعوتی فانی مضطر وتعصمنی فی دینی فانی مبتلی وتنالنی برحمتك فانی مذنب وتنفی عنی الفقر فانی متمسکن الا کان حقا علی اللہ عزوجل ان لا یرد یدیه خائبین۔ اگر گفتہ شود، کہ در سند ایں روایت عبد العزیز بن عبد الرحمن است، وآں متکلم فیہا است، چنانکہ در میزان الاعتدال وغیرہ مصرح است گفتہ خواہد شد، کہ حدیث ضعیف برائے اثبات استحباب کافی است، چنانچہ ابن ہمام در فتح القدیر در کتاب الجنائز می نویسد والاستحباب یثبت بالضعیف غیر الموضوع واللہ اعلم حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابو الحسنات محمد عبد الحی تجاوز اللہ عن ذنبہ الجلی والخفی۔

سید نذیر حسین   ابو الحسنات محمد عبد الحی   حسبنا حفیظ اللہ

الجواب صحیح والرای نجیح۔ ویؤیدہ ما رواہ ابو بکر بن ابی شیبۃ فی المصنف عن الاسود العامری عن ابیه قال صلیت مع رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم الفجر فلما انحرف رفع یدیه ودعا الحدیث فثبت بعد الصلوۃ المفروضۃ رفع الیدین فی الدعاء عن سید الانبیاء واسوۃ الاتقیاء صلی اللہ علیه کما لا یخفی علی العلماء الاذکیاء حررہ السید شریف حسین عفاء اللہ عنہ فی الدین۔ سید شریف حسین۔

سید محمد نذیر حسین   حسبنا حفیظ اللہ   محمد عبد الرب   سید احمد حسین

(فتاویٰ نذیریہ ط ۵۶۹)

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ بعد نماز فرائض کے ہاتھ اٹھا کر دُعا مانگنا درست ہے یا بدعت، زید کہتا ہے، کہ بعد نماز فرائض کے ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا بدعت ہے بینوا توجروا۔

الجواب: صاحب فہم پر مخفی نہ رہے، کہ بعد نماز فرائض کے ہاتھ اٹھا کر دُعا مانگنا جائز و مستحب ہے۔ اور زید مخطی ہے۔ عنؔ[1] انس عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ قال ما من عبد بسط کفیہ فی دبر کل صلوٰۃ ثم یقول اللھم الٰھی و الٰہ جبرئیل ومیکائیل واسرافیل اسئلک ان تستجیب دعوتی فانی مضطر وتعصمنی فی دینی فانی مبتلی وتنالنی برحمتک فانی مذنب وتنفی عنی الفقر فانی متمسکن الا کان حقا علی اللہ عزوجل ان لا یرد یدیہ خائبتین رواہ الحافظ ابوبکر بن السنی. عن الاسود العامری عن ابیہ قال صلیت مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم الفجر فلما سلم انحرف ورفع یدیہ ودعا الخ رواہ الحافظ ابوبکر بن ابی شیبۃ فی مصنفہ اور حافظ جلال الدینؒ نے اپنی کتاب فض الوعا فی احادیث رفع الیدین فی الدعا میں روایت کیا ہے۔ محمد بن یحییٰ اسلمی سے، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہیں اٹھاتے تھے اپنے ہاتھ کو دُعا میں مگر جب فارغ ہوتے نماز سے اور کہا ہے، اس حدیث کے راوی جتنے ہیں سب ثقہ ہیں۔ عنؔ[3] محمد بن یحییٰ الاسلمی قال رأیت عبد اللہ بن الزبیر ورأی رجلا رافعا یدیہ قبل ان یفرغ من صلوٰتہ فلما فرغ منھا قال ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لم یکن یرفع یدیہ حتی یفرغ من صلوتہ ورجالہ ثقات[4] اور نیز ابوداؤد میں ہے کہ فرمایا:۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے کہ جب سوال کرو اللہ تعالےٰ سے تو سوال کرو بطون کف اپنے کے ساتھ اور نہ سوال کرو اس سے ساتھ ظہور کف اپنے کے۔ عن مالک بن یسار قال قال رسول اللہ صلی اللہ

---

[1] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جو آدمی نماز کے بعد اپنے ہاتھ پھیلا کر کہے، اے میرے، اور جبرائیل اور میکائیل اور اسرافیل کے خدا میں تجھ سے سوال کرتا ہوں۔ کہ تو میری دُعا کو قبول فرما، میں بے قرار ہوں، میرے دین کو محفوظ رکھ میں فتنوں میں مبتلا ہوں، مجھے اپنی رحمت میں لے لے، میں گنہگار ہوں، میرے فقر کو دُور کر دے میں مسکین ہوں۔ تو اللہ تعالےٰ پر حق ہے کہ اس کے ہاتھوں کو خالی نہ پھیرے۔ [2] اسود عامری کے باپ کہتے ہیں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز صبح پڑھی، جب آپ نے سلام پھیرا تو رُخ ہماری طرف کیا، اپنے ہاتھ اٹھائے اور دعا مانگی۔ [3] عبداللہ بن زبیر نے ایک آدمی کو دیکھا، اس نے پوری نماز پڑھنے سے پہلے ہی ہاتھ اٹھا کر دُعا

[4] سیوطی

علیہ وسلم اذا سألتم اللہ فاسئلوہ ببطون اکفکم ولا تسئلوہ بظہورھا فاذا فرغتم فامسحوا بھا وجوھکم رواہ ابوداؤد۔ اور ترمذی میں ہے، کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم جب ہاتھ دعا میں اٹھاتے تو نہیں چھوڑتے تھے یہاں تک کہ مسح کرتے اپنے منہ کو۔ عن عمر قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا رفع یدیہ فی الدعاء لم یحطھما حتی یمسح بھما وجھہ رواہ الترمذی [۲] اور نیز مشکوٰۃ کے صفحہ ۱۸۶ میں ہے۔ کہ فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے کہ جب بندہ ہاتھ اٹھا کر دعا کرتا ہے، تو اللہ شرم کرتا ہے کہ اس کے ہاتھ خالی پھیر دے۔ عن سلمان قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان ربکم حی کریم یستحیی من عبدہ اذا رفع یدیہ ان یردھما صفرا رواہ الترمذی وابو داؤد والبیہقی [۳]

مانگا گیا۔ آپ نے فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہونے کے بعد ہاتھ اٹھایا کرتے تھے۔ حاشیہ سابقہ صفحہ

(۱) اس کی سند میں عبد العزیز بن عبد الرحمٰن قرشی ضعیف ہے۔ ۱۲ ابو سعید محمد شرف الدین۔

(۲) میں کہتا ہوں کہ اس حدیث کو صاحب مجمع الزوائد نے بھی نقل کیا ہے۔ حیث قال عن محمد بن ابی یحیی قال رأیت عبد اللہ بن الزبیر ورأی رجلا رافعا یدیہ یدعو قبل ان یفرغ من صلاتہ فلما فرغ منہا قال ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لم یکن یرفع یدیہ حتی یفرغ من صلوتہ رواہ الطبرانی وترجم لہ فقال محمد بن یحیی الاسلمی عن عبد اللہ بن الزبیر ورجالہ ثقات انتہی۔ مجمع الزوائد قلمی جلد ۴ صہ ۳۴ کتاب الادعیۃ باب ماجاء فی الاشارۃ فی الدعاء ورفع الیدین۔ وعن علی رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا صلیتم الصبح فافرغوا الی الدعاء وباکروا فی طلب الحوائج اللہم بارک لامتی فی بکورہا انتہی۔ اس حدیث کو علی متقی نے کنز العمال جلد ۱ صفحہ ۵۷ میں صحیح مسلم، ابو داؤد، نسائی وغیرہ کے حوالہ سے ذکر کیا ہے۔ وعن ابی بکرۃ رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم قال سلوا اللہ ببطون اکفکم ولا تسئلوہ بظہورہا رواہ الطبرانی فی الکبیر ورجالہ رجال الصحیح غیر عمار بن خالد الواسطی وہو ثقۃ، مجمع الزوائد ج ۴ صہ ۳۴۔ کنز العمال ج ۱ صہ ۷۰، افضل الوعاء صہ ۴، ۵ وفی روایۃ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما مرفوعا عند ابن ماجۃ اذا دعوت اللہ فادع ببطن کفیک الخ حاصل ان حدیثوں کا یہ ہے کہ آپ نے فرمایا، صبح کی نماز کے بعد، یعنی فرض نماز کے بعد دعا مانگو، اور جب دعا مانگو تو ہاتھ اٹھا کر دعا مانگو، نتیجہ یہ ہوا، کہ فرضی نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا مانگو، وہو المدعیٰ، واللہ اعلم۔ ابو سعید محمد شرف الدین مصحح فتاویٰ ہٰذا

---

(۱) سندہ ضعیف واخرجہ ایضا الطبرانی فی الکبیر والحاکم فی المستدرک عن ابن عباس مرفوعا کنز العمال۔ ابو سعید محمد شرف الدین۔

(۲) اخرجہ ایضا الحاکم فی المستدرک وقال الترمذی صحیح غریب ۱۲ کنز العمال۔ ابو سعید محمد شرف الدین۔

(۳) اخرجہ ایضا احمد وابن ماجہ وابن حبان فی صحیحہ والحاکم وقال صحیح علی شرط الشیخین الترغیب والترہیب وکنز العمال ۱۲۔

۔ابو سعید محمد شرف الدین۔

فی الدعوات الکبیر۔ علاوہ اس کے دُعا میں ہاتھ اٹھانا شریعت من قبلنا سے بھی ثابت ہے۔ چنانچہ بخاری صفحہ ۴۷۵ میں ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام جب ہاجرہ کو چھوڑ کر چلے پھر جب کہ ثنیہ کے پاس پہنچے، تو قبلہ کی طرف منہ پھیر کر ہاتھ اُٹھا کر دُعا کی، امام نووی صاحب عبداللہ بن عمرو بن العاص کی حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں ھذا الحدیث[1] مشتمل علی کثیر من الفوائد ومنھا استحباب رفع الیدین فی الدعاء انتہیٰ اور ادب المفرد کے صفحہ ۸۹ میں ہے۔ عن[2] عکرمة عن عائشة انه سمعه منھا انھا رأیت النبی صلی اللہ علیہ وسلم یدعو رافعا یدیه یقول اللھم انما انا بشر فلا تعاقبنی ایما رجل من المومنین اذیته اوشتمته فلا تعاقبنی فیه۔

وعن[3] ابی ھریرة قال قدم الطفیل بن عمرو الدوسی علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال یا رسول اللہ ان دوسا عصت وابت فادع اللہ علیھا فاستقبل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم القبلة ورفع یدیه فظن الناس انه یدعو علیھم فقال اللھم اھد دوسا وائت بھم۔ پس ان احادیث سے ظاہر ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ہاتھ اُٹھا کر دعا مانگتے تھے۔ اور دُعا میں ہاتھ اٹھانا مسنون طریقہ ہے۔ واللہ اعلم بالصواب، حررہ محمد عبدالغفور عفی عنہ

سید محمد نذیر حسین، سید محمد عبدالسلام غفرلہٗ سید محمد ابوالحسن فتاوٰی نذیریہ ص ۵۶۶ / ۱

---

[1] یہ حدیث بہت سے فوائد پر مشتمل ہے۔ اس سے دُعا میں ہاتھ اٹھانے کا استحباب معلوم ہوتا ہے۔

[2] حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا، میں نے آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو ہاتھ اٹھا کر دُعا مانگتے دیکھا۔ آپ کہہ رہے تھے۔ اے اللہ میں بھی ایک آدمی ہوں۔ اگر میں نے کسی مومن کو کوئی تکلیف دی ہو، یا کوئی سخت کلامی کی ہو تو مجھے معاف کر دینا۔

[3] طفیل بن عمرو دوسی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور کہا اے اللہ کے رسول دوس نے نافرمانی کی اور دین حق کا انکار کیا، آپ ان پر بد دُعا کریں۔ تو آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم قبلہ کیطرف متوجہ ہوئے، اور اپنے ہاتھ اٹھائے۔ لوگوں نے سمجھا کہ آپ ان پر بد دُعا کریں گے۔ آپ نے فرمایا! اے اللہ دوس کو ہدایت دے۔ اور ان کو میرے پاس لا۔

سوال : قرآن کی موجودہ ترتیب کے خلاف نماز میں سورتوں کی قرأت جائز ہے یا نہیں؟

جواب : قرآن کریم کی رائج الوقت ترتیب بلاشبہ منزل من اللہ نہیں ہے۔ چونکہ احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ سب سے پہلے "اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ" نازل ہوئی ہے۔ پھر اس کے بعد سورۃ مدثر اور آخر میں "اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ" الخ نازل ہوئی ہے۔ نہ صرف یہ کہ قرآن کریم کی موجودہ ترتیب سے بلکہ برحسب نزول پڑھنا بھی ضروری نہیں ہے۔ انسان جہاں سے چاہے نماز میں قرأت کر سکتا ہے پہلی دوسری رکعت میں مقدم و مؤخر سورۃ کی قرأۃ سے کوئی فرق واقع نہیں ہوتا۔

۲ حدیث میں ہے کہ ایک شخص صحابی اپنی ہر نماز میں قُلْ هُوَ اللّٰهُ سے شروع کرتا بعد ازاں کوئی دوسری سورۃ پڑھتا اور ہر رکعت میں وہ اسی طرح کرتا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے مسجد کی امامت پر مامور فرمادیا۔ اخرجہ الترمذی وقال حسن صحیح والبخاری تعلیقاً والبزار والبیہقی والطبرانی من حدیث انسؓ اس سے واضح ہے کہ وہ صحابی قرآن کریم کی موجودہ ترتیب کے مطابق نہیں پڑھتا ہوگا ورنہ وہ صرف معوذتین ہی پڑھ سکتا تھا۔

۳ صحیح مسلم شریف میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے سورۃ بقر پھر نساء اور پھر آل عمران پڑھی۔ قاضی عیاض فرماتے ہیں کہ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ سورتوں کی موجودہ ترتیب علماء کے اجتہاد کا نتیجہ ہے۔ نہ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ترتیب، بلکہ آپ نے یہ کام اپنے بعد اُمت کو سونپ دیا تھا۔ یہی امام مالک اور جمہور کا قول ہے۔ اسے ہی قاضی ابوبکر باقلانی نے اختیار کیا ہے۔ اور وہ کہتے ہیں کہ دونوں کے احتمال کے باوجود اصح القولین یہی ہے (کہ یہ امت کا اجتہاد ہے)

قاضی عیاض مزید فرماتے ہیں کہ ہمارا قول کہ سورتوں کی ترتیب قرأۃ، کتابت، نماز، درس تعلیم اور تلقین میں ضروری نہیں ہے اور یہ کہ نبی علیہ السلام سے اس پر نص نہیں ہے۔ اور نہ ہی اس کی مخالفت حرام ہے۔ اسی لیے مصحف عثمان سے قبل تمام مصاحف کی ترتیب مختلف تھی۔ اور بعض اہل علم کا یہ خیال کہ مصحف عثمان کی ترتیب نبی علیہ السلام کی ہے اور آپ کا بقرہ پھر نساء اور پھر آل عمران پڑھنا اس کی تاویل کی گئی ہے کہ یہ ترتیب سے قبل کی بات ہے۔ علامہ شوکانی فرماتے ہیں کہ ہم نے اس مذہب کے فساد کو وضاحت سے بیان کر دیا ہے۔ کہ یہ صحابہ کی تلاوت کی کیفیات سے ناواقفیت کا نتیجہ ہے۔

۴ قاضی عیاض نے علی غیر ترتیب سورتوں کو قرأۃ پر اجماع نقل کیا ہے۔ جو شخص اس کے

عدم جواز کا قائل ہے۔ وہ اجماع کا مخالف قرار پائے گا۔ (دلیل الطالب علی ارجح المطالب صـ ۲۸۹ - صـ ۲۹۰)

سوال: دوسری دو رکعتوں میں سورۃ فاتحہ کی بجائے تسبیح پر اکتفا جائز ہے یا نہیں؟

جواب: جو شخص سورۃ فاتحہ یا اس کے ساتھ مزید کوئی سورۃ پڑھ سکتا ہے اس کے لئے فاتحہ چھوڑ کر تسبیح پڑھنے کے جواز کا کوئی وجود نہیں ہے۔ مجھے تو معلوم نہیں ہو سکا کہ بعض اہل علم جنہوں نے آخری دو رکعتوں میں فاتحہ اور تسبیح میں اختیار دیا ہے ان کی بنیاد کس چیز پر ہے۔

چوں کہ تسبیح کے جواز کی جو احادیث یا دلائل ہیں وہ صرف اس شخص کے لئے ہیں جو قرأت نہیں کر سکتا[ل]

مثلاً عن رفاعة بن رافع ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علم رجلا الصلوٰة فقال ان کان معك قرآن فاقرأ والا فاحمد اللہ وکبرہ وہللہ ثم ارکع اخرجہ ابوداؤد والترمذی وحسنہ والنسائی۔

مذکورہ حدیث میں نمازی کے ساتھ قرآن نہ ہونے کی قید ہے۔ اسی طرح عبداللہ بن ابی اوفیٰ کی روایت، جاء رجل الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال انی لا استطیع ان آخذ شیئاً من القرآن فعلمنی ما یجزئنی فقال قل سبحان اللہ والحمد للہ و لا الہ الا اللہ واللہ اکبر و لاحول ولا قوۃ الا باللہ رواہ احمد وابوداؤد والنسائی والدار قطنی وابوالجارود وابن حبان والحاکم۔

اس حدیث کی سند میں ابراہیم بن اسمٰعیل سکسکی ہے۔ اگرچہ یہ رجال بخاری میں سے ہے۔ مگر محدثین نے امام بخاری پر اس کی حدیث لانے پر اعتراض کیا ہے۔ نسائی نے اسے ضعیف قرار دیا ہے۔ ابن قطان کہتے ہیں۔ کہ ایک قوم نے اس کی تضعیف کی ہے۔ اور اس کی روایت قابل حجت نہیں ہے۔ ابن عدی کہتے ہیں کہ میں نے اس کی کوئی منکر المتن حدیث بھی نہیں پائی۔ نووی نے ضعیف رواۃ کی فصل میں اس کا ذکر کیا ہے۔

میں کہتا ہوں اس حدیث کے ساتھ ابراہیم منفرد نہیں ہے۔ بلکہ طبرانی اور ابن حبان نے اس کی روایت طلحہ بن مصرف عن ابی اوفیٰ کے طریق سے ذکر کی ہے۔ لیکن اس کی سند میں فضل بن موفق ہے۔ ابوحاتم اور ابن حجر نے اسے ضعیف قرار دیا ہے۔ اور یہ حدیث بھی آدمی کے قرآن کریم کو بالکل یاد نہ کر سکنے کی صورت

[ل] ابراہیم بن اسمٰعیل کی ضعف کی وجہ مجہول ہے۔ اس کا رجال بخاری سے ہونا صداقت اور حجت کی بیّن دلیل ہے اس حدیث میں جب لا استطیع کی نص موجود ہے تو حدیث کی سند پر جرح کی کیا ضرورت ہے۔ (سعیدی)

میں ہے۔ اس سے حافظ فاتحہ کے لئے نہ پڑھنے کے جواز کا استدلال درست نہیں ہے۔ شوکانی نے فتح الربانی میں ذکر کیا ہے کہ جس نے مذکورۃ الصدر احادیث سے استدلال کیا اس نے صریح غلطی کا ارتکاب کیا۔

شارح مصابیح فرماتے ہیں کہ ضروری نہیں ہے کہ یہ صورت ہر وقت جائز ہو چوں کہ جو شخص کلمات تسبیح حفظ کر سکتا ہے وہ فاتحہ بھی یاد کر سکتا ہے۔ بلکہ اس کی صحیح تاویل اس طرح ہوگی۔ ایک آدمی مسلمان ہوا ہے اتنی جلدی وہ قرآن کریم کا کوئی حصہ یاد نہیں کر سکتا اور نماز کا وقت آچکا ہے۔ جبھی وہ اس نماز سے فارغ ہوگا تبھی اسے فاتحہ یاد کرنا ہوگی۔

اور یہ دونوں حدیثیں اس مسئلہ میں نہایت شافی فیصلہ کی حیثیت رکھتی ہیں اور اگر ہم فرض کر لیں۔ کہ ان دو مقید احادیث کے علاوہ کوئی مطلق بھی موجود ہے تو بھی اسے ان مقید احادیث پر محمول کریں گے، چوں کہ صورت فاتحہ کی قرأۃ ہر رکعت میں ثابت ہے۔ جس کے دلائل علامہ شوکانی نے نیل الاوطار شرح منتقی الاخبار میں ذکر کیے ہیں۔ دلیل الطالب علی ارجح المطالب ص۲۹۰ تا ص۲۹۱

سوال: حدیث "من کان لہ[1] امام فقراۃ الامام لہ قراۃ" مرفوع ہے یا نہیں؟

جواب: دار قطنی اپنی سنن میں حدیث عن عبداللہ بن شداد ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال من کان لہ امام فقرأۃ الامام لہ قرأۃ۔ ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں، کہ اس حدیث کو موسیٰ بن ابی عائشہ سے ابوحنیفہ اور حسن بن عمارہ کے علاوہ کسی نے مسند ذکر نہیں کیا اور یہ دونوں حضرات ضعیف ہیں۔

نیز فرمایا کہ اس حدیث کو سفیان ثوری، شعبہ، اسرائیل، شریک، ابوخالد الدالانی، ابوالاحوص، سفیان بن عیینہ، اور جریر بن عبدالحمید وغیرہم نے عن موسیٰ بن ابی عائشہ عن عبداللہ بن شداد عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم مرسلاً بیان کیا ہے۔ اور یہی درست ہے۔ اور مجد الدین ابن تیمیہ نے المنتقی میں لکھا ہے۔ کہ یہ روایت کئی طرق سے مسنداً مروی ہے۔ لیکن وہ تمام طرق ضعیف ہیں۔ درست بات یہ ہے کہ یہ حدیث مرسل ہے۔

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ یہ حدیث جیسا کہ آپ ملاحظہ فرما چکے ہیں۔ حفاظ حدیث کے نزدیک معلول ہے۔ اور انہوں نے اس کے مرسل ہونے کی تصریح کر دی ہے۔ اور مرسل ضعیف کی اقسام میں سے ہے اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ کثرت طرق کی بنا پر حدیث قوی ہوگئی ہے۔ پھر بھی یہ عام ہے کیوں کہ مصدر مضاف ہونے کی صورت میں بھی عموم کے الفاظ میں سے ہے۔ جیسا کہ کتب اصول سے واضح ہے اور قرأۃ الامام

[1] قرأۃ الامام میں لہ مرجع امام ہے جیسا کہ علم النحو اور معانی کا اصول ہے کہ مراجع اقرب زیادہ موزوں ہوتا ہے۔ مراجع العبد سے۔ تو مطلب یہ ہو [illegible] قرأت امام، امام ہی کے لیے ہے۔ جیسا کہ قرأۃ الامام کی اضافت میں عموم ہے۔ لہذا مقتدی کو اپنی قرأۃ ضروری ہے۔ [illegible]

میں لفظ قراۃ امام کی طرف مضاف واقع ہوا ہے۔ پس یہ تمام قراتوں کو شامل ہوگا۔ اور یہ عموم احادیث صحیحہ کے ساتھ مخصوص ہوچکا ہے۔ جیسا کہ حضرت عبادہ بن صامت کی روایت قال صلی بنا رسول اللہ علیہ وسلم الصبح فثقلت علیہ القرأۃ فلما انصرف قال انی اراکم تقرؤن خلف امامکم قال قلنا یا رسول اللہ ای واللہ قال فلا تفعلوا الا بام القرآن فانہ لا صلوٰۃ لمن لم یقرأ بھا اخرجہ ابوداؤد والترمذی والنسائی واحمد والبخاری فی جزء القرأۃ والدارقطنی وصححہ البخاری وابن حبان والحاکم۔ اور اس حدیث کے شواہد بکثرت موجود ہیں اور اسی معنی میں متعدد دیگر احادیث بھی مروی ہیں۔ کہ جن کی تفصیل کا یہ مقام نہیں ہے۔

امام شوکانی ؒ نے بالتفصیل اس کا ذکر فرمایا ہے۔ اور ہم نے اپنی کتاب ہدایۃ السائل عن ادلۃ المسائل میں اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔

آپ نے اس سے معلوم کیا ہوگا کہ وہ نمازیں جن میں امام جہری قراۃ کرتا ہے۔ سورۃ فاتحہ کا ان میں پڑھنا بھی ضروری ہے۔ اور سری نمازوں میں تو بالاولیٰ ہی ضروری ہوگا۔ اگر اس بحث کو کما حقہ پھیلایا جائے تو کلام طویل ہوجائے گی۔ علامہ شوکانی ؒ نے اس مسئلہ پر مستقل رسالہ تحریر کیا ہے۔ نیز انہوں نے وبل الغمام اور سیل الجرار وغیرہ تصانیف میں بھی بالتفصیل ذکر فرمایا ہے۔ اور منع قراۃ کے قائلین کے پاس کوئی دلیل نہیں ہے۔ اور احادیث قراۃ تمام کی تمام صحیح اور معمول بہا ہیں۔ ولا ملجئ الی التاویل ففیہ ترالعمل بالدلیل وعدول عن الحق الحقیق بالقبول الی البطل الاباطیل واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل وفی ھذا کفایۃ لمن لہ تعقل بحج الھدایۃ۔ (دلیل الطالب علی ارجح المطالب ص ۲۰۲)

سوال: نماز میں امام کے پیچھے توجہ اور استعاذہ کی قراۃ بھی جائز ہے۔ یا صرف فاتحہ خاص ہے؟

جواب: جس قدر بھی احادیث مقتدیوں کے امام کے پیچھے قراۃ سے ممانعت کی وارد ہوئی ہیں، وہ نفس قرآن کی قراۃ سے خاص ہیں۔ جیسا کہ عبادہ بن صامت کی روایت کے الفاظ ہیں۔

انی اراکم تقرؤن وراء امامکم قال قلنا یا رسول اللہ ای واللہ قال لا تفعلوا الا بام القرآن فانہ لا صلوٰۃ لمن یقراء بھا اخرجہ ابوداؤد والترمذی واحمد والبخاری فی جزء القرأۃ وصححہ۔ وصححہ ایضاً ابن حبان والحاکم والبیھقی وفی لفظ فلا تقرؤا بشئ

ا۔ فلا تقرؤا بشئ کی نفی میں عموم ہے۔ اس عموم سے قراۃ فاتحہ مستثنیٰ ہے۔ اس کے علاوہ ہر قسم کی قراۃ خواہ قرآن مجید ہو۔ استعاذہ ہو یا توجہ فلا تقرؤا بشئ کی نفی میں سب شامل ہیں۔ لہٰذا قول ابن حزم قرین ثواب ہے۔ فاسد نہیں ہے۔ فافہم وتدبر (سعیدی)

اذا جهرت به الا بام القرأن اخرجه ابو داؤد والنسائی والدارقطنی وقال رجاله کلهم ثقات وفی لفظ لعلکم تقرؤن والامام یقرأ قالوا انا لنفعل ذالك قال لا الا ان یقرأ احدکم بفاتحة الکتاب اخرجه من تقدم ذکره۔ حافظ ابن حجر کہتے ہیں اس کی تمام تر سندیں حسن ہیں اور ابوہریرہ کی حدیث کے یہ الفاظ ہیں۔ فانتهی الناس عن القرأة مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فیما جهر فیه حین سمعوا ذالك اخرجه فی المؤطا والنسائی وابی داؤد والترمذی وحسنه دار قطنی میں ان الفاظ سے ہے۔ واذا جهرت بقرائتی فلا یقرأ معی احد اور جیسی دیگر روایات اس پر دلالت کرتی ہیں کہ منہی عنہ امام کی قرأۃ کے وقت نفس قرآن کریم ہے۔ اور یہ نہی قرأۃ توجہ اور استفادہ کو مشتمل نہیں ہے چنانچہ اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ توجہ اور استعاذہ کی قرأۃ کے بارے میں جمہور سلف و خلف بلکہ کسی صحابی و تابعی اور تبع تابعی سے عدم جواز منقول نہیں ہے اسی طرح کسی صاحب مذہب اور اہل علم سے بھی منقول نہیں ہے۔ مگر ابن حزم ظاہری فرماتے ہیں کہ مقتدی کو امام کے پیچھے توجہ اور استعاذہ کی قرأۃ سے باز رہنا چاہیئے چونکہ اس میں قرآن کے بعض حصے ہیں اور نبی علیہ السلام نے ام القرآن کے علاوہ امام کے پیچھے قرآن کریم کی قرأۃ سے منع فرمایا ہے۔ علامہ شوکانی علیہ الرحمۃ الربانی فرماتے ہیں کہ یہ قول ابن حزم کا فاسد ہے چونکہ اگر ان قول سے مراد ہر توجہ ہے جس آپ جانتے ہیں اکثر توجہ قرآن نہیں ہے اور اگر اس سے مراد صرف حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی توجہ ہے جس میں انی وجهت وجهی للذی الخ وارد ہے تو صرف یہ توجہ محل نزاع نہیں ہے۔ دیگر متعدد توجہات ہیں۔ جن میں قرآن کریم نہیں ہے چنانچہ ان کے قاری کو اس قول سے غذا حاصل ہوجاتا ہے۔ اور مانعین قرأۃ توجہ یہ اعتراض کریں کہ آیت واذا قری القرآن الخ اور حدیث انما جعل الامام لیؤتم به فاذا اکبر فکبروا واذا قرأ فانصتوا اخرجه ابوداؤد والنسائی وابن ماجة واخرجه ایضا احمد ورجال اسناده ثقاة عموم کا فائدہ اور یہ اعتراض کہ واذا قرأ فانصتوا زیادتی صرف ابوخالد الاحمر سے ہے۔ اس لئے مرفوع ہے۔ کہ ابوخالد ثقات اثبات میں سے ہے بخاری مسلم نے اسے قابل حجت قرار دیا ہے اس صورت میں اس اس کا تفرد بھی نقصان دہ نہیں ہے۔ اور پھر وہ اکیلا ہی اس زیادتی کے ساتھ متفرد نہیں ہے بلکہ ابوسعید محمد بن سعد انصاری شہلی مدنی بھی اس زیادتی میں اسکا تابع ہے۔ ابوسعید کے طریق سے اس زیادتی کو امام نسائی نے نکالا ہے۔ نیز اسی زیادتی کو مسلم نے اپنی صحیح میں ابوموسیٰ اشعری سے بیان ———— کیا ہے میں کہتا ہوں یہ دونوں عموم جو آیت قرآن اور حدیث رسول میں ہیں یہ مخصوص ہیں ایسے فعل سے جسے شریعت مقتدی کے

لیے نماز میں مشروع قرار دیا ہے اور انہیں سے فاتحۃ الکتاب بھی ہے اور اس کی تخصیص کی تائید میں احادیث ہیں۔ جن میں قرآن کی قرأت خلف امام کی نہیں۔ بتصریح وارد ہوئی ہے۔ واللہ اعلم

(دلیل الطالب علیٰ ارجح المطالب ص۲۹۴ تا ص۲۹۵)

سوال: سجدوں میں رفع یدین ثابت ہے یا نہیں؟

جواب: وُہ تمام روایات جو صحابہ کے ایک جم غفیر کے راستے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہیں ان میں صرف تین جگہ رفع یدین[1] کا ذکر ہے اوّل تکبیر تحریمہ کے وقت دوم رکوع جاتے وقت سوم رکوع سے اٹھتے وقت اور کسی صحابی سے یہ منقول نہیں ہے کہ اس نے رفیدین کا سجدوں میں ذکر کیا ہو بلکہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہما سے مروی ہے کہ لم یفعلہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم یعنی آپ نے سجدے میں رفعیدین نہیں کیا۔ اور اسی طرح نفی کا ذکر ہی غیر ابن عمر سے آتا ہے۔

الحاصل کہ اسلام کے ذخیرہ کتب میں خواہ وہ کتب اصول ہو یا کتب فروع سجدوں میں رفعیدین کا ذکر نہیں ہے۔ بلکہ تمام روایات میں رفعیدین کا ذکر تین جگہوں پر ہے۔ اور اس کے خلاف جو کچھ بھی وارد ہوا ہے اگر ثقہ کی روایت بھی ہے تو وہ شاذ ہے اور شاذ ضعیف کی اقسام میں سے ہے۔ اور اگر غیر ثقہ کی روایت ہے۔ تو وہ منکر ہے۔ اور منکر کا ضعف تو شاذ سے بھی اشد ہے۔ اور اسی شاذ روایت سے پیدا شدہ غلطی کا ازالہ ہو گیا۔

اگر مزید تحقیق کی ضرورت ہو تو سنئے کہ نسائی نے اپنی سنن میں باب رفعیدین للسجود میں مالک بن حویرث کی روایت نقل کی ہے۔ کہ انہ رائی النبی صلے اللہ علیہ وسلم رفع یدیہ فی صلوٰتہ وفیہ انہ کان یرفع ھما اذا السجد واذا رفع رأسہ من السجود ثم ذکر مثلہ من طریق ثانیۃ ومن طریق ثالثۃ فی ہذا الباب وہی کلہا من طریق نصر بن عاصم الانطاکی عن مالک بن الحویرث ثم ذکر النسائی فی باب الرفع من السجدۃ الاولیٰ عن مالک بن الحویرث مثلہ۔ اور یہ روایت بھی نصر بن عاصم کے طریق سے ہے۔ پس مالک بن حویرث کے چار طریق ہیں۔ اور چاروں نصر بن عاصم سے ہیں۔ اور یہ نصر بن عاصم ضعیف ہے (لین الحدیث) ایسے راوی سے حجت قائم نہیں ہو سکتی، اگرچہ اس کے متعلق اختلاف ہے۔ چنانچہ امام نسائی رح نے حدیث نقل کی ہے۔ جس کی سند اور متن اس طرح ہیں۔ عن عبدالاعلیٰ قال حدثنا خالد قال حدثنا شعبۃ عن قتادہ عن نصر عن مالک ان رسول اللہ

[1] مواضع رفع الیدین چار ہیں۔ تکبیر تحریمہ۔ بوقت رکوع۔ عند رفع الرأس بعد الرکوع۔ واذا قام من الرکعتین جیسا کہ کتب حدیث میں مذکور ہے امام بخاری اور امام نسائی وغیرہ ائمہ حدیث نے اس پر تبویب کی ہے۔ باب رفع الیدین اذا قام من الرکعتین۔ امام نووی نے شرح مسلم میں لکھا ہے۔ یستحب رفع ہما فی موضع رابع وہو اذا قام من التشہد الاول وہذا القول ہو الصواب فقد صح فیہ حدیث ابن عمر عن النبی صلے اللہ علیہ وسلم انہ کان یفعلہ وصح الیہ

صلی اللہ علیہ وسلم کان اذا صلی رفع یدیہ حین یکبر حیال اذنیہ واذا اراد ان یرکع واذا رفع رأسہ من الرکوع صرف انہی مواطن میں رفعیدین کا ذکر آیا ہے اور سجدہ میں رفعیدین کا ذکر نہیں ہے۔ اسی طرح امام نسائی نے اپنی سنن میں یعقوب اور ابراہیم کی روایت عن ابن عیینۃ عن ابن ابی عروبہ عن قتادہ عن نصر بن مالک نقل کی ہے۔ اس میں بھی رفعیدین فی السجود کا ذکر نہیں ہے۔ چنانچہ ثابت ہوا کہ مالک بن حویرث کی روایت میں اضطراب ہے۔ اور یہ اضطراب ضعف روایت کا باعث ہے۔ چونکہ اس کا دارومدار نصر بن عاصم پر ہے۔ اور وہ ضعیف ہے اگر یہ کہا جائے کہ نسائی نے باب رفعیدین بین السجدتین میں انہی الفاظ کی حدیث مالک بن حویرث کے طریق کے علاوہ اور طریق سے بھی تخریج کی ہے۔ فرماتے ہیں اخبرنا موسیٰ ابن عبداللہ بن موسیٰ البصری قال اخبرنا النضر بن کثیر ابو سہل الازدی قال انہ صلی الی جنب عبداللہ بن طاؤس عنی فی المسجد الخیف فکان اذا سجد السجدۃ الاولیٰ فرفع الرأسہ منہا رفع یدیہ تلقاً وجہہ فانکرت انا ذالک فقلت لوہیب بن خالد ان ہذا یصنع شیئا لم ار احدا یصنعہ فقال لہ وہیب تصنع شیئا لم ار احدا یصنعہ فقال عبداللہ بن طاؤس رائیت ابی یصنعہ وقال عبداللہ بن عباس رائیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یصنعہ ہم کہتے ہیں کہ یہ نضر بن کثیر وہی سعدی بصری ہے کہ ابوحیان نے اس کے متعلق کہا ہے کہ ثقات کی طرف موضوعات منسوب کرتا ہے۔ اس کے ساتھ حجت پکڑنا قطعاً درست نہیں ہے۔ انتہیٰ کلام ابوحیان۔

لہٰذا کوئی سنت نضر بن کثیر جیسے کذاب اور نصر بن عاصم جیسے مختلف فیہ الراوی سے ثابت نہیں ہو سکتی اور یہ اس وقت ہے کہ اس کذاب اور ضعیف آدمی کی روایت قوی رواۃ کی روایتوں کے منافی نہ ہو، حالاں کہ یہ روایت صحابہ کے ایک گروہ کی روایات کے منافی ہے۔ چنانچہ کہا گیا ہے۔ کہ پچاس سے زیادہ صحابہ نے اس روایت کے مخالف حدیث بیان کی ہے۔ یہ اعتراض نہیں کیا جا سکتا کہ ایک اور حدیث میں ہے۔ کہ انہ کان یرفع فی کل خفض ورفع کیوں کہ اگر یہ روایت درجہ صحت تک کو پہنچ بھی جائے تو اس خفض و رفع کو جمہور کی روایت پر محمول کیا جائے گا، کذاب اور ضعیف کی روایت پر محمول نہ ہوگا کیوں کہ یہ زیادتی اتنی اہم نہیں ہے۔ کہ اس سے عمل واجب ہو جائے گا۔ کسی زیادتی سے وجوب عمل پر استدلال نہیں کیا جا سکتا تا وقتیکہ اس زیادتی پر حجت قائم ہو کر وہ قابل اخذ ہو جائے۔ ایسی زیادتیوں کے ساتھ حجت پکڑنا ٹھیک نہیں ہے۔ حافظ ابن قیم ہدی نبوی میں فرماتے ہیں کہ رفعیدین فی السجود کی روایت میں وہم ہے۔ وفی ہذا کفایۃ لمن لہ ہدایۃ۔

دلیل الطالب ص ۲۹۵ تا ص ۲۹۶

مصنف نواب صدیق حسن خاں مرحوم رحمہ

سوال: بغیر نماز کے صرف سجدہ کرنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب: سجدہ بغیر نماز کے بذاتِ خود ایک مستقل عبادت ہے اور اللہ رب العزت اپنے بندوں کو اس عبادت پر اجر وافر عطا فرماتے ہیں، اور اس پر دلالت کرنے والی نصوص قرآن کریم میں معروف ہیں اور ان میں سے بعض نصوص کو نماز کے سجود یا نفس نماز پر محمول کرنا مجازی ہے۔ اور مجازی معنی استعمال کرنے کے لئے کوئی قرینہ یا دلیل ہونی چاہیئے اور منجملہ ان کے تلاوت کے سجدے بھی ہیں کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا منفرد سجدوں کے ساتھ ذکر فرمایا ہے اور اسی طرح سجدہ تلاوت ہے۔ اسے بھی منفرد سجود پر محمول کیا جائے گا۔ اور سجود منفردہ پر دلیل معدان بن طلحہ یعمری کی روایت ہے۔ جو صحیح میں ہے، قال لقیت ثوبان مولی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقلت اخبرنی بعمل اعملہ ید خلنی اللہ بہ الجنۃ او قال قلت باحب الاعمال الی اللہ عزوجل فسکت ثم سألتہ فسکت ثم سألتہ الثالثۃ فقال سألت عن ذالک رسول اللہ صلی علیہ وسلم فقال علیک بکثرۃ السجود للہ فانک لا تسجد للہ سجدۃ الا رفعک اللہ بھا درجۃ حط عنک بھا خطیئۃ ثم لقیت ابا الدرداء فسألتہ فقال لی مثل ما قال ثوبان وھذا لفظ مسلم۔

اور عربی آپ کے الفاظ سجدۃ سے سوائے منفرد سجدہ کے اور کچھ نہیں سمجھے گا۔ جو سجدے نماز میں ہوتے ہیں ان کا اجر تو نماز کے اجر میں داخل ہوتا ہے۔ نیز صحیح میں ربیعہ بن کعب اسلمی کی روایت ہے۔ قال کنت ابیت مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاتیتہ بوضوء حاجتہ فقال لی سل فقلت اسألک مرافقتک فی الجنۃ فقال او غیر ذالک فقلت ھو ذاک قال فاعنی علی نفسک بکثرۃ السجود وھذا لفظ مسلم۔ اور ان الفاظ سے مراد منفرد سجود حقیقی ہوگا۔ ایسی ہی روایت حضرت عائشہ کی صحیح میں ثابت ہے۔

انھا فقدت رسول اللہ لیلۃ من الفراش فالتمستہ فوقعت یدھا علی بطن قدمیہ وھو فی المسجد وھما منصوبتان وھو یقول اللھم انی اعوذ برضاک من سخطک وبمعافاتک من عقوبتک واعوذ بک منک لا احصی ثناء علیک انت کما اثنیت علی نفسک اسی طرح ابو ہریرہ کی روایت بھی سجود منفرد پر صادق آتی ہے قال اقرب ما یکون العبد من ربہ وھو ساجد فاکثروا الدعاء حضرت عائشہ کی حدیث میں ہے قالت کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یصلی احد لی عشرۃ رکعۃ فیما بین ان

یفرغ من صلوۃ العشاء الی صلوۃ الفجر سوی رکعتی الفجر ویسجد قدر ما یقرأ احدکم خمسین آیۃ شوکانی فرماتے ہیں کہ صاحب "عدۃ حصن حصین" نے غلطی کی ہے۔ کہ یہ سجود موضوع ہیں اور میں نے عدۃ کی شرح میں اس پر تنبیہ کردی ہے۔

ابن ابی شیبہ نے اپنی کتاب المصنف میں ابوسعید سے روایت نقل کی ہے، انہ قال ما وضع رجل جبہتہ للہ ساجداً فقال یارب اغفرلی ثلثا الا رفع راسہ وقد غفرلہ۔ یہ حدیث اگرچہ ابوسعید پر موقوف ہے لیکن رفع کے حکم میں ہے چوں کہ ایسی بات رائے سے نہیں کہی جاسکتی۔ اسے طبرانی نے عن ابی مالک عن ابیہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کیا ہے۔ ہیثمی نے مجمع الزوائد میں کہا ہے کہ طبرانی نے اسے معجم کبیر میں محمد بن جابر عن ابی مالک کی روایت سے ذکر کیا ہے۔ ابن ماجہ نے صحیح سند کے ساتھ عبادہ بن صامت سے روایت کی ہے۔ انہ سمع النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقول ما من عبد یسجد للہ سجدۃ الا کتب اللہ بہا حسنۃ ومحا عنہ بہا سیئۃ ورفع بہا درجۃ فاستکثروا من السجود ابن ماجہ اور احمد نے جید سند کے ساتھ ابوفاطمہ سے روایت کی ہے۔

قال قلت یارسول اللہ اخبرنی بعمل استقیم علیہ واعمل قال علیک بالسجود فانک لا تسجد للہ سجدۃ الا رفعک اللہ بہا درجۃ وحط عنک بہا خطیئۃ اور احمد کے الفاظ اس طرح ہیں انہ صلی اللہ علیہ وسلم قال یا ابا فاطمۃ ان اردت ان تلقانی فاکثر السجود۔ طبرانی نے اوسط میں ثقہ رجال کی سند سے حذیفہ کی حدیث ذکر کی ہے۔ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما من حالۃ یکون العبد احب الی اللہ من ان یراہ ساجداً یعفر وجہہ فی التراب۔ احمد اور بزار نے ابوذر کی روایت سند صحیح سے نکالی ہے۔ قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول من سجد للہ سجدۃ کتب اللہ لہ بہا حسنۃ وحط عنہ بہا خطیئۃ ورفع لہ بہا درجۃ واضح ہو کہ ان احادیث میں مذکورہ سجود سے مراد منفرد سجود ہی ہیں۔ جو کہ حقیقی معنیٰ ہے۔ اور ان سے مجازاً نماز کے سجدے مراد لینے میں بھی کوئی حرج نہیں ہے۔ اور یہ مجازی معنی لینے سے حقیقی معنی و مدعا پر بھی اثر نہیں پڑے گا۔

الحاصل کہ سجدہ ایک بہترین عبادت ہے۔ جیسے بندے کو نماز سے تقرب الٰہی حاصل ہوتا ہے۔ اسی طرح سجدے سے بھی حاصل ہوتا ہے۔ جیسا کہ نبی علیہ السلام سے اس کی ترغیب اور اس پر

اجر جزیل کے وعدے منقول ہیں۔

نبی علیہ السلام کا فعل بعض انواع سجود کو مانع نہیں ہے۔ آپ کے غیر کے لیئے جیسا کہ ترغیب آپ کے اقوال سے ثابت ہے۔ اور افعال پر اقوال کی ترجیح کسی پر مخفی نہیں ہے۔ پس مومن کو چاہیے کہ جس طرح چاہے اور جس وقت چاہے (اوقات ممنوعہ کے علاوہ) سجدے کرے۔ جو شخص اس بات کا انکار کرتا ہے۔ وہ مذکورۃ الصدر احادیث کو یا تو جانتا نہیں ہے یا اگر سمجھتا نہیں ہے کہ ان سے کم تر احادیث سے سجدے کی مشروعیت ثابت ہو سکتی ہے کجا ان احادیث صحیحہ کا انبوہ کثیر اور جو شخص یہ کہے کہ صرف سجدہ تلاوت اور سجدہ شکر کے انواع ہی مشروع ہیں۔ اس کا جواب اس طرح دیا جا سکتا ہے۔ کہ یہ شق نماز میں بھی لازم آتی ہے۔ پس اسے منتقل ہو جانا چاہیئے مگر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے واقع شدہ نقل کے ساتھ اور منقول اس میں عدد یا صفت میں زیادتی نہ کی جائے اور صرف اس وقت سرانجام دی جائے جس وقت نبی علیہ السلام نے سرانجام دی اور ظاہر ہے کہ یہ قول سراسر جہالت ہے۔ چونکہ نماز کے بارے میں وارد شدہ ترغیبات اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ نماز نفل زیادہ سے زیادہ پڑھنا سنت ثابتہ اور شریعت قائم ہے بشرطیکہ اس کی ادائیگی کا وقت مکروہ اوقات میں سے نہ ہو۔ یہی صورت مجرد سجود کی ہے کہ ساجد کے لئے ترغیب اور اجر جزیل ثابت ہے۔ جیسا کہ ابھی ذکر ہوا ہے۔ اور خصوصاً جب کہ یہ سجدہ رب العزت کے قرب کے اسباب میں سے ہو جیسا کہ فرمان نبوی ہے۔ "اقرب ما یکون العبد من ربہ وھو ساجد" اور پھر اس قرب رب العزت دعا کی طرف خصوصی توجہ دلائی گئی ہے۔ کس قدر زیادہ حق دار ہے قبولیت کا وہ شخص اجازت کا دروازہ اس حالت میں کھٹکھٹاتا ہے۔ جب وہ اپنے رب کے حضور سجدہ ریز ہے۔ اس کے لئے رحمت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں وہ رحمت جس کے ساتھ دعائیں قبول ہوتی ہیں اور درجات بلند ہوتے ہیں۔ اور غلطیاں مٹ جاتی ہیں۔ چوں کہ انسان اس وقت اپنے رب العزت کے قرب بلکہ اقرب القرب مقام میں ہوتا ہے۔ یہ امام شوکانی کے الفاظ کا ترجمہ ہے۔ اور امام شوکانی اپنے آخری ایام زندگی میں کثرت کے ساتھ طویل ترین سجدے کیا کرتے تھے۔ اور کس قدر اچھے امام بیہقیؒ کے اشعار اس بارے

من اعتز بالمولی فذاک جلیل	ومن رام عزا عن سواہ فھو ذلیل
ولو ان نفسی مذ براھا ملیکھا	مضی عمرھا فی سجدۃ لقلیل
احب مناجاۃ الحبیب باوجہ	ولکن لسان المذنبین کلیل

اللّٰھم وفقنا لکثرۃ السجود لک وارزقنا بھا مرافقۃ نبیک فی جنتک انک علی ما تشاء قدیر وبالاجابۃ جدیر۔ دلیل الطالب علی ارجح المطالب از ص۲۹۷ تا ص۲۹۹

سوال: نماز میں نبی علیہ السلام پر درود پڑھنا واجب ہے یا نہیں؟

جواب: نماز میں درود کے وجوب کے قائلین کہتے ہیں کہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث میں ہے، کیف نقول اذا صلینا علیک فی صلوٰتنا فقال قولوا الحدیث اخرجہ ابن حبان والحاکم وابن خزیمہ والدارقطنی ہم کہتے ہیں کہ کسی چیز کی کیفیت کی تعلیم اور اس کا امر مکیف کا امر نہیں ہے تاکہ ہم صرف وجوب کے ساتھ اسکو مقید کریں اور یہ معنی لغۃً شرعاً اور عرفاً مشہور ہے اور یہ محاورہ سنت رسول میں بکثرت وارد ہوا ہے۔ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ مسئول عنہا کی کیفیت ہی نماز کے درود کی کیفیت ہے کہ اس کا حکم اور تعلیم واقع ہوئی ہے۔ اور وجوب کا بیان ہے مجمل۔ چوں کہ صلوا علیہ کے مجمل ہونے کو اصول مانع ہے اور اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ وجوب کا بیان مجمل ہے تو طبری نے اس پر اجماع کی حکایت کی ہے۔ اس صورت میں مجمل مندوب کا بیان ہوگا نہ کہ مجمل واجب کا اور اگر ہم واجب تسلیم کر لیں تو پھر بھی ایک بار بالفعل اس عہدہ سے خروج حاصل ہوتا ہے۔ جیسا کہ کتب اصول سے واضح ہے پس تکرار کہاں ہے۔ چلو یہ بھی تسلیم کر لیتے ہیں کہ تکرار بھی موجود ہے مگر اس زیادتی میں اقیموا الصلوٰۃ اور صلوا کما رأیتمونی اصلی کے بیان پر زیادتی نہیں ہے، مگر وہ زیادہ سے زیادہ اقیموا الصلوٰۃ اور صلوا کما رأیتمونی اصلی کا آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے افعال سے بیان ہے۔ نیز وہ امر جو حدیث مسئ صلوٰۃ میں نہ ہو واجب نہیں ہو سکتا، یہ بھی اسی قبیل سے ہے۔ اور اگر بالفرض ہو بھی تو مسئلہ متنازعہ فیہ سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ سوال تشہد میں درود پڑھنے کا ہے۔ کسی حدیث میں خصوصیت سے تشہد میں درود پڑھنے کا ذکر نہیں مطلق نماز میں ہے اور اس میں تنازعہ نہیں۔ اگر اس حدیث سے استدلال کریں کہ "البخیل من ذکرت عندہ فلم یصل علی، اخرجہ الترمذی تو یہ دلیل ناممکن ہے، اگر یہ تسلیم کر لیں کہ بخل صرف ترک واجبات ہی کا نام ہے تو پھر یہ استدلال درست ہو سکتا ہے لیکن واضح ہے کہ ایسا نہیں ہے۔ اہل لغت اہل شرع اور اہل عرف اسکا اطلاق غیر واجب پر کرتے ہیں، یہ کہنا بھی درست نہیں کہ مسند الیہ معروف باللام ہے اسلئے حصر کا معنی ہوگا۔ اس لیے یہ اسناد ہے نہ اکثری۔ اسی لئے صاحب تلخیص ایسی عبارت لائے ہیں جو تقلیل پر دال ہے وہ فرماتے ہیں الثانی قد لیفید نفی الجنس مگر ہم یہ بھی تسلیم کر لیں تو اگر بخل کے حقیقی معنی مراد لئے جائیں تو وہ ایسے شخص کو کہا جاتا ہے جو مروت سے متعلق امور میں بخل کرے۔ (دلیل الطالب ص۳۰۰)

سوال : کیا فرماتے ہیں علماءِ دین اِس مسئلہ میں کہ مدرک رکوع یعنی امام کے ساتھ رکوع میں ملنے والے کی رکعت ہوجاتی ہے یانہیں ؟ ایسی حالت میں ظاہر ہے کہ رکوع پانے والے نے سورۂ فاتحہ نہیں پڑھی احادیث صحیحہ کی روشنی میں جواب دیا جائے ۔ بینوا توجروا ۔

الجواب بیدہ الصواب : سب سے پہلے یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کرلینی چاہیئے کہ ہر نمازی پرخواہ وہ امام ہو یا مقتدی ، منفرد ہو یا مدرک رکوع ، نماز فرض ہو یا سنّت یا نفل ، سورۃ فاتحہ پڑھنی فرض ہے ۔ اس کے بغیر پڑھے کسی کی کسی صورت میں نماز نہ ہوگی ۔ احادیث صحیحہ سے یہی ثابت ہے ۔ اس کے متعلق بے شمار حدیثیں ہیں ، ان میں سے چند حدیثیں ہدیۂ ناظرین ہیں جن کو غور سے پڑھیں ۔

ان رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم قال لاصلوٰۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب (بخاری مسلم ، ترمذی ، ابن ماجہ ودیگر کتب حدیث) یعنی فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ، نہیں نماز ہوتی ، اُس شخص کی جس نے سورۃ فاتحہ نہیں پڑھی ۔

جزء القراٰۃ للامام بخاری ونیز دیگر کتب حدیث میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور اکرم صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے ان کو مدینہ کی گلیوں ، اور بازاروں میں بھیج کر آواز لگوادی تھی ، کہ لاصلوٰۃ الا بقراٰۃ فاتحۃ الکتاب ، یعنی سُن کو ، بغیر الحمد پڑھے کسی کی نماز نہ ہوگی ، اس قسم کی سینکڑوں حدیثیں صحاح وغیرہ میں موجود ہیں ۔ جن کو بخوفِ طوالت یہاں نظر انداز کیا جاتا ہے ۔ ان حدیثوں کے عموم پر غور کرنا چاہیئے ۔ اگر مدرک رکوع کی نماز ہوجاتی ، تو حضورؐ صاف فرمادیتے کہ نماز بغیر الحمد کے نہیں ہوتی ، مگر رکوع پانے والے کی ہوجاتی ہے ۔

جس طرح حضرات احناف اِن حدیثوں کی خلاف ورزی کرتے ہوئے کہتے ہیں ، کہ مقتدی کی نماز بغیر فاتحہ پڑھے ہوجاتی ہے ، اور طرح طرح کی تاویلات ودلیلیں پیش کرتے ہیں ، چاہے اِن سے اُن کا مدعا ثابت ہو یا نہ ہو ، اسی طرح بعض مدعیانِ اہلحدیث بھی مدرک رکوع کی رکعت ہوجانے پر اڑے ہوئے ہیں ۔ اور جو دلائل اس کے متعلق پیش کرتے ہیں اکثر تو محدثین کے نزدیک کمزور وضعیف ہیں اور جو صحیح ہیں ان سے ان کا ہرگز یہ مدعا ثابت نہیں ہوتا ۔ ان کی تفصیل ملاحظہ ہو ۔

پہلی دلیل حدیث ابوبکرہ رضی اللہ عنہ کی ہے جو علاوہ کتب حدیث کے صحیح بخاری

میں بھی موجود ہے۔ اس کا خلاصہ اس طرح ہے کہ ابو بکرہ رضی اللہ عنہ مسجد میں ایسی حالت میں پہنچے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم رکوع میں جا چکے تھے۔ ابو بکرہؓ صف کے پیچھے سے رکوع کر کے نماز میں شریک ہو گئے بعد فراغت نماز آپ نے ان سے فرمایا "زادک اللہ حرصًا ولا تعد" اللہ تمہارا شوق زیادہ کرے۔ لیکن یہ حرکت آئندہ نہ کرنا۔ کہ بغیر صف کے پہنچے ہی رکوع میں چلے جاؤ۔

اس حدیث میں کہیں نہیں ہے کہ ابو بکرہؓ کی رکوع والی رکعت ہوگئی، یہ محض لوگوں کو دھوکے میں ڈالنا ہے کہ لاتعد سے مراد رکوع والی رکعت کا عدم اعادہ ہے۔ حضرت امام بخاری رحمہ اللہ نے خود اس کے متعلق جزء القراۃ میں فیصلہ کر دیا ہے۔ اور اس کے معنی خود ہی بیان کر دیئے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں "لیس لاحد ان یعود لما نہی النبی صلے اللہ علیہ وسلم عنہ ولیس فی جوابہ انہ اعتد بالرکوع" یعنی حدیث ابو بکرہ رضی اللہ عنہ سے معلوم ہوا کہ کسی کو جائز نہیں ہے۔ کہ حضور کے منع کرنے کے بعد صف کے پیچھے سے رکوع کرتا ہوا امام کے ساتھ رکوع میں شریک ہو جائے اور اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ابو بکرہؓ نے رکوع کی رکعت کو شمار کیا ہو۔ سبحان اللہ، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ تو فرمائیں کہ ابو بکرہؓ کی حدیث سے یہ نہ سمجھنا کہ رکوع والی رکعت کو انہوں نے شمار کیا ہے۔ اور یہ حضرات حدیث کو الٹ پلٹ کر اس سے رکوع کی رکعت ثابت کرنے کے فکر میں ہیں۔

امام بخاریؒ کی اس تصریح کے بعد اس حدیث سے رکوع کی رکعت مراد لینا گویا امام بخاری کو جھٹلانا ہے۔ اس لیے کہ وہ اپنی روایت کردہ حدیث خوب سمجھتے تھے۔ "صاحب البیت ادری بما فی بیتہ" و نیز امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ جزء القراۃ میں ابو بکرہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے واقعہ کو نقل کرتے ہوئے حدیث کا یہ ٹکڑا بھی نقل کرتے ہیں۔ کہ حضورؐ نے ابو بکرہؓ سے فرمایا واقض ما سبقک یعنی ابو بکرہ اپنی رکوع والی رکعت کو پھر سے پڑھ لو۔ یہ روایت طبرانی میں بھی اسی طرح ہے۔ لو اب تو معاملہ بالکل ہی صاف ہو گیا۔ و نیز صحیح بخاری و مسلم وغیرہ میں حضور علیہ السلام کا صاف فرمان موجود ہے۔ "ما ادرکتم فصلوا وما فاتکم فاتموا" یعنی لوگو، نماز میں بھاگ کر نہ ملو جو امام کے ساتھ پاؤ اسے پڑھ لو، اور جو حصہ فوت ہو جائے اس کو بعد سلام پھیرنے امام کے پڑھ لیا کرو۔ چنانچہ علامہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کے نیچے فتح الباری میں لکھتے ہیں :۔

واستدل بہ علی ان من ادرک الامام راکعًا لم تحسب لہ تلک الرکعۃ للامر باتمام ما فاتہ

لانہ فاتہ الوقوف والقرأۃ فیہ وہو قول ابی ہریرۃ وجماعۃ بل حکاہ البخاری فی القرأۃ خلف الامام عن کل من ذہب الی وجوب قرأۃ خلف الامام" یعنی اس حدیث میں دلیل ہے ان لوگوں کی جو کہتے ہیں، رکوع میں شامل ہونے سے رکعت شمار نہ ہوگی۔ اس لیے کہ آپ نے فرمایا کہ فوت شدہ حصہ کو پڑھ لو، چونکہ اس صورت میں قیام اور قرأۃ فوت ہوچکے ہیں اس لئے اس رکعت کا اعادہ ضروری ہے۔ یہ ہی قول حضرت ابوہریرہ رضہ اور ایک جماعت صحابہ کا ہے۔ یہاں تک کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا جو صحابہ قرأۃ خلف الامام کو فرض سمجھتے ہیں۔ وہ سب اسی طرح کہتے ہیں۔ اس حدیث کے ہوتے ہوئے اور امام بخاری وغیرہ کی اس تصریح کے بعد معلوم ہوا کہ رکوع کی رکعت لینے والے حدیث کے خلاف کرنے میں کس قدر بے باک ہیں۔

دوسری دلیل جو مدرک بالرکوع کی صحت نماز کے متعلق پیش کی جاتی ہے وہ یہ ہے۔ جسے ابوداود نے بایں الفاظ نقل کیا ہے۔ "من ادرک الرکعۃ فقد ادرک الصلوٰۃ" اس کا صحیح ترجمہ اس طرح ہے۔ جس نے رکعت پائی اُس نے نماز پائی، رکعت کہتے ہیں قیام اور قرأت اور رکوع و سجدہ کے مجموعے کو۔ یہاں رکعت کے معنی رکوع کے لینا سراسر غلط ہے۔ عون المعبود شرح ابوداود میں ہے۔ وھاھنا لیست قرینۃ تصرف عن حقیقۃ الرکعۃ فلیس فیہ دلیل علی ان مدرک الامام راکعا مدرک لتلک الرکعۃ یعنی اس مقام پر حقیقی معنی رکعت کے ہیں اس حدیث سے ثابت نہیں ہوتا، کہ مدرک الرکوع کی رکعت ہوجاتی ہے، یہ تو اس کے معنی کے متعلق بحث تھی، اب اس کی سند کے متعلق سنئے۔ یہ حدیث سرے سے ضعیف ہے۔ حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ جزء القرأۃ میں لکھتے ہیں کہ اس میں ایک راوی یحیٰی بن سلیمان ہے۔ وہ ضعیف اور منکر الحدیث ہے۔ اور اس نے یہ روایت اپنے استاذ زید اور ابن المقبری سے نہیں سُنی، اور اس حدیث سے حجت نہیں پکڑی جاسکتی۔ جزء القرأۃ صفحہ ۲۶۔ یہ سب کو معلوم ہے کہ امام بخاری جیسا جلیل القدر محدث دنیا میں ایک بھی نہیں گزرا جب وہ اس حدیث کو ضعیف اور منکر بتاتے ہیں، تو اب کس کی مجال کہ اس کو صحیح سمجھے اور اس سے مدرک بالرکوع کی صحت نماز کا فتویٰ دے۔

و نیز شیخ الکل حضرت مولانا سید نذیر حسین صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ جن کا ثانی متاخرین محدثین میں اب تک کوئی نہیں پیدا ہوا۔ ان کے فتاوے میں مع ان کی تصحیح و مہر مرقوم ہے۔

حدیث میں "من ادرک الرکعۃ" میں رکعت سے رکوع مراد لینا جائز نہیں، کیوں کہ یہ معنی مجازی ہے۔ اور لفظ کا معنی مجازی مراد لینا بلا قرینہ کے جائز نہیں، اور اس حدیث میں کوئی قرینہ نہیں ہے۔ اور ساتھ اس کے یہ حدیث ضعیف بھی ہے۔ فتاوےٰ نذیریہ صفحہ ۲۸۶۔ اسی لیے مولانا سید نذیر حسین صاحب محدث رکوع کی رکعت کے سرے سے قائل نہ تھے، جیسا کہ عون المعبود میں ہے۔ وہذا ای بعدم اعتداد وهو قول شیخنا العلامہ السید مولانا نذیر حسین الدہلوی متعنا اللہ بطول حیاتہ عون المعبود شرح ابو داؤد صفحہ ۳۳۴۔ یعنی رکوع کی رکعت کے نہ ہونے کے قائل ہیں شیخ علامہ نذیر حسین محدث دہلوی و نیز خود ابوہریرہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ جو اس حدیث کے راوی بیان کیئے جاتے ہیں۔ ان کا فتوے اس طرح ہے۔ عن ابی ہریرۃ من ادرک فی الرکوع فلیرکع معہ ولیعد الرکعۃ رواہ البخاری فی جزء القراءۃ خلف الامام" یعنی جس نے رکوع پایا اس کو وہ رکعت لوٹانی ہوگی۔ حضرت ابوہریرہ کے اس فیصلہ کے بعد ان کی روایت کر دہ حدیث میں رکوع مراد لینا سراسر نافہمی کی دلیل ہے۔

تیسری دلیل مدرک بالرکوع کی صحت نماز کے لئے یہ پیش کی جاتی ہے۔ اس کو ابن خزیمہ رحمۃ اللہ علیہ نے بایں الفاظ نقل کیا ہے۔ من ادرک الرکعۃ من الصلوٰۃ فقد ادرکہا قبل ان یقیم الامام صلبہ یعنی جس نے رکوع پا لیا امام کے سر اٹھانے سے پہلے، اس نے اس رکعت کو پالیا۔ اس روایت کے متعلق حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ کی تنقید و تضعیف جزء القراءۃ میں اس طرح ہے اما یحیی ابن حمید فمجہول لا یعتمد علی حدیثہ ..... فلیس ہذا مما یحتج بہ اہل العلم یعنی اس حدیث میں ایک راوی یحییٰ ابن حمید ہے۔ اس کی حدیث پر اعتماد نہیں کیا جاتا اور نہ اہل علم نے اس کے ساتھ حجت پکڑی ہے لہٰذا اس روایت سے قائلین مدرک بالرکوع کا استدلال کرنا غلط ہوا۔

چوتھی دلیل قائلین صحت نماز مدرک رکوع کی یہ ہے جس کو دارقطنی رحمۃ اللہ علیہ نے بایں الفاظ نقل کیا ہے: "من ادرک الرکوع من الرکعۃ الآخرۃ یوم الجمعۃ فلیحنف الیہا الاخری والحدیث" یعنی جس شخص نے جمعہ کی نماز کی پچھلی رکعت کا رکوع پا لیا۔ اس کو چاہیئے کہ دوسری رکعت پڑھ لے۔ اس کا جمعہ ہو گیا۔ اس روایت کے متعلق معلوم ہونا چاہیئے کہ اس میں ایک راوی سلیمان بن داؤد حرانی ہے۔ اس کے متعلق امام بخاریؒ جزء القراءۃ میں لکھتے ہیں، منکر الحدیث یعنی اس کی روایت منکر ہوتی ہے۔ منکر روایت محدثین کے نزدیک انتہا درجہ کی ضعیف ہوتی ہے۔ ابن حبانؒ نے فرمایا

لا یُحتج بہ (تعلیق المغنی) یعنی اس کی روایت قابلِ حجت نہیں۔

حضرات! ان لوگوں کی یہی چند دلیلیں تھیں جن کی حقیقت آپ کے سامنے کھل گئی۔ حضرت امام بخاریؒ جیسے جلیل القدر محدث نے جو ان کے متعلق فرمایا ہے۔ وہ آپ ملاحظہ فرما چکے۔ اب کس شخص کی مجال ہے۔ کہ ان صحیح دلیلوں کو ضعیف بتائے۔ پہاڑ کو اس کی جگہ سے ہٹانا ممکن ہے مگر امام بخاریؒ کی برج کو ہٹانا بہت مشکل اور دشوار ہے۔ جن لوگوں کو اللہ تعالےٰ نے فنِ حدیث میں ملکہ دیا ہے وہ خوب جانتے ہیں، ان کے علاوہ قائلینِ صحت نماز مدرک رکوع کے پاس چند قیاسات فاسدہ ہیں۔ جن کی بنا فاسد علی الفاسد ہے اس لیے ان کے جواب کی سرِ دست ضرورت نہیں۔ حضرات! یہ ساری عمر کی نماز کا معاملہ ہے۔ نماز میں سورۂ فاتحہ نہ پڑھنے سے عمر بھر کی نماز کی بربادی یقینی ہے۔ آگے تمہیں اختیار ہے۔ اِنْ اُرِیْدُ اِلَّا الْاِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ وَمَا تَوْفِیْقِیْ اِلَّا بِاللہِ عَلَیْہِ تَوَکَّلْتُ وَاِلَیْہِ اُنِیْبُ۔ محمد یونس غفرلہٗ قریشی دہلوی مدرس دار الحدیث رحمانیہ سولجر بازار کراچی ۲ جمادی الثانی ۱۳۷۳ھ (مطبوعہ رسالہ اتمام الخشوع)

مدرک رکوع کی حدیث اور اسکی حقیقت: حدیث ابوہریرۃ جسکو ابوداؤد نے مرفوعاً روایت کیا ہے، اِذَا جِئْتُمْ اِلَی الصَّلٰوۃِ وَنَحْنُ سُجُوْدٌ فَاسْجُدُوْا وَلَا تَعُدُّوْھَا شَیْئًا وَمَنْ اَدْرَکَ الرَّکْعَۃَ فَقَدْ اَدْرَکَ الصَّلٰوۃَ۔ رکعت کے دو معنی ہیں حقیقی اور مجازی، حقیقی معنی رکعت ہے۔ اور مجازی معنی رکوع ہے۔ حقیقت مجاز پر مقدم ہے۔ جب حقیقت متعذرہ ہو تو مجاز مستعمل ہوتی ہے۔ تعین مجاز کے لیے قرینہ صارفہ کی ضرورت ہے۔

قرینہ صارفہ کی مثال: جیسا کہ صحیح مسلم شریف میں براء ابن عازب سے مروی ہے۔ بلفظ فَوَجَدْتُ قِیَامَہٗ فَرَکْعَتَہٗ فَاعْتِدَالَہٗ فَسَجْدَتَہٗ پس رقوع رکعت قیام اعتدال اور سجدہ کے مقابل قرینہ صارفہ ہے۔ اس مقام میں رکعت سے مراد رکوع ہے اور حدیث ابوداؤد میں کوئی قرینہ صارفہ نہیں جو حقیقت سے مجاز کی طرف پھیرے پس معنی حدیث یہ ہوگا مَنْ اَدْرَکَ الرَّکْعَۃَ فَقَدْ اَدْرَکَ الصَّلٰوۃَ جس شخص نے ایک رکعت باجماعت پالی اس نے نماز باجماعت کا ثواب پالیا۔

اس حدیث پر بدو وجہ کلام ہے۔ اوّل اس میں یحییٰ بن سلیمان راوی ضعیف ہے، تقریب میں ہے یحییٰ بن سلیمان بن المدینی ابو صالح لین الحدیث ہے۔ کاشف میں ہے قال البخاری منکر الحدیث، خلاصہ میں ہے یحییٰ بن ابی سلیمان عن سعید المقبری وعنہ شعبۃ قال البخاری منکر الحدیث۔ حاشیہ خلاصہ پر نقلاً عن التہذیب مستور ہے۔ وقال ابو حاتم مضطرب الحدیث یکتب حدیثہ لیس ممن یکذب۔ میزان میں ہے۔ قال ابو حاتم یکتب حدیثہ لیس ہو بالقوی وقال البخاری منکر الحدیث۔ امام بیہقی معرفت میں لکھتے ہیں۔ تفرد بہ یحییٰ بن ابی سلیمان ہذا ولیس بالقوی، اور امام بخاری جزء القراۃ میں فرماتے ہیں۔ ویحییٰ ہذا منکر الحدیث وثقہ ابن حبان والحاکم وذکرہ ابن حبان فی الثقات خلاصہ یحییٰ بن ابی سلیمان کی توثیق ابن حبان اور حاکم نے کی ہے۔ اور اس کی تضعیف ایک جماعت کثیرہ سے منقول ہے۔

وجہ دوم: اس حدیث میں یہ زیادتی اِذَا جِئْتُمْ اِلَی الصَّلٰوۃِ وَنَحْنُ سُجُوْدٌ فَاسْجُدُوْا وَلَا تَعُدُّوْھَا شَیْئًا غیر محفوظ و منکر ہے۔ ایک جماعت کثیرہ نے حدیث ابو ہریرہ کو روایت کیا ہے۔ مگر سوائے یحییٰ ابن ابی سلیمان کے کسی نے اس زیادت کو روایت نہیں کیا اس جماعت کی حدیث کو امام بخاری جزء القراۃ میں لائے ہیں۔ اور دس رواۃ یہ ہیں۔ امام مالک، عبید اللہ بن عمر، یحییٰ بن سعید، ابن الہاد، یونس، معمر، ابن عیینہ، شعیب، ابن جریج، عراک بن مالک۔ تلک عشرۃ کاملۃ کے خلاف یحییٰ بن ابی سلیمان کی یہ زیادتی غیر محفوظ اور منکر ہے۔

ایک اعتراض اور اس کا جواب: اگر کہا جائے کہ اس حدیث پر ابو داؤد اور منذری کا سکوت صحتِ حدیث پر بین دلیل ہے۔ اس کا جواب یہ ہے۔ کہ سکوت ابو داؤد صالح للاحتجاج کا اصول اکثری ہے۔ نہ کہ کلی ورنہ ابو داؤد میں بیسیوں ایسے مقام ہیں جن پر ابو داؤد اور منذری نے سکوت کیا ہے۔ اور وہ حدیث عند المحدثین قابلِ حجت نہیں، چنانچہ ابو داؤد کے باب سجدتی السہو فیہما تشہد و تسلیم میں عمران بن حصین کی روایت میں ذکر تشہد محفوظ نہیں اور ابو داؤد کا اس پر سکوت ہے۔ ایسی ایسی اور بھی مثالیں موجود ہیں جن کو امام شوکانی نے نیل الاوطار میں ذکر کیا ہے۔ **حدیث دار قطنی اور ابن خزیمہ کی تحقیق**: عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ مَنْ اَدْرَکَ رَکْعَۃً مِّنَ الصَّلٰوۃِ فَقَدْ اَدْرَکَھَا قَبْلَ اَنْ یُّقِیْمَ الْاِمَامُ صُلْبَہٗ اخرجہ الدار قطنی وابن خزیمۃ۔" مگر اس میں بھی بچند وجوہ کلام ہے۔ اول اس میں قرۃ بن عبد الرحمٰن راوی ضعیف ہے۔ دوسرے قرۃ بن عبد الرحمٰن کے شاگرد یحییٰ بن حمید راوی کو امام بخاری نے جزء القراۃ میں مجہول کہا ہے۔ اور کہا ہے ولیس ہذا مما یحتج بہ اہل العلم۔ اور میزان الاعتدال میں قال البخاری لا یتابع فی حدیثہ وضعفہ الدارقطنی دوم یہ حدیث غیر محفوظ و منکر ہے۔ قَبْلَ اَنْ یُّقِیْمَ الْاِمَامُ صُلْبَہٗ کا لفظ یحییٰ بن حمید نے خلاف ثقات اثبات مذکورین کے روایت کیا ہے۔ قرۃ بن عبد الرحمٰن ضعیف راوی کے متعلق تقریب میں یقال اسمہ یحییٰ صدوق لہ مناکیر الخ ترغیب میں ہے۔ قال احمد منکر الحدیث جداً وضعفہ ابن معین وقال ابن عدی ارجو انہ لا باس بہ وصحح حدیثہ ابن حبان واخرجہ مسلم مقرونا بعمرو بن الحارث وغیرہ انتہیٰ کاشف میں ہے۔ ضعفہ۔ ابن معین وقال احمد منکر الحدیث جداً انتہیٰ۔ میزان میں ہے۔ خرج لہ مسلم فی الشواہد وقال الجوزجانی سمعت احمد منکر الحدیث جداً۔ وقال یحییٰ ضعیف الحدیث وقال ابو حاتم لیس بالقوی، وقال ابن عدی روی الاوزاعی عن قرۃ بضعۃ عشر حدیثا وارجو انہ لا باس بہ انتہیٰ۔

پس ثابت ہوا کہ دار قطنی اور ابن خزیمہ کی روایت صحیح نہیں بلکہ غیر محفوظ اور منکر ہے۔ حاشیہ عربی بلوغ المرام میں ہے۔ صحیحات ابن خزیمہ وغیرہ پر عمل جائز ہے کیوں کہ ان کے مصنفین نے ان حدیث کی صحت پر حکم لگایا ہے۔ مگر اس جب کہ غیر ان کے نے معارضت اور منازعت کی ہو تو اس وقت دلیل کی ضرورت ہے۔ (برہان العجاب مع ترجمہ کشف الحجاب) **تمت بالخیر**! الحمد للہ

کہ آج فتاوئے علمائے حدیث کتاب الصلوٰۃ کی تکمیل سے فراغت ہوئی۔ دعا ہے کہ اللہ تعالےٰ اس دینی علمی مجموعہ کو قبولیت عامہ عطا فرمائے۔ معاونین اشاعت اور علمائے سلف کی علمی باقیات الصالحات کو دوام نصیب کرے۔ علی محمد سعیدی مہتمم جامعہ سعیدیہ صفر ۱۳۹۴ھ مطابق مارچ ۱۹۷۴ء

الجامعۃ السعیدیہ خانیوال

رفقاء کرام! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

جیسا کہ آپ کو معلوم ہے کہ "جامعہ سعیدیہ" ایک مشہور جماعتی علمی مدرسہ ہے۔ جہاں سے قرآن و حدیث اور دیگر علوم و فنون کے چشمے پھوٹ کر ارضِ پاکستان کو سیراب کر رہے ہیں، جس کی بنیاد بیہقی زماں، حضرت العلام مولانا محمد شرف الدین صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے ۱۳۵۰ھ میں بنگش دہلی میں رکھی ۱۹۴۷ء کے خونی انقلاب تک سینکڑوں علمائے کرام فیض یاب ہوئے، دورانِ انقلاب آپ دہلی سے ہجرت کر کے کراچی تشریف لائے اور مدرسہ کی بنیاد چیچہ میں رکھی، تو اللہ تعالیٰ کی بے پایاں رحمت اور کارکنان کے خلوص و ایثار سے "جامعہ سعیدیہ" ترقی کی منزلیں طے کرتا ہوا، متفرق شعبہ جات میں تقسیم ہوا۔ حفظ القرآن اور پرائمری کے علاوہ درس نظامی کے فارغ التحصیل علمائے کرام پاکستان کے مرکزی مقامات پر درس و تدریس اور خطابت کے فرائض سرانجام دے رہے ہیں "برق اسلام" "اسلامی شکل و صورت" اور "تہذیب النسوان" جیسی بڑی اور چھوٹی کتابوں کی اشاعت کی، چنانچہ مجموعہ "فتاوے علمائے حدیث کتاب الزکوٰۃ، کتاب الطہارۃ اور کتاب الصلوٰۃ حصہ اول و دوم شائع ہو چکے ہیں۔ اور کتاب حصہ سوئم زیر طبع ہے۔

جامعہ سعیدیہ کی ایک شاخ خانیوال میں ہے جس کو مرکزی حیثیت حاصل ہے، جنوب مشرق خانیوال ایک وسیع میدان میں سات کمرے اور ان کی چار دیواری مکمل ہو چکی ہے، بجلی اور پنکھے اور پانی کی موٹر کا بھی انتظام ہو چکا ہے۔ مدرسۃ البنات جامعہ سعیدیہ کی بنیاد بھی رکھی جا چکی ہے۔ مدرسہ کا سالانہ حساب شائع کیا جاتا ہے۔ جامعہ سعیدیہ کا تعمیری حصہ کافی حد تک باقی ہے۔ مسجد، مہمان خانہ، لائبریری اور اساتذہ کے تعلیمی کمرے اصحاب ثروت کی توجہ کے منتظر ہیں۔ الراقم

(مولانا) علی محمد سعیدی، مہتمم جامعہ سعیدیہ خانیوال (ملتان)